سلطانِ عادل

الماس ایم اے



وہ خوبصورت تھی حسین تھی بلکہ مہ جبین تھی سرو قامن ' چھریرا بدن' آبرو کمان' کھینچی ہوئی چتونیں گلابی شہابی رنگ' جب حسن خان سوری حویلی کی طویل ڈیوڑھی میں داخل ہو کے آواز لگاتا۔

"کدھر ہے میری چاندنی؟" تو چاندنی بل کھا کے کمرے سے یوں سن سے نکلتی جیسے کڑی کمان کا تیر نکلتا ہے۔ پھر وہ دوڑ کے پنتالیس سالہ حسن خان کے پاس پہنچ جاتی اور فرش پر بیٹھ کر اپنے بے پناہ محبت کرنے والے شوہر کے جوتوں کے تسمے کھولنے لگتی۔ دن بھر کے بعد گھر میں آنے والے شوہر کے جوتوں کے تسمے کھولنا زن ہندی یا برصغیر کی زن ہندو کا وہ روائتی انداز ہے جسے ہندو عورتیں آج تک اپنائے ہوئے ہیں۔

چاندنی ہندو تھی وہ ہندو گھرانے میں پیدا ہوئی بارہ سال تک اسی ماحول میں پلی بڑی مگر جب وہ غریب گھرانہ اولاد کا بار نہ اٹھا سکا تو چاندنی کا باپ اسے حسن خان کی ڈیوڑھی پر ایک ملازمہ لونڈی یا کنیز کی حیثیت سے چھوڑ گیا۔

حسن خان کی تین بیویاں پہلے سے تھیں ایک خالص افغانی سوری خاندان کی اور دو ہندوستانی۔ اچھی صورت اور اچھے خاندان والیاں تھیں مگر حسن خان سوری اس بارہ سالہ ہندو زادی پر ایسا فریفتہ ہوا کہ اسی کا ہو کے رہ گیا۔ پھر اس حویلی میں لونڈی بن کر آنے والی چاندنی دوسرے ہی سال گھر کی چاندنی اور مالکہ بن گئی۔ حسن خان کی پہلی تین بیویاں بغیر کسی جھگڑے کے ایک ہی حویلی میں رہتی تھیں مگر چاندنی نے حسن خان کے دل پر بیٹھتے ہی پہلا مطالبہ کیا۔

خاں جی! چاندنی حسن خاں کے گلے میں باہیں ڈال کر بولی---- "ان بوڑھی گڑیوں

کو کسی اور جگہ لے جاؤ یا پھر مجھے کسی الگ حویلی میں رکھو" "مگر کیوں" حسن خاں نے مزاحمت کی۔

"اس لیے کہ میں ان کی بوڑھی صورتوں کو دیکھ کر خود بھی بوڑھی ہو جاؤں گی" چاندنی اگرچہ پڑھی لکھی نہ تھی مگر اس کی زبان قینچی کی طرح چلتی تھی اور ہر سوال کو کاٹتی چلی جاتی تھی۔

حسن خان نے حیران نظروں سے چاندنی کو دیکھا۔

وہ بوڑھی کب ہیں۔ بیس بیس' بائیس سال کی عورتیں بوڑھی تو نہیں ہوتیں۔ حسن خان نے اپنے خیال میں بڑی مضبوط دلیل دی اور یہ حقیقت بھی تھی۔ حسن خان کی تینوں بیویاں پچیس سال سے کم تھیں چاندنی چند لمحے سوچنے کے بعد بولی۔

خان جی نئی جوتی آنے پر پرانی جوتی کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو پیر سے اتار کر پھینک دی جاتی ہے۔ حسن خاں سناٹے میں آگیا وہ اپنی پہلی بیویوں کا حق مارنا نہیں چاہتا تھا اس لیے اس نے پھر مزاحمت کی اور ذرا سخت لہجے میں بولا۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔ میں ان کی حق تلفی نہیں کر سکتا"۔

ٹھیک ہے خاں جی! چاندنی نے بڑے استقلال سے کہا۔

آپ ان کے حق کی حفاظت کیجئے میں اپنے حق کی حفاظت کروں گی کیا مطلب ہے تمہارا؟ حسن خاں نے بوکھلا کر پوچھا "مطلب یہ ہے" چاندنی اور زیادہ اطمینان سے بولی آج سے آپ ان بیویوں کے حصہ میں رہیئے گا۔ میرے حصے میں آنے کی ضرورت نہیں۔

سترہ کمروں کی اس محل نما حویلی میں حسن خان نے چار چار کمرے ہر بیوی کو دے رکھے تھے ایک کمرہ خود حسن خان کے نام پر تھا مگر وہ بھی چاندنی کے استعمال میں رہتا تھا۔

حسن خان چاندنی کے اس فیصلے سے بہت نا خوش ہوا دو دن تک منہ پھولا رہا اور چاندنی کے حصہ میں نہیں گیا مگر تیسرے ہی دن دل کی لگی نے اتنا ستایا کہ بے کل ہو گیا اور چاندنی کے فیصلے کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

چاندنی کا اصل نام کیا تھا اس کا پتہ کسی تاریخ سے نہیں چلتا اور نہ چاندنی کے باپ نے ہی اس کا نام بتایا تھا وہ نہایت بے سرو سامانی کے عالم میں حسن خان کے پاس گیا اپنی ناداری اور مفلسی کا رونا رویا اور بیٹی کو حسن خان کی خدمت میں بطور کنیز پیش کیا حسن

خان کو اس کے حال پر رحم آگیا اور اس نے لڑکی کو بحیثیت کنیز قبول کیا کنیز کی صورت دیکھنے نام پوچھنے یا کسی اور بات کے پوچھنے کی اسے کیا ضرورت تھی کنیزوں اور لونڈیوں کے نام یوں بھی نہیں ہوا کرتے آقا یا مالک جس نام سے پکاریں وہ نام پڑ جاتا ہے۔

حسن خاں کی حویلی میں رہتے چاندنی کو چند ماہ گزرے تھے کہ اس کا فلاکت زدہ چہرہ چمکنا شروع ہو گیا انہی دنوں حسن خان کے گھر کسی امیر کی دعوت ہوئی دعوت میں کسی بیگم کے ساتھ ایک بوڑھی کھوسٹ لونڈی آئی اس کا نام چاند تھا اس بیگم نے لونڈی کو چاند کہہ کر پکارا تو دوسری خواتین ہنس پڑی۔ ایک بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ان بڑی بی پر یہ نام نہیں سجتا۔ چاند تو حسن خان سوری کی لونڈی ہے اس وقت محفل کی تمام عورتوں کی نظریں حسن خان کی لونڈی یعنی اس ہندو زادی کی طرف اٹھیں جو اتفاقیہ یہاں سے گزر رہی تھی۔ وہ خود بھی ٹھٹھک کے کھڑی ہو گئی اس گھڑی ایک دوسری خاتون نے تائید کی ہاں بھئی---- بالکل ٹھیک کہا۔ حسن خان کی لونڈی تو واقعی چاند ہے چاند میں میل ہے مگر اس میں نہیں۔

اس دن سے یہ ہندو بچی چاند سے پکاری جانے لگی پھر دوسرے ہی سال اس کے تن بدن سے ایسا حسن پھوٹا کہ سردار حسن خاں سوری کی چندا بن گئی۔ چندا کچھ اور جوان ہوئی تو حسن خان نے اسے چاندی بیگم کا خطاب دیا اور بیگم بنا لیا پھر یہ تمام عمر داشتہ ہی رہی۔ اس کا جواز پیش کیا گیا ہے کہ مرد دوسری تیسری اور چوتھی شادی اس لیے کرتا ہے کہ اس کے گھر پہلی بیویوں سے اولاد نہیں ہوتی۔

حسن خان اولاد کے معاملے میں خوش قسمت تھا کہ اس کی پہلی تینوں بیویوں سے ہر ایک کی دو اولادیں تھیں اور وہ تمام کے تمام لڑکے تھے حسن خان سوری کے پہلی بیوی یعنی افغانی خاتون سے فرید خان اور نظام خان دو بیٹے تھے یہی فرید خان آگے چل کر شیر خان پھر شیر شاہ سوری شہنشاہ ہند ہوا تھا وہ تمام اولادوں میں سب سے بڑا تھا اور تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ سمجھدار شجاع اور دور اندیش تھا لطف کی بات یہ ہے کہ فرید خان اپنی سب سے چھوٹی سوتیلی ماں یعنی چاند بیگم کا ہم عمر تھا اور شاید چاندنی بیگم کو اسی وجہ سے فرید خان سے سب سے زیادہ نفرت تھی چندا بیگم کا یہ خیال تھا کہ فرید خان جیسے شاطر اور چالاک (اس کے خیال کے مطابق) بیٹے کے مقابلے میں اس کے بیٹے حسن خان کی جاگیر

وارث نہ ہو سکیں گے چندا بیگم نے دوسری سوکنوں کے مقابلہ میں برابری بلکہ برتری ثابت کرنے کے لیے حسن خان سوری سے تعلق ہوتے ہی دو سال میں دو بیٹے پیدا کر دیئے تھے اس طرح حسن خان کی چار بیویوں سے آٹھ لڑکے ہو گئے تھے۔ چندا بیگم فرید خاں سے اس لیے خائف تھی کہ وہ بہت ہوشیار تھا مگر اس کے دونوں بیٹے سلیمان خان اور احمد خاں نرے بدھو اور بودم تھے چندا بیگم نے جوان پڑھ ہونے کے باوجود اپنے اور اپنے بیٹوں کے لیے شروع دن سے ہی خوابوں کے محل تعمیر کرنا شروع کر دیئے تھے اس کی کوششوں سے یہ خواب حقیقت کا روپ بھی دھارتے چلے جا رہے تھے پہلے اس نے پرانی بیگمات کو حویلی سے چلتا کیا پھر حسن خان کو اس طرح اپنی گرفت میں کیا کہ وہ اس کا ہی ہو کر رہ گیا دوسری بیگمات کو اگرچہ حسن خاں نے الگ الگ حویلیوں میں منتقل کر دیا تھا مگر ان کے ہاتھ حویلیاں ہی لگی تھیں کیونکہ حسن خان نے ان کی دہلیزوں پر جانا ہی چھوڑ دیا تھا۔

حسن خان کا سور خاندان برصغیر میں کچھ زیادہ قدیم نہ تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ سور خاندان بھی افغانوں کا قبیلہ تھا جن کا تعلق کوہ سلیمان میں آباد روہی افغانوں سے تھا۔ پندرھویں صدی عیسوی میں جب بہلول لودھی دہلی کا سلطان بنا تو اس نے ہندو کش سے روہی افغانوں کو بلا کر اطراف دہلی میں آباد کیا بہلول لودھی چونکہ خود بھی افغان تھا اور اس کا مشرق کی ایک مسلمان ریاست جونپور سے ہمیشہ جھگڑا رہتا تھا۔ چنانچہ بہلول لودھی نے زیادہ سے زیادہ افغانوں کو بلا کر یہاں آباد کیا تھا تاکہ اس کی سلطنت کو تقویت پہنچے۔ ان روہی افغانوں کے ساتھ سور قبیلہ کا ایک شخص ابراہیم خاں بھی دہلی آیا تھا یہی ابراہیم خان حسن خان سوری کا باپ تھا۔ ابراہیم سوری کو اس کی سپاہیانہ صلاحیتوں کی وجہ سے حکومت وقت کی طرف سے انعام و اکرام اور اعلیٰ عہدوں سے نوازا جاتا رہا۔ ابراہیم کے تین بیٹوں میں سے ایک حسن خان تھا جس نے چار شادیاں کیں۔ فرید خان جو بعد ازاں شیر خان اور شیر شاہ سوری کے نام سے یاد کیا گیا اس حسن خان کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ ابراہیم خان کچھ دیر پنجاب میں رہا پھر اسے کرنول بھیج دیا گیا اور وہیں اس کا انتقال ہوا فرید خان ۱۴۸۶ء کے قریب حصار یا سیرام میں پیدا ہوا تھا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ فرید خاں کی پیدائش ہوشیار پور یا جوا ڑھ میں ہوئی تھی۔ بہلول لودھی کے بعد جب سکندر لودھی دہلی کا تاجدار ہوا تو اس نے جمال خاں صوبہ دار پنجاب کو جونپور بھیج دیا۔ اسی زمانہ میں حسن خاں کو سہرام حاجی

پور خواص پور اور ٹانڈہ وغیرہ جاگیر میں مل گئے تھے اور وہ اعلیٰ منصب پر فائز تھا۔

حسن خاں سور اپنی ہندو بیوی چاندنی اور اس کے بچے سلیمان خاں اور احمد خاں کے علاوہ کسی دوسری بیوی بچوں کو قطعی منہ نہ لگاتا تھا۔ پھر جب وہ سہسرام کا جاگیردار ہوا تو وہ سوائے چاندنی کی حویلی کے اور دوسرے بیوی بچوں کو بالکل ہی بھلا بیٹھا۔ یہ صرف فرید خاں کی باپ سے محبت تھی کہ وہ ہفتہ میں ایک دو بار چاندنی کی حویلی پر اپنے باپ سے ملنے جایا کرتا تھا چاندنی کو فرید خاں کا ہر ہفتے حویلی پر آ کر باپ سے پیار و محبت کی باتیں کرنا بالکل نا پسند تھا وہ فرید خاں کی صورت تک نہ دیکھنا چاہتی تھی اس کے دل میں پہلے دن سے یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ فرید خاں کی موجودگی میں حسن خان سوری کی وراثت اس کے بیٹوں کو ملنا قطعی نا ممکن تھا اور وہ اس نا ممکن کو ممکن بنانے کی فکر میں ہمہ وقت مصروف رہتی تھی پھر اس نے فرید خاں کو بے عزت کرنے اور باپ کی نظروں سے گرانے کی ایک ترکیب سوچ لی ایک دن فرید خاں باپ سے ملنے آیا تو حسن خان سوری حویلی میں موجود نہ تھا چاندنی نے ایک کنیز بھیج کر فرید خان کو بیٹھک میں بٹھا لیا اس وقت چاندنی کے دونوں بیٹے سلیمان خاں اور احمد خاں بچپن کی حدود سے گذر کر جوانی میں داخل ہو رہے تھے وہ دونوں بھی اس وقت حویلی میں موجود تھے چاندنی نے کنیز کو شربت تیار کرنے کا حکم دیا اور جب شربت کی کشتی تیار ہو کر آ گئی تو اس نے بیٹوں سے کہا میں تمہارے سوتیلے بھائی سے گفتگو کرنے جا رہی ہوں اگر میرا اس سے جھگڑا ہو جائے تو تم دونوں "فوراً" میری مدد کو آ جانا لڑکوں سے اتنا کہہ کر چاندنی کنیز کے ہاتھوں سے شربت کی کشتی لے کر جھپ جھپ کرتی مہمان خانے میں پہنچ گئی۔ فرید خاں چاندنی کو دیکھ کر گھبرا گیا اور تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا میں مادر مہربان کو سلام پیش کرتا ہوں۔ فرید خان نے بڑے ادب سے کہا۔ میں تم سے چھوٹی ہوں۔ فریدؔ! مجھے سلام کرنے کی ضرورت نہیں یہ کہتے ہوئے چاندنی نے شربت کی کشتی فرید خاں کے سامنے رکھ دی اور خود بھی اس کے مقابل ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ فرید خان نے بیٹھتے ہوئے جواب دیا ممکن ہے کہ آپ عمر میں چھوٹی ہوں مگر رشتے میں بڑی ہیں۔ مجھ پر آپ کی تعظیم فرض ہے۔ اوہ میری تعظیم کا اس قدر خیال ہے۔ چاندنی نے جیسے جل کے کہا۔ اس سے پہلے تو تم نے کبھی تعظیم کا خیال نہیں کیا مادر مہربان فرید نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا میں شاید پانچ سال بعد آپ کو دیکھ رہا ہوں مجھے خیال نہیں کہ اس سے

پہلے میں نے آپ کو کب اور کہاں دیکھا تھا چاندنی نے ناگوار انداز میں کہا خیر جب بھی دیکھا ہو تم یہ بتاؤ کہ اس وقت میں اور آج تمہیں مجھ میں کیا فرق نظر آتا ہے فرید اس کی بات نہ سمجھ سکا پھر بھی اس نے ادب سے جواب دیا کوئی فرق نہیں اس لیے کہ آپ اس وقت بھی میری مادر مہربان تھیں اور آج بھی آپ میرے سامنے مادر مہربان کی طرح موجود ہیں مگر تم یہ کیوں بھولتے ہو کہ میں تمہاری ماں نہیں بلکہ تمہاری ماں کی سوکن ہوں چاندنی کے لہجے میں تلخی آ گئی فرید خاں پریشان ہو گیا اس نے کہا میں ان باتوں کی ذرہ بھی پرواہ نہیں کرتا آپ پہلے بھی میرے لیے ماں کی مانند تھیں اور آج بھی ہیں۔ تم جھوٹے ہو فرید خاں چاندنی بپھر گئی تم باپ سے ملنے بار بار اسی وجہ سے آتے ہو کہ اس کے مرنے کے بعد جاگیر کے مالک تم ہو اور میرے بیٹے سڑکوں پر بھیک مانگیں؟

یہ آپ کیا فرما رہی ہیں؟ فرید خاں گھبرا کے کھڑا ہو گیا میرے باپ زندہ اور خدا کرے وہ ہمیشہ زندہ رہیں کسی جاگیر و اگیر کا تو میرے ذہن میں خیال تک نہیں یہ تمہارا دوسرا جھوٹ ہے چاندنی چیخ پڑی تم سب ایک ہو اور میں اکیلی تم مجھے اور میرے بچوں کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہتے ہو تم میرے دشمن ہو مجھے قتل کرنا چاہتے ہو میرا گلا دبانا چاہتے ہو---- ہو مجھے بچاؤ---- بچاؤ--- سلیمان---- احمد---- تم کہاں ہو مجھے اس ظالم---- سے بچاؤ-----

چاندنی کے شور وغل کی آوازیں سن کر مہمان خانے کے اندرونی دروازے پر سلیمان اور احمد بیرونی دروازے پر حسن خان سوری ایک ساتھ ہی نمودار ہوئے۔ چاندنی کی نظریں اندرونی دروازے پر تھیں مگر جب اس نے دوسری طرف آہٹ سنی تو فوراً" پلٹ کر ادھر دیکھا وہاں اس کا چاہنے والا شوہر حسن خاں سوری کھڑا حیران نظروں سے اندر دیکھ رہا تھا۔

حسن خان سوری کو دیکھ کر چاندنی ہرنی کی طرح اچھل کر شوہر کے پاس پہنچی اور اس کے پاس پہنچ گئی "خاں جی---- خاں جی---- تم اچھے وقت پر آ گئے پتہ نہیں آج کیا ہو جاتا تمہارا یہ لاڈلا جس کی تعریف کرتے تمہاری زبان نہیں تھکتی مجھے گھر میں آج اکیلا پا کر اس کی نیت بدل گئی میں---- میں---- کتنے پیار سے اس کے لیے خود شربت لے کر آئی تھی مگر یہ---- یہ--- پہلے---- یہ---- ظالم تھا مگر اب تو---- اب تو بدمعاش ہو گیا ہے آوارہ لفنگا---- اپنی ماں پر بھی یونہی ہاتھ

ڈالتا----

بابا---- اسے چپ کراؤ---- فرید خاں غصے سے کانپنے لگا اس نے میری ماں کے لیے ایک لفظ بھی نکالا تو میں اسے قتل کر دوں گا۔

بڑا آیا قتل کرنے والا چاندنی شیرنی کی طرح گرجی---- اب میں اکیلی نہیں میرا شوہر میرے پاس ہے---- اب تو آ میرے پاس پھر تجھے معلوم ہو کہ اس لفنگے پن کا کیا انجام ہوتا ہے۔

بابا---- "بابا" فرید خاں دانت کٹکٹا کر بولا---- کیا آپ بھی مجھے لفنگا اور اس قدر گرا ہوا سمجھتے ہیں۔

فرید تم فوراً" یہاں سے چلے جاؤ---- حسن خاں نے نہایت غصے سے کہا اور فرید نے شرم سے منہ جھکا کر اپنا رخ دروازے کی طرف کر لیا اس نے قدم بڑھائے تھے کہ پشت پر چاندنی کی آواز ابھری اور جانے سے پہلے یہ بھی سنتے جاؤ کہ اگر حسن خاں سوری کے بیٹے ہو تو اس ڈیوڑھی کا پھر کبھی رخ نہ کرنا فرید خاں تیز قدم اٹھاتا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا۔

فرید خاں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اب اس کا سہسرام میں رہنا بالکل نا ممکن تھا دنیا کی تین اشخاص کی "ضد" مشہور ہے اس ضد کو بھارت میں ہٹ کہا جاتا ہے۔ وہاں یہ مشہور ہے کہ تین ہٹیں (ضد) پوری ہو کے رہتی ہیں ایک بالک ہٹ یعنی بچے کی ضد دوسری تریاٹ یعنی عورت کی ضد اور تیسری راج ہٹ یعنی بادشاہ کی ضد۔ فرید خان کی سوتیلی ماں چاندنی بیگم کو اس کا حویلی میں آنا اور حسن خاں سے محبت سے باتیں کرنا اسے کسی طرح پسند نہ تھا چنانچہ اس نے آج جو ڈرامہ کھیلا اس کا کوئی بھی خطرناک نتیجہ نکل سکتا تھا۔

اگر حسن خان کو فرید خاں کے کردار کی طرف سے اطمینان نہ ہوتا یا اسے بیٹے سے بے پناہ محبت نہ ہوتی تو اس وقت باپ بیٹے میں تلواریں کھینچ سکتی تھیں مگر حسن خاں اپنی نو عمر بیوی کے جال میں پوری طرح پھنسنے یا اس کے ناز و انداز سے حد درجہ متاثر ہونے کے باوجود فرید خاں کے بارے میں یہ جانتا تھا کہ اس کے تمام بیٹوں میں اس سے زیادہ خوبصورت خوب سیرت شجاع اور ذہین کوئی اور بیٹا نہیں۔

فرید خاں کے خاموشی سے باپ کی حویلی چھوڑ جانے کے بعد چاندنی نے وہ واویلا مچایا

اور آسمان سر پر اٹھایا کہ تمام لونڈی غلام جمع ہو گئے اس نے کنیزوں سے فریاد کی دیکھو ------ دیکھو کہنے کو یہ سردار حسن خان سوری ہے مگر بزدل اتنا ہے کہ اپنی بیوی کی بے عزتی کرنے والے کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ میرے بیٹے اگر آج جوان ہوتے تو اس کی بوٹی بوٹی کر دیتے بیٹا میری بے عزتی کر کے چلا گیا اور یہ ٹکر ٹکر دیکھتا رہا۔

"چپ ہو جاؤ زبان دراز عورت" حسن خاں سوری اس زور سے دھاڑا کہ نوکر چاکر تو بھاگ کے کونے کھدروں میں دبک گئے چاندنی کا چھوٹا بیٹا سلیمان اس قدر خوف زدہ ہو گیا کہ اس کا پیشاب پاجامہ میں ہی خطا ہو گیا اس نے اب تک حسن خان کی محبت اور خوشامد کو ہی دیکھا تھا اس کے غصہ اور جلال کا یہ پہلا موقعہ تھا چاندنی کچھ کہنے ہی والی تھی کہ حسن خاں پھر چیخا۔

"میں نے کہا کہ دور ہو جا میری نظروں سے"۔

چاندنی لڑکھڑاتے پیروں سے اپنے کمرے کی طرف جانے بلکہ بھاگنے لگی حسن خاں نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

اور سنتی جا اگر تیرے منہ پر کبھی فرید خاں کا نام آیا تو میں تیری زبان کھینچ لوں گا ان غلاموں اور کنیزوں سے بھی کہہ دے کہ اگر آج کے واقعے کا ایک لفظ بھی باہر گیا تو میں ایک ایک کو قتل کر دوں گا لونڈی غلام تو پہلے ہی بھاگ گئے تھے چاندنی بھی الٹے سیدھے قدم مارتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ دونوں بیٹے اس کے ساتھ تھے فرید خان نے بہت سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ وہ سہسرام کی مسحور فضا کو چھوڑ کے جونپور چلا جائے جونپور میں جمال خان کی حکمرانی تھی وہی جمال خان جو پہلے پنجاب میں تھا اور اس کے دادا اور باپ کا بہت لحاظ کرتا تھا پنجاب سے رخصت ہوتے وقت اس نے سکندر لودھی سے سفارش کی کہ حسن خان سوری کو اس کی خدمات کے صلے میں سہرام اور قرب و جوار کے علاقے عطا کر دیئے جائیں اور اسی کی سفارش پر حسن خان سوری کو سہرام حاجی پور خواص پور اور ٹانڈہ کی بڑی جاگیر ملی تھی۔

سہرام سے رخصت ہوتے وقت فرید خاں نے چھوٹے بھائی کو سمجھایا نظام خاں میں قسمت آزمائی کے لئے جونپور جا رہا ہوں یہاں کے حالات میں تم بالکل دخل نہ دینا اور نہ تمہیں کسی سے مشوررہ لینے دینے کی ضرورت ہے جاگیر کے معاملے میں بھی صرف اس قدر

کام کرنا جتنا تم سے کیا جائے چاندنی کی حویلی کا قطعی رخ نہ کرنا۔



فرید خاں غم و غصہ میں ڈوبا ہوا گھوڑا اڑائے چلا آ رہا تھا وہ سہسرام سے شام کے وقت چلا تھا دو گھنٹے کے بعد اندھیرا ہونے لگا اور رات پڑ گئی خوش قسمتی سے چاندنی راتیں تھیں فرید خان گھوڑا بڑھاتے آگے ہی آگے چلتا رہا پھر نا معلوم چھ سوار کدھر سے نکل کے اس کے پیچھے لگ گئے فرید خاں خوش ہوا کہ چلو ہم سفر مل گئے راستہ آسانی سے کٹے گا اس نے گھوڑا دھیمہ کر لیا کہ وہ برابر آ جائیں جب وہ برابر آ گئے تو فرید خاں نے انہیں خود سلام کیا اسلام علیکم بھائیو آنے والوں نے جواب دینے کے بجائے ایک دوسرے کو دیکھنا شروع کر دیا پھر ان کی نظریں گھوم پھر کے فرید خان کے نیزے پر جم گئیں ایک نے مردہ آواز میں جواب دیا وعلیکم السلام! کدھر جا رہے ہو؟ ارادہ تو جونپور جانے کا دیکھو قسمت کدھر لے جاتی ہے وہ آہستہ آہستہ گھوڑے دوڑا رہے تھے اور باتیں بھی کر رہے تھے تم اکیلے چلے تھے کہ کوئی اور بھی ساتھ ہے ایک نے پوچھا "نہیں میں اکیلا ہوں"۔ "اس راستے سے اکیلا مسافر نہیں جایا کرتا" "کیوں" جنگل کا راستہ ہے کوئی حادثہ ہو سکتا ہے۔ حادثے ان کے ساتھ ہوتے ہیں جو مال و دولت لے کر چلتے ہیں میری خورجی میں ایک وقت کی روٹی کے سوا اور کچھ نہیں تمہارے پاس بہت کچھ ہے جوان ان میں سے ایک نے قہقہہ لگایا۔

تمہارا خیال غلط ہے فرید خاں نے سختی سے تردید کی یہ سفید گھوڑی کیا قیمتی نہیں۔ ہاں ہے یہ مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے فرید خاں نے بھی ہلکا سا قہقہہ لگایا یہ تم سے چھینی بھی جا سکتی ہے ایک نے قدرے سخت لہجے میں کہا فرید خاں کو خطرہ محسوس ہوا اور اس نے گھوڑے کی لگامیں اتنی زور سے کھینچی کہ گھوڑا اپنے پچھلے دو پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ فرید خاں نے اسی حالت میں کہا۔

گھوڑا جب تک سوار کی رانوں کے نیچے ہے اسے کوئی چھین نہیں سکتا ہم ان رانوں کو بیکار کرنا جانتے ہیں، یہ کہتے ہوئے ایک سوار نے گھوڑے کے اوپر سے ٹنگے ہوئے فرید پر تلوار کا وار کیا فرید خاں نے گھوڑے کو دو ہی پیروں پر گھما دیا پھر لگامیں ایک ہاتھ میں پکڑ کر

نیزے پر اس کا وار روکا اور روکتے ہی نیزے کو اس کی کلائی میں اس طرح چبھو دیا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اب فرید خان کے قدم زمین پر جم چکے تھے حملہ آور اسے حیران نظروں سے دیکھ رہے تھے فرید خان نے کہا گھوڑے سے اتر کر تلوار اٹھا لو میں اس وقت تک حملہ نہیں کروں گا جب تک مسلح نہ ہو کر آؤ مگر ان لوگوں نے فرید کی مہذب اور شریفانہ پیش کش کے جواب میں ایک ساتھ اس پر حملہ کر دیا فرید خان جھکائی دیکر ان سے ذرا دور نکل گیا نیزہ زمین پر گاڑا پھر تلوار کھینچ کر پلٹا ان میں سے آگے کے دو سواروں نے فرید خاں پر دائیں بائیں حملہ کیا فرید خان جواب پوری طرح سنبھل چکا تھا ایک کی تلوار اپنی میں الجھا کر ایسا جھٹکا دیا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری پھر فرید خان نے پلٹ کر دوسرے پر ایسا بھرپور وار کیا کہ تلوار اس کا شانہ کاٹتی دل تک پہنچ گئی اور وہ زین سے لٹک گیا اس کے ساتھیوں نے یہ حال دیکھا تو گھوڑے گھما کر سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے فرید خان نے زمین سے نیزہ اکھاڑ کے ہاتھ میں لیا تلوار نیام میں ڈالنے لگا اسے محسوس ہوا کہ اس کے بائیں ہاتھ میں خون ٹپک رہا ہے فرید خان نے تیزی سے گھوڑا بڑھایا کہ کسی جگہ پہنچ کر زخم کی مرہم پٹی کرے تھوڑی ہی دور پر اسے کسی دریا کی ایک شاخ نظر آئی فرید خاں ادھر بڑھا تو اسے ایک بار پھر وہی پانچوں سوار جنہیں اس نے کچھ دیر پہلے بھگایا تھا آتے دکھائی دیئے ان کی نظریں فرید خان پر پڑ گئیں وہ ایسے گھبرائے کہ گھوڑے موڑ کر سرپٹ بھاگتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہو گئے اس زمانے میں راستے انتہائی مخدوش تھے رہزنی اور ڈکیتی عام تھی لوگ صرف قافلوں کے ساتھ سفر کرتے تھے اور ان قافلوں کی حفاظت مسلح سوار کرتے تھے فرید خان بڑی بے سرو سامانی اور پریشانی کے عالم میں سہسرام سے روانہ ہوا تھا کہ کسی قافلے کا انتظار کرنا تو اس کے لیے محال تھا اس کی سوتیلی ماں جب اس پر اس قدر گھناؤنا الزام لگا سکتی تھی تو اور بھی بہت کچھ کر سکتی تھی اس لیے اس نے جونپور کا سفر تنہا اختیار کیا تھا اسے اس مختصر مگر خطرناک سفر میں صرف چھ مسلح رہزنوں کا مقابلہ نہیں کرنا پڑا بلکہ جس سفید گھوڑے کے لیے اس نے چھے سواروں کے مقابلے کا خطرہ مول لیا تھا وہ گھوڑا بھی اس سے جدا ہو گیا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ دریا پر پہنچ کر اس نے زخم دھو کر اس پر پٹی کس کے باندھ دی پھر سوچنے لگا کہ آرام کر کے آگے چلنا چاہیے دریا کا کنارہ ختم ہوتی ہوئی رات پچھلے پہر تو یوں ٹھنڈی ہوا سرسرانے لگتی

ہے چنانچہ فرید خان نے گھوڑے کی لگام ہاتھ میں لی اور ایک ٹیلے سے کمر لگا کے آنکھیں بند کیں پتہ نہیں کہ وہ کتنی دیر سویا تھا کہ کسی آہٹ سے آنکھ کھل گئی آنکھ کھلتے ہی وہ گھبرا کے کھڑا ہو گیا کلائی سے لپٹی ہوئی نہ صرف گھوڑے کی لگام غائب تھی بلکہ اس کا گھوڑا بھی غائب تھا وہ پریشان کھڑا سوچ رہا تھا کہ یا اللہ یہ سب کیسے ہوا؟ اس کا گھوڑا تو کسی غیر آدمی کو اپنے پاس بھی نہیں پھٹکنے دیتا تھا پھر وہ کہاں گیا اور کیسے گیا اس کے ہاتھ سے لگام کس نے کھولی پھر اس کے گھوڑے پر کوئی سوار کس طرح ہوا جبکہ گھوڑا کسی دوسرے کی بو سے بھی بھڑک اٹھتا تھا۔ پھر اسے ایک دم سہسرام کی ایک کارواں سرائے میں ہونے والی گفتگو یاد آ گئی وہاں لوگ اپنے سفر کے تجربات بیان کر رہے تھے ایک شخص نے بتایا کہ جونپور کے راستے میں ایسے ایسے ٹھگ رہتے ہیں جو آنکھوں سے کاجل بھی نکال لیتے ہیں ان کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ راستے کی کسی سرائے میں تاجر بن کے ٹھہرتے ہیں پھر جب کوئی قافلہ وہاں سے گزرتا ہے تو وہ بھی تاجروں کی صورت میں ان کے ساتھ ہو جاتے ہیں راستے میں ان کے ٹھگوں اور راہزنوں کی کمین گاہیں ہوتی ہیں جہاں ان کے ساتھی تاک لگائے چھپے ہوتے ہیں اور اشارہ پاتے ہی قافلہ پر ٹوٹ پڑتے ہیں اس نے یہ بھی بتایا کہ اگر قافلہ کے ساتھ محافظ سواروں کا بہت بڑا دستہ ہوا اور ان سے مقابلہ مشکل معلوم ہوا تو ٹھگوں کے پاس ایسی دوائیں ہوتی ہیں جنہیں اگر گھوڑے کے دانے میں شامل کر دیا جائے تو گھوڑا وہ دانہ کھانے کے بعد اس قدر ست ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے سوار کا بار بھی اٹھانے کے قابل نہیں رہتا بعض گھوڑے تو بے دم ہو کر راستے میں بیٹھ جاتے ہیں ایسے میں رہزن سوار محافظوں کو دم کے دم میں کاٹ کے رکھ دیتے ہیں اس کے بعد قافلہ لوٹ لیا جاتا ہے اس زمانہ میں ڈکیتی اور رہزنی کے عجیب عجیب طریقے تھے ایک یہ بھی تھا کہ کسی سرائے میں کھانے کا دسترخوان بچھایا جاتا تو قافلے والوں کی پشت پر ایک ایک رہزن بیٹھ جاتا اور جب کھانا شروع ہوتا تو پیچھے بیٹھا ہوا رہزن اپنے آگے کے مسافر کے گلے میں پھندا ڈال کر کھینچ لیتا جس سے وہ یا تو بے ہوش ہو جاتا یا پھر اس کا خاتمہ ہو جاتا اور ڈاکو آسانی سے ان کا مال و اسباب لوٹ لیتے۔

فرید خاں کے پاس صرف ایک نیزہ باقی رہ گیا تھا چنانچہ وہ اس نیزے کو لے کر پاپیادہ اپنی منزل یعنی جونپور کی طرف روانہ ہوا اب صبح ہو گئی تھی اور راستے کی وہ ویرانی بھی جاتی

رہی تھی اس وقت فرید خاں کو اچانک محسوس ہوا جیسے کوئی شخص دبے پاؤں اس کا تعاقب کر رہا ہے بڑی پریشان کن بات تھی اس نے چند قدم پیچھے ہٹ کے تعاقب کرنے والے کو بہت تلاش کیا مگر اسے کوئی بھی نظر نہ آیا۔

خوف و ڈر تو فرید خاں کے پاس بھٹکتا ہی نہ تھا مگر اس قسم کے واقعات سے وہ پریشان ضرور ہو جاتا تھا وہ مرد میدان بھی تھا اور تلوار کا دھنی مگر اس کا تعاقب کرنے والا نہ تو اس کے سامنے آ رہا تھا اور نہ اسے یہ معلوم ہو سکا کہ اس کے دشمن کے پاس کس قسم کا اسلحہ ہے فرید خان احتیاط سے قدم اٹھاتا ہوا آگے ہی بڑھتا رہا اب پیچھے سے آواز آنا بھی بند ہو گئی تھی جنگل کا حصہ ختم ہو چکا تھا اور اب دور دور پر اونچے نیچے ٹیلے نظر آ رہے تھے مگر فرید خاں تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ اسے ایک بار پھر پیچھے سے آہٹ محسوس ہوئی فرید خاں کو بہت غصہ آیا مگر اس نے قدم روکے نہیں بلکہ آگے بڑھا دیئے۔ ٹیلے کے قریب پہنچ کر اس نے اپنی رفتار کم نہیں کی اور ٹیلے کی آڑ میں ہو گیا لیکن آگے جانے کی بجائے اس نے ٹیلے کے چکر لگانے شروع کر دیئے اور پورا چکر لگا کر وہ دوبارہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے اس نے چکر لگانا شروع کیا تھا وہاں جا کر اس کے قدم رک گئے ایک شخص چپ کھڑا تھا اس کی پشت فرید خان کی طرف تھی اور وہ آگے کی طرف ایڑیاں اچکا اچکا کر دیکھ رہا تھا۔

فرید خاں فورا" سمجھ گیا کہ اس کا تعاقب کرنے والا وہی شخص ہے اور اب وہ اس لیے پریشان کھڑا تھا کہ اسے میں (فرید خان) نہیں دکھائی دے رہا تھا فرید کو یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ وہ خطرناک نہیں ہے بلکہ کسی غلط فہمی کی بنا پر اس کا پیچھا کر رہا ہے۔

اپنے تعاقب کرنے والے کی طرف سے پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد فرید خاں نے زور سے کھنکار کر اسے اپنی موجودگی کا احساس دلایا آواز سن کر وہ تیزی سے پلٹا اور فرید خان کو دیکھ کر فورا" تلوار کھینچ لی فرید خان نے مسکراتے ہوئے کہا میری طرف سے اطمینان رکھو میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا بشرطیکہ تم مجھ پر حملہ نہ کروا سکے ساتھ ہی فرید خان نے جس کے ہاتھ میں صرف نیزہ تھا اس کی طرف بڑھنا شروع کر دیا پہلے تو وہ شخص گھبرایا اور تلوار بند کئے ہوئے کئی قدم پیچھے ہٹ گیا پھر کچھ سوچ کے ٹھہرا اور گویا ہوا۔

کیا میں امید کروں کہ تم ایک شریف آدمی ہو اور مجھے تمہاری طرف سے کوئی خطرہ

نہیں۔ فرید خان نے اس طرح بڑھتے ہوئے کہا۔

تم مجھ پر اعتبار کر سکتے ہو بلکہ اعتماد کر سکتے ہو میں ایک مسافر ہوں راستے میں مجھے راہزنوں نے میرے اسلحہ اور گھوڑے سے محروم کر دیا ہے گھوڑا---- سفید گھوڑا؟ اس کی زبان کے بیساختہ نکلا۔ کیا تمہارے گھوڑے کا رنگ سفید تھا؟ ہاں سفید تھا بالکل سفید تم نے دیکھا ہے فرید خان نے بے چینی سے پوچھا اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

ہاں میں نے تمہارا گھوڑا دیکھا ہے اس جنگلوں میں ڈاکوؤں کا گروہ ہے وہ اکا دکا مسافروں کو لوٹ لیتے ہیں تمہیں دیکھ کر مجھے یہ ہی شبہ تھا کہ تم ان میں سے کوئی ہو۔ میں تم میں سے بچ بچ کر نکل رہا تھا فرید خان اپنے گھوڑے کے لیے پریشان تھا اس نے پوچھا۔

تم نے میرا گھوڑا کب کہاں اور کیسے دیکھا اس نے بتایا اسے بہت دیر ہو چکی ہے اب تو وہ اپنے مسکن پر بھی پہنچ چکے ہوں گے تم ان کا مسکن جانتے ہو کہاں ہے ان کا ڈیرہ فرید خان اور زیادہ بے چین ہو گیا اسے اپنے سفید گھوڑے سے محبت تھی وہ ڈاکوؤں سے گھوڑا واپس لینے کے لیے بڑے سے بڑا خطرہ مول لینے کو تیار تھا اجنبی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

مجھے ٹھیک طرح تو معلوم نہیں صرف ایک بار انہیں ایک جگہ اکٹھا دیکھا تھا ممکن ہے کہ انکا وہیں کہیں ڈیرہ ہو مگر وہاں اکیلے جانا کوئی عقل مندی نہیں فرید خاں سمجھ گیا کہ اجنبی خوف کھا رہا ہے اس نے اسے تسلی دی دیکھو ان سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں چور اچکوں کا طریقہ یہ ہے کہ اگر ان کے سامنے ڈٹ جاؤ تو وہ مقابلہ سے بھاگ جاتے ہیں پہلے بھی انہوں نے چھ آدمیوں کے ساتھ مجھے گھیرا تھا اور میں نے انہیں مار بھگایا تھا اب تو ہم دو ہیں بالکل خوف نہ کھاؤ اور مجھے ان کے ڈیرے پر لے چلو اجنبی اب بھی ہچکچا رہا تھا فرید خان نے پوچھا بھائی تمہارا نام کیا ہے اتنی دیر سے ہم باتیں کر رہے ہیں اور تم نے اپنا نام بھی نہیں بتایا۔ تم نے پوچھا کب تھا اجنبی نے فورا" جواب دیا۔

میرا پورا نام ہے خانو خان لیکن سب مجھے خانو خانو پکارتے ہیں "اچھا خانو اب تم میرے دوست بن جاؤ فرید خان نے اسے پیش کش کی ضرور بنوں گا دوست خانو بولا مگر دوست بناؤ گے کیسے فرید خان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تم مجھے ڈاکوؤں کے ڈیرے پر لے چلو بس ہم تم دوست ہو جائیں گے خانو سر کھجانے لگا پھر بولا اچھا چلو چلتا

ہوں اگر موت اس طرح لکھی ہے تو یونہی سہی خانو فرید خان کو لے کر پھر جنگل کی طرف داخل ہوا وہ فرید خان کو اس جگہ پر لے گیا جہاں اسے ڈاکوؤں کے ڈیرے کا خیال تھا مگر وہاں ڈیرہ ویرہ کوئی نہ تھا کئی درخت کاٹ کاٹ کر بیٹھنے کی جگہ بنائی گئی تھی اس کے علاوہ وہاں کوئی اور چیز نہ تھی۔

جس سے یہ اندازہ ہوتا کہ وہاں کسی کی رہائش تھی فرید خان بڑی امیدوں سے آیا تھا کہ شاید اسے اس کا گھوڑا مل جائے مگر اسے سخت ناکامی ہوئی مگر یہاں آنے سے یہ ضرور ہوا کہ فرید خان کو ایک محبت کرنے والا دوست مل گیا فرید خاں کے دریافت کرنے پر خانو نے اسے بتایا کہ اس نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اپنے آپ کو تنہا پایا ہے نہ اسے اپنے ماں باپ کا پتہ ہے اور نہ کسی نے اسے کچھ بتایا ہے اس کے کہنے پر اس نے ایک کارواں سرائے پر آنکھ کھولی وہیں پل بڑھ کے جوان ہوا پھر جوانی میں کارواں سرائے کی بیٹی سے عشق ہو گیا اس کا عشق کامیاب بھی ہوا اس لیے کہ لڑکی کے باپ نے خانو خان کو اپنا داماد بنانے پر رضا مندی کا اظہار کر دیا پھر حالات خانو خاں کو اپنا داماد بنانے پر رضا مند نہ ہوئے ہوا یوں کہ سرائے میں ایک بڑا قافلہ آ کے ٹھہرا ڈاکوؤں نے شاید قافلے کو تاک لیا تھا اور اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے رات کو ڈاکوؤں نے سرائے پر حملہ کیا اور سارا سامان لوٹ لے گئے۔ یہاں تک تو غنیمت تھا مگر صبح کو یہ بات کھلی کہ قافلے والوں کے سامان کے ساتھ ڈاکو خانو خاں کی ہونے والی بیوی کو بھی ساتھ ہی اٹھا لے گئے ہیں اس وقت سے خانو مجنوں ہو گیا اور عشق لیلی میں جنگل میں محبوبہ کو تلاش کرنے نکل پڑا خانو خان اور فرید خاں میں دوستی ہو گئی فرید خاں کو اس کی صاف اور سادہ گفتگو بہت پسند آئی اور اس نے خانو خاں کو اپنے ساتھ رکھنے کا فیصلہ کر لیا خانو خاں اس لیے بہت خوش تھا کہ فرید خاں گورنر جونپور جمال خاں کے پاس جا رہا تھا اور فرید خاں کے کہنے کے مطابق وہ ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے فرید خاں کے جمال خاں گورنر جونپور سے ذاتی تعلقات تو نہ تھے مگر وہ اپنے باپ حسن خان کے ساتھ جمال خاں کے پاس جا چکا تھا۔

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حسن خان کو اپنی تمام اولادوں میں فرید خاں ہی سب سے زیادہ پسند تھا کبھی تو حسن خان اپنے بیٹے کی چمکتی پیشانی دیکھ کر چونک اٹھتا تھا اور اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات آنے لگتے تھے یہی وجہ تھی کہ حسن خان اپنی چہیتی بیوی

چاندنی کی مخالفت کے باوجود فرید خان سے ملتا تھا اور اس نے اپنے بیٹے کو اجازت دے رکھی تھی کہ ہفتے میں دو بار ملنے ضرور آئے ظاہر ہے کہ یہ بات چاندنی کو سخت ناگوار گذرتی تھی اور وہ ہمیشہ اس تاک میں رہتی تھی کہ کسی طرح باپ بیٹے میں کھٹ پٹ کرا کے انکے درمیان ایسی خلیج پیدا کر دے جو کسی طرح نہ بھر سکے آخر اس کی کوشش کامیاب ہوئی اور اس نے فرید خاں پر ایک گھناؤنا الزام لگا کر حویلی میں آنے سے رکوا دیا اور پھر فرید خاں کو سہرام چھوڑ کر جونپور آنا پڑا۔

فرید خان گو گورنر جونپور سے اس کے دربار میں بھی ملاقات کر سکتا تھا مگر اس نے جونپور پہنچ کر جمال خاں سے دربار میں ملنے سے گریز کیا اور اس فکر میں رہا کہ اسے جمال خاں کے ساتھ تنہائی میں بات کرنے کا موقعہ مل جائے کسی گورنر سے جیسے بات کرنا بہت مشکل یا ناممکن ہوتا تھا یہی حال اس وقت تھا فرید خان گورنر کے محل پر کئی بار گیا اور بازیابی کی کوشش کی کہ وہ دربار اور گورنر کے راستے میں کسی ایسی جگہ کھڑا ہو جاتا کہ اس پر جمال خان کی نظر پڑ جائے اور وہ اسے پہچان جائے مگر اسے اپنی اس کوشش میں ہفتہ گزر گیا لیکن وہ ناکام رہا فرید خاں کے دوست خانو خاں کا یہ مشورہ تھا کہ جب گورنر گزر رہا ہو تو فرید خاں کو ایک دم دوڑ کے اس کے سامنے آ جانا چاہیے ایسی صورت میں گورنر اور اس کا سامنا ہو جائے گا اور عین ممکن ہے گورنر اسے پہچان لے اور اپنے ساتھ محل میں لیتا جائے مگر فرید خاں اسے سوقیانہ حرکت سمجھتا تھا۔ اور آمادہ نہ ہوتا تھا گورنر کے دربار میں حاضری تو مشکل تھی لیکن اس وقت گورنر کے لیے چوکی پہرے کا کوئی انتظام نہ ہوتا تھا جونپور کے گورنر کا محل اور اس کا دربار ایک دوسرے کے درمیان کافی فاصلے پر تھے گورنر جمال خاں صبح گیارہ بجے گھوڑے پر سوار ہو کے دربار جاتا اور سہ پہر کے وقت اسی طرح محل میں واپس آتا تھا کوئی پہرہ دار نہ اس کے آگے ہوتا تھا نہ اس کے پیچھے اس طرح وہ خود کو اپنی رعایا کے زیادہ قریب کرتا تھا اور رعایا کو اجازت تھی کہ اگر انہیں کوئی عامل یا سرکاری افسر پریشان کرے تو وہ گورنر کو راستے میں روک کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کر سکتے تھے سرکاری عمال اسی وجہ سے گورنر سے خوفزدہ رہتے کہ نہ معلوم کوئی کس وقت گورنر کے سامنے اس کی شکایت پیش کر دے اور وہ کھنچا کھنچا پھرے فرید خان کو گورنر کے انتظار میں سرراہ کھڑے ہوئے کئی دن گزر چکے تھے گورنر کئی بار اس کے پاس سے بھی گذرا تھا مگر یہ

اتفاق تھا کہ اب تک جمال خاں اسے پہچان نہیں پایا کیونکہ جمال خان نے اسے تین چار سال پہلے دیکھا تھا ہو سکتا ہے کہ اس کی صورت میں ایسی تبدیلی آگئی ہو کہ جمال خاں اسے پہچان نہ سکا ہو ایسے ہی خیال میں کھویا فرید خان ایک دن گھوڑا روکے ایک درخت کے نیچے گورنر کے انتظار میں تھا کہ ایک گھوڑا بالکل اس کے قریب آ کے رکا فرید خان نے نظر اٹھائی تو جمال خان بڑی دلچسپی سے اسے گھور رہا تھا۔ فرید خان نے فوراً سنبھل کے جمال خان کو سلام کیا گورنر نے اشارے سے اس کا سلام قبول کیا اور کہا "فرید------ تم یہاں ہو کب آئے ہم سے کیوں نہیں ملے؟

ایک ساتھ کئی سوالوں نے فرید خاں کو گھبرا دیا اس نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا کئی دن پہلے آیا تھا محل پر بھی گیا تھا کسی نے آپ تک خبر نہیں پہنچائی۔

اچھا ہمارے ساتھ چلو---- یہ تہیہ کر کے جمال خان نے گھوڑا بڑھا دیا فرید خان اس کے پیچھے ہو لیا خانو خان دور کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا جب اس نے گورنر کو فرید خاں سے باتیں کرتے اور پھر فرید خان کو اس کے پیچھے جاتے دیکھا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور وہ وہیں کھڑے کھڑے ناچنے لگا اور پھر کچھ خیال آیا تو پیدل ہی فرید خان کے پیچھے چلنے لگا۔

جمال خان فرید خان کو مہمان خانہ میں چھوڑ کر محل کے اندر چلا گیا خانو خان بھی فرید کے پیچھے محل میں داخل ہو گیا تھا فرید خان نے دیکھا تو اپنے ساتھ ہی مہمان خانہ میں لے آیا تھوڑی دیر بعد فرید خان کی اندر طلبی ہوئی وہ خانو خان کو وہیں چھوڑ گئے غلام کے ساتھ اندر چلا گیا۔

گورنر جونپور جمال خان فرید خان کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آیا جمال خاں فرید خان کے باپ حسن خان کا گہرا دوست تھا اور ایک روایت کے مطابق سہسرام اور حاجی پور کی جاگیر فرید خان کے دادا ابراہیم خان کو جمال خان کی سفارش پر ملی تھی، بلا شبہ ابراہیم خان بڑا بہادر اور تجربہ کار سردار تھا اور اس نے لودھی خاندان کے لیے خدمات بھی سرانجام دی تھیں لیکن جاگیر کے لیے سفارش کی ضرورت ہوتی تھی چنانچہ جمال خان نے بادشاہ وقت سے ابراہیم کی سفارش کی اور اس کو جاگیر دلوائی اب وہی جاگیر جس میں اضافہ ہو گیا تھا فرید خان کے باپ حسن خان کے پاس تھی جمال خان نے فرید سے اس کے باپ کے بارے میں سوال کیا۔

فرید خان جانتا تھا کہ جمال خان اور اس کے باپ کے گہرے تعلقات تھے اس لیے اس نے سوچ کے بعد جواب دیا بابا خان بالکل ٹھیک ہیں انہوں نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کا حکم دیا ہے جاگیر کا حال سناؤ کسی قسم کی پریشانی تو نہیں حسن خان کو؟ جمال خان نے دوسرا سوال کیا فرید خاں نے اس کا بھی مثبت جواب دیا جاگیر کے حالات بھی درست سمت چل رہے ہیں اس طرف سے بابا جان کو کوئی پریشانی نہیں ہمیں خوشی ہوئی کہ حسن خان ایک پر سکون زندگی گزار رہے ہیں جمال خان نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

اچھا یہ بتاؤ جونپور میں کتنے دن ٹھہرو گے اور اب کس جگہ قیام ہے اب فرید خان کو کچھ نہ کچھ جواب دینا تھا آخر اس نے الفاظ کو تولتے ہوئے کہا چچا حضور میں دراصل سہسرام کی زندگی سے تنگ آگیا ہوں اور فیصلہ کر کے آیا ہوں کہ اب آپ کے زیر سایہ تعلیم و تربیت حاصل کروں گا جمال خان نے اس قدر حیرانی سے دیکھا کوئی بات نہیں تم جونپور میں جب تک چاہو رہ سکتے ہو مگر یہ تو بتاؤ سہسرام سے تمہارا دل کیوں اچاٹ ہو گیا ہے اور کس قسم کی پریشانی تھی تمہیں وہاں۔

چچا حضور فرید خان نے بات بنانے کی کوشش کی بڑے شہر اور چھوٹے شہر میں جو فرق ہوتا ہے اسے کون نہیں جانتا۔ سہسرام میرے لیے ایک کنویں کی مانند ہے اور میں اس جگہ سے نکلنا چاہتا تھا۔

دیکھو فرید خان جمال خان نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا تمہارا باپ اگرچہ بڑے عزم اور حوصلے کا مالک ہے مگر اب تو بڑھا ہو رہا ہے مگر مجھے معلوم ہے کہ تمہارے تمام بھائیوں میں سوائے تمہارے کسی اور میں اتنی قابلیت نہیں کہ وہ اتنی بڑی جاگیر سنبھال سکے جونپور سے زیادہ سہسرام کو تمہاری ضرورت ہے۔

چچا حضور میں آپ کی بات رد کر کے گستاخی نہیں کر سکتا آخر فرید خان کو حوصلے سے کہنا پڑا آپ کے خیال سے جس طرح جونپور سے زیادہ سہسرام کو میری ضرورت ہے اس طرح مجھے سہسرام سے زیادہ جونپور کی ضرورت ہے دراصل میرے گھوڑے کی تگ و تاز کے لیے سہسرام کا میدان تنگ ہے میں اپنی پرواز کو سہرام کی فضاؤں تک محدود نہیں رکھ سکتا میرا خیال ہے کہ آپ کی خدمت میں رہوں گا تو کچھ بن جاؤں گا جمال خان سوچ میں پڑ گیا اس نے کہا میں تمہارے ارادے اور حوصلے کو قدر کی نظر سے دیکھتا ہوں پھر بھی مجھے یہ پسند

نہیں کہ تم اپنے بڑھے باپ کو ایک بڑے خاندان اپنے راستے کا پتھر سمجھ کر اس سے منہ موڑ لو میرے خیال میں تمہیں اپنے باپ کے ساتھ رہ کر جاگیر کے انتظام میں دل لگانا چاہیے کیونکہ ریاست حکومت اور بادشاہت سے یہ سب جاگیر کے مختلف درجے میں اور آگے بڑھنے کے لیے ابتدائی تربیت انتہائی لازمی امر ہے جمال خان نے اپنے خیال کی تصدیق کے لیے دریافت کیا۔

"فرید خاں" یہ بتاؤ تمہارے اپنی ہندو سوتیلی ماں کے ساتھ کیسے تعلقات ہیں اس سوال پر فرید خان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا چچا حضور اس بارے میں آپ سے کچھ نہیں بتا سکتا مجھے اپنے باپ سے محبت ہے اور اگر میں اس بارے میں زبان کھولوں گا تو میرے باپ کی توہین ہو گی اور میں ایسا نہیں کرنا چاہتا جمال خان نے درست ہی سوچا تھا بس اس نے بات ختم کرنے کے لیے کہا خیر---- چھوڑو ان باتوں کو تم جونپور میں قیام کر سکتے ہو مگر یاد رہے کہ تمہارا قیام اس وقت تک ہو گا جب تک تمہارے بابا تمہیں طلب نہ کر لیں حسن خان تم کو جب بھی بلائے گا میں تمہیں بھیجنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔

ٹھیک ہے چچا جان------ میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا ایک بات کا اور خیال رکھنا فرید خان---- جمال خان نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تمہارے جونپور میں قیام کے دوران تمہیں کوئی فوجی خدمت نہیں دی جائے گی میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہارے باپ کے منہ سے طعنہ سنوں کہ میں نے اس کے بیٹے کو باپ کے خلاف فوجی تربیت دی ہے۔

مجھے یہ بھی منظور ہے چچا حضور---- فرید خان نے یہ بات بھی مان لی جونپور اس وقت "شیراز ہند" کے نام سے مشہور ہے یہاں علم و حکمت اور حقیقت و طریقت کے چشمے ابلتے ہیں میں یہاں رہ کر ان کے فیض سے فائدہ اٹھاؤں گا اس کے ساتھ ہی فرید خان نے ایک درخواست پیش کر ڈالی چچا حضور میں صرف آپ سے ایک درخواست کروں گا امید ہے آپ اس کو قبول کریں گے۔

کہو کیا چاہتے ہو؟ گورنر نے دریافت کیا۔

فرید خان نے بتایا۔ جنگل کے راستے سے جونپور پہنچا ہوں اور اس راستے میں

رہزنوں نے سوتے میں مجھے لوٹ لیا میرے پاس سوائے ایک سفید گھوڑے کے اور کوئی سامان نہ تھا مگر وہ گھوڑا مجھے عزیز تھا میں چاہتا ہوں کہ مجھے ان رہزنوں کا قلع قمع کرنے کی اجازت دی جائے کتنے سوار درکار ہوں گے تمہیں جمال خان نے پوچھا۔

زیادہ سے زیادہ پندرہ سوار فرید خان نے جواب دیا۔

گورنر جونپور مسکرایا۔ "جنگل خطرناک ہے فرید" اپنے ساتھ کم از کم تیس سواروں کا دستہ لے کر جانا اور فرید خان نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا اس کے بعد جمال خان نے شہر کوتوال کو بلوایا اور فرید خان کو اس کے حوالے کرتے ہوئے حکم دیا یہ نوجوان ہمارے دوست حسن خاں جاگیردار سہسرام کا بیٹا فرید خان ہے جونپور کی علمی ادبی اور مذہبی فضاؤں سے فیض حاصل کرنے آیا ہے اس کے قیام و طعام کے علاوہ اس کا خاص خیال رکھا جائے رہزنوں سے جنگل پاک کرنے کے لیے اسے جس قدر سواروں کی ضرورت ہے مہیا کئے جائیں۔ شہر کوتوال نے گورنر جونپور جو ایک خود مختار بادشاہ کی مانند تھا کے حکم پر سر جھکا دیا اور فرید خان کو لے کر باہر چلا گیا مہمان خانہ میں فرید خان کا دوست خانو خان اس کا منتظر تھا فرید خان نے اس کا تعارف شہر کوتوال سے کراتے ہوئے کہا یہ میرے ساتھ خانو خان ہیں اور میرے ساتھ ہی قیام کریں گے شہر کوتوال نے خانو خان سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

اچھے لوگوں کے ساتھ دوست بھی اچھے ہوتے ہیں مجھے آپ دونوں کی خدمت کر کے فخر حاصل ہو گا۔

شہر کوتوال نے اسی دن فرید خان کے لیے ایک مختصر سی حویلی کا انتظام کیا اور خدمت کے لیے باورچی کے علاوہ چار خدمت گار مقرر کئے فرید خان نے دو گھوڑے معہ ساز کے طلب کئے جو اسے مہیا کر دیئے گئے دو دن مکمل آرام کے بعد فرید خان نے رہزنوں کا تعاقب کرنے کا ارادہ کیا اس سلسلے میں فرید خان نے شہر کوتوال سے مشورہ کیا شہر کوتوال نے اسے مشورہ دیا کہ ایک اطلاع کے مطابق رہزنوں کا ایک گروہ سو سے زیادہ اشخاص پر مشتمل ہے اور جنگل میں پوشیدہ مقامات پر ان کے مسکن ہیں ایسے خطرناک گروہ پر چھاپے مارنے کے لیے دو سو سواروں کی ضرورت ہو گی فرید خان چالیس پچاس سواروں کی ضرورت محسوس کرتا تھا دراصل رہزنوں نے جنگل کے اندر باہر کے راستوں کو اس قدر پر خطر بنا دیا

تھا کہ جونپور کی مشرق اور مغرب سے تجارت میں صدہا رکاوٹیں پیدا ہو گئی تھیں یہ رہزن اس قدر مسلح باخبر اور تیز رفتار تھے کہ اگر آج ایک مقام پر ریزنی ہوئی تو کل اس مقام سے ایک سو میل دور پر کوئی قافلہ لوٹا گیا مگر یہ سب کو معلوم تھا کہ تمام رہزنوں کا مرکز مسکن اور ڈیرہ جونپور کے جنگل میں ہی ہے جو اس قدر پوشیدہ ہے کہ اس کا پتہ لگانا ہی ناممکن ہے آخر فرید تیاری اور منصوبہ بندی کے بعد جنگل کے گرد تھوڑی تھوڑی دور مورچے بنائے گئے ہر مورچے کے اندر چھ چھ تیر انداز بٹھائے گئے یہ کام اس قدر خاموشی سے کیا گیا کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی جنگل کے گرد مورچے بنانے کے علاوہ اس کے اندر بھی مورچے لگائے گئے اور وہاں پانچ پانچ آدمی مقرر ہوئے اس کے بعد ایک فرضی قافلہ ترتیب دیا گیا اور اس قافلے کو جونپور سے ایک منزل دور ایک سرائے میں پہنچا دیا گیا بظاہر اس قافلہ کے پاس بڑے بڑے بوروں اور تھیلوں میں تجارتی سامان نظر آتا تھا مگر دراصل ان میں سامان کی بجائے اسلحہ تلواریں اور تیر کمال باندھے گئے تھے۔

ایک مقررہ دن یہ قافلے سرائے سے روانہ ہوا اور رہزنوں نے اپنے طریقے کے مطابق اس کے اندر اپنے بیس پچیس آدمی شامل کر دیئے یہ قافلہ دن بھر سفر کرتا ہوا جنگل میں اس جگہ ٹھہرا جس کے گرد پہلے ہی مورچے بنے ہوئے تھے اور اس کے اندر مسلح سپاہی تیار بیٹھے تھے پھر نصف شب کے بعد رہزنوں نے قافلے پر حملہ کر کے اس کا سامان لوٹنے کا قصد کیا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ قافلے والے نہ صرف جاگ رہے تھے بلکہ لڑنے کے لیے بالکل تیار تھے۔

خطرہ محسوس کرتے ہی رہزنوں نے بھاگنا شروع کر دیا مگر مورچے کے سپاہی باہر نکلے اور انہوں نے انہیں تلواروں اور تیروں پر رکھ لیا اور بہت جلد تمام کے تمام رہزن جو اس قافلے کے ساتھ آئے تھے گرفتار ہو گئے ان میں سے زیادہ زخمی ہو گئے فرید خان اور شہر کوتوال کا یہ چھاپہ اتنا کامیاب رہا کہ آدھے ڈاکو قتل ہو گئے ایک چوتھائی گرفتار ہوئے اور باقی جان بچا کر نکل گئے جونپور آنے والے تمام راستے معہ جنگل کے راستے کے اس قدر محفوظ ہو گئے کہ اگر جونپور سے ایک سو میل سے بھی کوئی سونا اچھلتا جونپور آتا تو اسے روکنے ٹوکنے اور لوٹنے والے کوئی نہ ہوتے۔

گورنر جونپور نے فرید خان کو اس کارنامہ پر بہت شاباش دی شہر کوتوال کو بھی گورنر

نے انعام و کرام سے نوازا فرید خان کی کمسنی کا یہ واقعہ اس قدر مشہور ہوا کہ تاریخ میں اس کا ذکر موجود ہے روایت یہ ہے کہ بعض لوگوں نے اس وقت پیشین گوئی کی تھی کہ فرید خان کی جرات اور شجاعت اس بات کی غمازی ہے کہ یہ نوجوان مستقبل میں کوئی اہم اور تاریخی کام ضرور کرے گا اور لوگوں کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو گی۔

فرید خاں نے ڈاکوؤں پر چھاپہ مارنے کا منصوبہ اس خوبصورتی سے بنایا کہ اس کے ایک ہی چھاپے سے صرف جنگل کے ڈاکوؤں کا صفایا ہی نہیں ہوا بلکہ جونپور کے پورے صوبے کے ڈاکوؤں میں کھلبلی مچ گئی اور انہوں نے اس صوبے میں خود کو غیر محفوظ سمجھتے ہوئے جونپور کا صوبہ چھوڑ کے دوسرے صوبوں میں رہائش اختیار کر لی۔

اس طرح گورنر جونپور جمال خاں کو ہر ماہ راہزنی کی ایک دو شکائتیں ملا کرتی تھیں ان کا خاتمہ ہو گیا گورنر نے فرید خاں کو شاباش بھی دی مگر اس کی فوج میں ملازمت کی درخواست رد کر دی اور اس پر زور دیا کہ وہ اپنے باپ کے پاس سہسرام واپس چلا جائے لیکن فرید خاں واپس جانے پر آمادہ نہ ہوا اور اس نے جونپور میں ٹھہر کے دینی تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ یا بہانہ بنایا فرید خان کا ایک نقصان اور بھی ہوا وہ یہ کہ اس کا سادہ مزاج دوست خانی خان اس چھاپہ میں اس سے بچھڑ گیا فرید خان نے اس کی تلاش میں جنگل کا کونہ کونہ چھان مارا مگر خانی خاں کو نہ ملنا تھا نہ ملا اور فرید کو یہ تصور کرنا پڑا کہ وہ ڈاکوؤں کا پیچھا کرتے کرتے کہیں مار دیا گیا ہے گورنر کے فوجی ملازمت کے انکار پر فرید خان نے دینی تعلیم کی طرف توجہ دینا شروع کر دی جونپور اس وقت "شیراز ہند" کے نام سے پکارا جاتا تھا پورے برصغیر کے بڑے بڑے علماء ' فضلا اور صوفیائے کرام وہاں جمع ہو گئے تھے تصوف اور دینیات کے گھر گھر چرچے تھے ان دنوں جونپور میں شیخ بہاؤ الدین کا بہت چرچا تھا فرید خان کو اولیاء اور صوفیائے کرام کے ڈیروں اور درباروں پر جانے کا اشتیاق تو بہت تھا مگر اسے اس سے پہلے کسی دربار پر جانے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔

اسے نہ معلوم کیوں صوفیوں سے عقیدت تھی اور وہ ان کی محبت سے فیض حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جمعہ کو نماز کے بعد جب تمام لوگ چلے گئے تو فرید پیش امام کے پاس جا بیٹھا۔ پیش امام کچھ پڑھ رہے تھے فارغ ہوئے تو ایک جوان کو قریب دیکھ کر کچھ حیران ہوئے پھر دریافت کیا۔

"کیوں میاں۔ مجھ سے کام ہے؟"

فرید نے ادب سے عرض کیا "جی ہاں مولانا۔ ایک بات میں مشورہ کرنا ہے اگر آپ کو فرصت ہو؟"

"میں حاضر ہوں"۔ ادھیڑ عمر پیش امام خوش دلی سے بولے۔ "میرا کام ہی یہی ہے نماز پڑھنا' بچوں کو دینی تعلیم دینا اور لوگوں کے کام کاج اور مشوروں میں شریک ہونا"۔

فرید نے جی کڑا کر کے کہا۔

"میرا بھی ایک مذہبی مسئلہ ہے مگر ذرا مختلف ہے۔ اگر آپ پسند فرمائیں؟"

مولانا کھچڑی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مسکرائے۔

"اگر مسئلہ مذہبی ہے تو کتنا ہی اختلافی کیوں ہو۔ مجھے بتاؤ میں صحیح رائے دینے کی کوشش کروں گا"۔

فرید کو اطمینان ہوا۔ وہ صاف آواز میں بولا۔

"مولانائے محترم۔ دراصل مجھے صوفیائے کرام سے دلچسپی ہے۔۔۔۔۔"

فرید نے رک کر مولانا کے چہرے کا رد عمل دیکھا۔

مولانا پھر مسکرائے اور کہا۔

"تصوف دراصل طریقت کی ایک قسم ہے اور طریقت اور شریعت اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے دو طریقے اور دو راستے ہیں۔ اس سلسلے میں تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

مولانا کے جواب سے اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ منصب قسم کے مولوی نہیں فرید کو حوصلہ ہوا اور اس نے کہا۔

"جونپور کو "شیراز ہند" کہا جاتا ہے یہاں جگہ جگہ اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام کے دربار کھلے ہوئے ہیں میں نماز روزے کا پابند ہوں پھر کسی دربار سے فیض حاصل کرنے کا خواہشمند ہوں۔ آپ کسی دربار کے بارے میں مشورہ دے سکتے ہیں مجھے؟"

مولانا کچھ دیر سوچتے رہے پھر بولے۔

"مجھے اس سلسلہ میں خود کو کوئی ذاتی تجربہ نہیں مگر یہاں ایک نام کے دو دربار ہیں وہی دربار زیادہ مشہور ہیں میرا مطلب ہے لوگوں کے بیان کے مطابق وہاں سے لوگوں کو

فیض حاصل ہوتا ہے"۔

"آپ دربار کا نام بتائیے مولانائے محترم؟" فرید نے بے چینی سے پوچھا۔

"ایک دربار کا نام ہے شیخ بہاؤ الدین یہ دربار بہت مشہور ہے۔۔۔۔۔"

فرید جیسے چونک پڑا۔ اس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔

"کیا نام فرمایا آپ نے دربار کا؟"

"دربار شیخ بہاؤ الدین۔۔۔۔۔" مولانا نے دہرایا۔

"یہی ہے۔ یہی نام لوگوں سے میں نے بھی سنا ہے" فرید جلدی سے بولا۔

"آپ کا کیا خیال ہے اس دربار کے بارے میں؟"

مولانا نے قدرے ناگوار انداز میں فرید خان کو سرزنش کی۔

"میاں صاحبزادے ۔ بڑوں کی بات کاٹا نہیں کرتے بلکہ پوری بات سن کے سوال کرتے ہیں؟" فرید خاں گھبرا گیا۔

"مجھے معاف فرمایئے مولانائے محترم۔ مجھ سے ضرور غلطی ہوئی ہو گی۔" فرید خان نے فوراً" معذرت کی۔ "براہ کرم مجھے میری غلطی سے آگاہ فرما دیجئے کہ میں آئندہ محتاط رہوں"۔

مولانا نے اس سے اس کا نام پوچھا پھر کہا۔

"فرید خان۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ یہاں "دو دربار ایک نام کے ہیں اور وہی دونوں مشہور ہیں پھر میں نے ایک دربار کا نام لیا اور آپ فوراً" بول پڑے دوسرے دربار کا نام آپ نے سننے کی کوشش نہ کی"۔ مولانا نے غلطی کی صحیح نشاندہی کی تھی۔

"مجھ سے واقعی غلطی ہوئی۔ میں دوبارہ معذرت پیش کرتا ہوں آپ نے ایک دربار کا نام شیخ بہاؤ الدین فرمایا تھا۔ دوسرے دربار کا کیا نام ہے؟"

"اس دربار کا نام بھی شیخ بہاؤ الدین کا دربار ہے"۔ مولانا نے بتایا

فرید خان چکرا گیا۔ "پھر میں ان دونوں میں کیسے تمیز کر سکوں گا؟"

مولانا نے روکھے پن سے جواب دیا۔ "میں تمہیں جواب دینے کا پابند نہیں۔ میں شریعت کا پابند ہوں اور وہ طریقت کے۔ جو پوچھنا ہے ان سے پوچھو"۔

فرید سمجھ گیا کہ اب مولانا سے سوال کرنا مناسب نہیں۔ چنانچہ اس نے کھڑے ہو کر

مولانا کو سلام کیا اور مسجد سے واپس آگیا۔

فرید خاں کے لیے یہ بات باعث طمانیت تھی کہ جس دربار کا نام اس نے لوگوں سے سنا تھا اس کی تائید مولانا نے کی تھی اب ان دو میں سے کوئی دربار زیادہ بہتر تھا اس سے ظاہر تھا کہ اسے خود اپنے طور پر پتہ لگانا تھا۔ اس مسئلہ پر پورا دن پھر ہفتہ کی رات بھی غور کرتا رہا۔ پھر صبح ہوتے ہی "شیخ بہاؤ الدین کے دربار" کا پتہ پوچھتا ہوا۔ آگے بڑھا مگر اسے پہلے مرحلہ پر پھر مشکل پیش آئی اس نے ایک آدمی سے شیخ بہاؤ الدین کا دربار پوچھا تو اس نے الٹا سوال کیا۔

"کس شیخ بہاؤ الدین کے پاس جانا چاہتے ہو۔ بڑے شیخ صاحب یا چھوٹے شیخ صاحب؟"

فرید خاں نے بات مختصر کرنے کے لیے کہا۔

"بڑے شیخ صاحب کا پتہ بتا دو"۔

"اگلی گلی میں دائیں طرف گھومنے والی گلی میں ان کا ڈیرہ ہے" راہ گیر نے بتایا فرید خاں شکریہ ادا کرکے چلنے لگا تو راہ گیر نے اسے روک کے کہا۔

"دیکھو جوان۔ بڑے بہاؤ الدین کا ڈیرا پوچھنا۔ دربار مت کہنا ورنہ تمہیں چھوٹے شیخ کے پاس بھیج دیں گے۔"

فرید نے اثبات میں سرہلایا اور آگے بڑھا۔ اسے بڑے شیخ بہاؤ الدین کے ڈیرے پر پہنچنے میں کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ ڈیرے پر پہنچا تو اسے وہاں سیکڑوں آدمی چٹائیوں پر بیٹھے دکھائی دیئے اور آخر میں ایک بزرگ جن کی عمر ساٹھ پینسٹھ سے بھی اوپر تھی، دیوار کی ٹیک لگائے بیٹھے تھے ڈیرے کے دروازے پر دو آدمی شاید پہریداری کر رہے تھے ان میں سے ایک دوڑ کے فرید کے پاس آیا۔ بولا۔

"آخری صف میں بیٹھ جاؤ۔ خبردار کوئی سوال نہ کرنا ہر ہفتہ کو شیخ خود بولتے ہیں باقی دنوں میں مرید سوال و جواب کر سکتے ہیں"۔

"ٹھیک ہے۔" فرید نے واپس ہوتے ہوئے کہا "مجھے سوال جواب کرنا ہیں۔ میں کل آؤں گا"۔

پہریدار نے مسکرا کر کہا۔ "کل آؤ اور جمعہ تک روز آتے رہو۔ ایک نہ ایک دن

سوال کا موقعہ مل جائے گا"

فرید نے الجھے ہوئے پوچھا۔ "میں تمہارا مطلب سمجھا نہیں؟"

اس نے بتایا "مطلب صاف ہے۔ حضور شیخ صرف ہفتہ کے دن زبان مبارک کھولتے ہیں اور تمام دن بولتے رہتے ہیں اس کے بعد مراقبے میں چلے جاتے ہیں۔ پھر پتہ نہیں کس دن وہ مراقبہ سے واپس آئیں اور سوالات کا جواب دینے لگیں"۔

فرید خاں نے واپس جانا ملتوی کر دیا اور آخری صف میں جا کے بیٹھ گیا۔ اس کے خیال میں وہاں ڈیڑھ سو سے زیادہ آدمی نہایت خاموشی سے بزرگ شیخ کا خطبہ سن رہے تھے فرید نے بھی اپنے کان خطبہ کی طرف لگا دیئے۔

بزرگ شیخ فرما رہے تھے۔ "اللہ تبارک تعالیٰ تک پہنچنے کا تیسرا طریقہ شطاریہ" کہلاتا ہے۔ اس طریقہ پر چلنے والے اپنے مقصود تک ابتدا ہی میں وہاں پہنچ جاتے ہیں جہاں تک دوسرے طریقے پر چلنے والے آخر میں پہنچتے ہیں اور یہ طریقہ پہلے دونوں طریقوں کی بہ نسبت اللہ تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ ہے"۔ اس کے بعد انہوں نے اصول بیان کرنے شروع کر دیئے

فرید خاں کی طبیعت میں الجھن سی پیدا ہونے لگی اور وہ چپکے سے وہاں سے کھسک کے باہر آگیا باہر پہنچ کے اس نے اپنے خیالات پر غور کیا پھر شیخ بزرگ بہاؤ الدین کے خطبہ کے دسوں اصول پر غور کرنا شروع کیا تو اس کی سمجھ میں یہ آیا کہ شیخ بزرگ وہ صوفی یا اولیاء ہیں جن کی اسے تلاش ہے۔ چنانچہ وہ چپ چاپ وہاں سے واپس آگیا۔

دوسرے دن فرید خان پوچھتا پاچھتا دوسرے شیخ بہاؤ الدین کے دربار تک جا پہنچا ان شیخ کے بارے میں اسے بتایا گیا تھا کہ وہ تارک الدنیا اور صداقت و پاکیزگی کا مجسمہ بزرگ ہیں۔

شیخ بہاؤ الدین، شیخ محمد عیسیٰ کے مریدوں میں تھے کہتے ہیں علاقہ گجرات سے ایک بزرگ شیخ حسین نامی ان کے استاد شیخ محمد موسیٰ کی زیارت کو آئے اس وقت شیخ بہاؤ الدین طالب علم تھے اور ہمہ وقت شیخ موسیٰ کی خدمت میں رہتے تھے۔ وہاں ان کی ملاقات شیخ حسین گجراتی سے ہوئی شیخ حسین گجراتی کیمیا بنانا جانتے تھے کیمیا بنانا سونا بنانے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی شیخ حسین گجراتی کیمیا بنانا جانتے تھے۔

حسین گجراتی روز شیخ بہاؤ الدین کو اپنے استاد کی خدمت میں دیکھتے اور خوش ہوتے تھے ایک دن انہوں نے بہاؤ الدین سے کہا۔

"تم اتنے روز سے استاد کی خدمت میں گئے ہو استاد نے تمہیں کیا کچھ دیا؟"

شیخ بہاؤ الدین نے جواب دیا۔ "میرا کام استاد کی خدمت کرنا ہے اب یہ ان کی مرضی ہے جب اللہ کا حکم ہو گا تو مجھ پر بھی کرم کریں گے"۔

"حسین گجراتی نے کہا۔

"آج دوپہر جب شیخ کی خدمت سے فارغ ہونا تو میرے ساتھ باہر چلنا۔ میں کوئی چیز تمہیں دوں گا"۔

دراصل شیخ حسین گجراتی کو شیخ بہاؤ الدین جیسے جواں عمر طالب علم کی فقیری دیکھ کر صدمہ ہوا اور وہ بہاؤ الدین کی مدد کر کے ان کی فقیری کو دور کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ دوپہر دونوں دربار سے جنگل میں پہنچے شیخ گجراتی نے وہاں کیمیا کی اکسیر بنا کر بہاؤ الدین کو دی۔

"بہاؤ الدین تمہاری غربت مجھ سے نہیں دیکھی جاتی یہ اکسیر اپنے پاس رکھو اس سے سونا بنا کے اپنے کام میں لاؤ اور اپنے حالات درست کرو اور جب اکسیر ختم ہو جائے تو مجھ سے کہنا میں اور بنا دوں گا"۔

شیخ حسین گجراتی کا خیال تھا کہ جواں سال بہاؤ الدین استاد کی خدمت میں اس لیے لگا رہتا ہے کہ اسے کوئی دنیاوی نفع حاصل ہو اس لیے انہوں نے اسے اکسیر کیمیا بنا کر دی اس اکسیر کی یہ تاثیر ہوتی ہے کہ اگر اسے پیتل پر ڈالا جائے تو وہ سونا بن جاتا ہے اس اکسیر کی تیاری میں لاکھوں آدمی تباہ ہو گئے اور ان کے پاس جو کچھ تھا وہ بھی تباہ کر بیٹھے چنانچہ حسینی گجراتی نے ان پر ترس کھا کر کیمیا بنا کر پیش کی تھی مگر شیخ بہاؤ الدین جوانی میں بھی کچھ اور ہی ڈھب کے تھے۔ چنانچہ شیخ بہاؤ الدین نے ادب سے عرض کیا۔

"بزرگ محترم حسین گجراتی صاحب۔ مجھے آپ سے اس کیمیا کی اکسیر لینے کی ضرورت ہے اور نہ خواہش ہے۔ میں تو آپ سے دین اور اللہ کی اکسیر لینا چاہتا ہوں"۔

حسین گجراتی ' بہاؤ الدین کی اس بات سے بہت مسرور ہوئے۔ اس دن سے انہوں نے بھی شیخ بہاؤ الدین کی باطنی تربیت کی طرف مزید توجہ مبذول کی یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک شیخ گجراتی کو استاد شیخ محمد موسیٰ سے خرقہ خلافت نہیں ملا۔

جب حسین گجراتی کو شیخ محمد موسیٰ نے خلافت دیدی اور وہ گجرات رخصت ہونے لگے تو شیخ بہاؤ الدین نے ان سے عرض کیا "بزرگ حسینی گجراتی صاحب۔ اب آپ مجھے اپنا مرید کر کے اجازت دیدیں (یعنی اپنے خلیفہ کا درجہ دے جائیں"۔

"جواب میں شیخ حسین نے فرمایا۔ "بہاؤ الدین تمہارے لئے میرے پاس جو کچھ تھا وہ میں نے تمہیں دیدیا لیکن تمہیں خرقہ ت پہنانے والے شیخ تو اس شہر میں ہیں"۔

ان کا اشارہ شیخ محمد عیسیٰ کی طرف تھا۔ شیخ حسین گجراتی اپنے وطن واپس چلے گئے اب شیخ بہاؤ الدین شیخ عیسیٰ کی طرف پھر متوجہ ہوئے لیکن شیخ محمد عیسیٰ بھی جلدی وفات پا گئے اور مرتے وقت بہاؤ الدین سے فرما گئے۔

"بہاؤ الدین تمہارا خرقہ خلافت اس سید کے پاس ہے جو مانک پور سے تشریف لائیں گے"۔ چنانچہ کچھ دنوں بعد راجی سید حامد شاہ جونپور وارد ہوئے۔ شیخ بہاؤ الدین نے ان کا پر جوش استقبال کیا اور آپ کو خرقہ خلافت پہنا کر اپنا خلیفہ بنایا۔

شیخ بہاؤالدین شیطاری کا ڈیرا بڑا عالی شان تھا جسے دیکھ کر ہی انسان رعب کھا جاتا تھا مگر یہ دوسرے شیخ بہاؤ الدین کا دربار جن کے پاس فرید خاں بڑی آرزو لے کر پہنچا تھا ایک شکستہ سا باڑہ تھا جس میں اونچے اونچے درخت لگے اور تاروں کے جنگلے سے اسے گھیر دیا گیا تھا اس باڑے کے اندر دور پر ایک بڑا سا چھپر پڑا تھا اس کے برابر ایک کچا مکان تھا۔

فرید خاں نے باڑے کے اندر جھانک کے دیکھا کہ کوئی نظر آئے تو اس سے اندر آنے کی اجازت لی جائے۔ مگر اسے اندر یا ادھر ادھر کوئی دکھائی نہیں دیا۔ اس وقت چھپر کی طرف ایک آدمی آتا دکھائی دیا۔ وہ ایک گرانڈیل' لمبی داڑھی اور لمبے کرتے والا ملنگ تھا جس کے کانوں میں لمبے لمبے بالے اور ہر انگلی میں انگوٹھی تھی وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا آ رہا تھا۔

فرید خان نے اسے ادب سے سلام کیا تو اس نے فرید خان کو گھور کے دیکھا۔

"کیا چاہتا ہے؟" گرانڈیل شخص نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

فرید نے لجاجت سے کہا "شیخ بہاؤ الدین کے سلام کو حاضر ہوا ہوں۔ ملاقات ہو سکتی ہے؟"

"نہیں ـــــــــ" اس کا لہجہ اور زیادہ سخت ہو گیا۔

فرید خان کا دل بیٹھنے لگا۔ اس نے سوچا کیا تمام صوفی اور اولیاء اللہ ایسے ہی ہوتے ہیں ایک وہ تھے شیخ بہاؤ الدین شطاری ان کے بڑے چرچے سنے تھے ان کے پاس گیا تو کیا ملا۔ اللہ تک پہنچنے کے تین طریقے اور دس اصول بھلا ایک دنیادار آدمی کو اتنی فرصت کہاں کہ وہ ان اصولوں کی پابندی کر سکے اور ان اصولوں پر چل سکے۔ اب ان کے پاس آیا تو یہاں کا دربان ہی شیر بچہ معلوم ہوتا ہے۔

"اب کھڑا کیوں ہے۔ جاتا کیوں نہیں"۔ یہ آواز اس اتنی گرانڈیل انسان کی تھی۔

فرید خاں کا نہ صرف خیالوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا بلکہ اسے اس گرانڈیل بے وقوف پر غصہ آنے لگا۔

"سنا نہیں۔ جاتا کیوں نہیں؟" یہ فرید خاں کی سماعت پر دوسرا جھٹکا تھا۔ اسے غصہ تو آ ہی گیا تھا اکڑ کے بولا۔

"میں نہیں جاؤں گا۔ شیخ سے ملنے آیا ہوں"۔

فرید خاں کا لہجہ اس قدر سخت تھا کہ شاید وہ گرانڈیل انسان بھی رعب کھا گیا۔ نرم پڑتے ہوئے بولا۔

"میں بتا رہا ہوں۔ شیخ اس وقت نہیں مل سکتے"۔

"تم بتانے والے کون ہوتے ہو۔ میں شیخ سے مل کے جاؤں گا۔" اب تو فرید خان کو واقعی غصہ آ گیا تھا۔

وہ گرانڈیل کچھ جواب دینے والا تھا کہ سامنے چھپر سے ایک اور آدمی بھاگتا ہوا آتا دکھائی دیا۔ دونوں نے اسے گھبرا کے دیکھا۔ وہ قریب آیا اور ہانپتا ہوا بولا۔

"بادشاہ کہاں ہے بادشاہ"۔

ان دونوں نے حیران ہو کر پہلے اسے دیکھا پھر ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔

آخر فرید خان نے کہا۔ "یہاں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے"۔

آنے والا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ بادشاہ ضرور آیا ہے۔ شیخ جھوٹ نہیں بول سکتے"۔

اب گرانڈیل بولا۔

"شیخ تو مراقبے میں تھے۔ تمہیں دھوکہ ہوا ہے"

آنے والے نے بتایا "شیخ مراقبے میں ضرور تھے مگر چونک کے بولے تھے کہ فرید شاہ آیا ہے اسے لے کے آؤ۔ وہ ضرور آیا ہے۔ جھوٹ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں انہی کے حکم سے باہر آیا ہوں"۔

"سنو بھائی"۔ فرید خاں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "میرا نام فرید خاں ہے۔ شیخ نے مجھے تو نہیں بلایا ہے؟"

"تم فرید شاہ ہو----" اس نے بڑھ کے فرید خاں کا ہاتھ پکڑ لیا"۔ چلو چلو شیخ تمہیں ہی بلا رہے ہیں"۔

"مگر میں فرید خاں ہوں-----"

فرید خاں چلاتا رہا اور وہ اسے کھینچتا ہوا سامنے کے چھپر تک پہنچ گیا چھپر کے نیچے شیخ بہاؤ الدین اپنے دس بارہ مریدوں کے ساتھ کھڑے مسکرا رہے تھے۔ فرید خاں کو کھینچنے والے نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور گڑ گڑایا۔

"بزرگ شیخ۔ یہ کہتا ہے میں فرید خ ہوں"۔

"یہ ٹھیک کہتا ہے"۔ شیخ اب تک مس رہے تھے۔ "یہ فرید خاں بھی ہے اور فرید شاہ اور شیر شاہ بھی ہے"۔ یہ کہتے ہوئے شیخ بہاد الدین نے فرید خاں کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"آؤ فرید خاں۔ ہم تمہارا انتظار کر رہے تھے"۔

اور فرید خاں حیران نظروں سے شیخ بہاؤ الدین کے چہرے کو دیکھنے لگا۔

شیخ بہاؤ الدین فرید خاں کے کاندھے پر ہاتھ رکھے اسے اندر لے گئے چھپر کے اندر پھونس کی ٹٹیوں سے گھرا ایک کمرہ سا بنا تھا۔ یہ خاص شیخ بہاؤ الدین کی بیٹھک تھی یہاں بھی ایک چٹائی بچھی تھی۔ چٹائی کے کونے پر ایک جا نماز، تسبیح اور ایک مٹی کی بدھنی رکھی تھی۔

"بیٹھو فرید----" شیخ نے فرید خاں کے کاندھے سے ہاتھ ہٹا کے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی سامنے بیٹھ گئے۔ فرید خاں بھی حیران حیران سا بیٹھ گیا اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ شیخ بہاؤ الدین کو اس کے آنے کی خبر کس نے دی پھر شیخ کو اس کا نام کیسے معلوم ہوا۔

"ہاں۔ اب کہو۔ ادھر کیسے آنا ہوا؟" شیخ نے نرمی سے پوچھا۔

فرید خاں خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ شیخ کی آواز پر چونک پڑا۔ اس کے کان میں شیخ کی آواز پہنچی تھی مگر وہ ان کا سوال نہ سن سکا تھا۔ اس لیے خاموش رہا۔ شیخ بہاؤ الدین شاید جواب کا انتظار کر رہے تھے جب فرید خاں چپ رہا تو انہوں نے خود ہی کہا "تم کس الجھن میں ہو فرید خاں؟"

فرید خاں نے خود کو سنبھالا اور بولا۔ "بزرگ شیخ میں اس الجھن میں ہوں کہ آپ کو میرا نام کس نے بتایا اور میرے یہاں آنے کی خبر کیسے ہوئی جبکہ نہ کوئی مجھے یہاں جانتا ہے اور نہ میں نے آتے وقت کسی کو بتایا ہے کہ میں کہاں جا رہا ہوں"۔

بزرگ شیخ پر مسکرائے۔

"اگر میں یہ کہوں کہ مجھے کسی طاقت نے تمہارے آنے کی خبر دی ہے تو کیا تم یقین کرو گے؟"

"ضرور یقین کروں گا بزرگ شیخ" فرید خان نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "کیونکہ مجھے یقین ہے صوفیا اور ولی اللہ دل کی آنکھوں سے دیکھتے اور دل کے کانوں سے سنتے ہیں"۔

"فرید خان ہم تمہارے آنے سے بہت خوش ہوئے" شیخ نے بڑی مسرت سے کہا "لیکن فرید ہم تمہیں کچھ دے نہیں سکتے۔ صرف دعا کر سکتے ہیں"۔

فرید خان کا دل کھل اٹھا "بزرگ شیخ۔ میں یہی چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے اور مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے؟"

"ٹھیک ہے فرید خاں"۔ بزرگ شیخ نے اثبات میں سر ہلایا "میں تمہارے لئے ہمیشہ دعاگو رہوں گا مگر اس کے لیے تمہیں میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں"۔

"بزگ شیخ۔ ایسا تو نہ کیجئے"۔ فرید خاں نے احتجاج کیا "مجھے اپنے قدموں سے تو دور نہ کیجئے۔ اگر میں تصوف میں کوئی مقام حاصل نہیں کر سکتا تو کم از کم اخلاقیات کا تو درس لے سکتا ہوں۔

آپ مجھے اپنے پاس آنے سے مت روکئے بزرگ شیخ۔ میں بہت امیدیں لے کے آیا ہوں آپ کے پاس؟"

شیخ بہاؤ الدین جونپوری بڑی مشکل میں پڑ گئے۔ فرید خاں کا پورا مستقبل ان کی

نظروں میں تھا جس کے انہوں نے اشارے دئے تھے مگر فرید خاں پھر بھی ان کے قریب رہنے کا خواہشمند تھا۔ بڑی سوچ بچار کے بعد انہوں نے کہا۔

"فرید خاں۔ یہ دربار سب کے لیے کھلا ہے میں تمہیں آنے سے نہیں روکتا مگر تمہیں یہاں سے کچھ نہ ملے گا۔ جو سر آہنی خود پہننے کے لیے بنا ہو اس پر خرقہ خلافت نہیں سجتا تمہاری جگہ صوفیوں کا یہ تنگ دربار نہیں بلکہ کھلا میدان ہے جہاں نظر تک گھوڑے دوڑتے نظر آتے ہیں"۔

فرید خاں کا دل بیٹھنے لگا اس نے مایوس انداز میں کہا "بزرگ شیخ۔ میری بھی کیا قسمت ہے۔ وطن میں چین نہیں ملا۔ پردیس آیا کہ سپاہی زادہ ہوں مگر گورنر جونپور نے منہ نہ لگایا۔ آپ کے دامن میں پناہ لینا چاہی تو آپ نے بھی دھتکار دیا اب کہاں جاؤں کس کا سہارا ڈھونڈوں میں کس قدر بے سہارا ہوں"۔

"کوئی بے سہارا نہیں ہوتا فرید"۔ شیخ بہاؤ الدین نرمی سے بولے۔ "یہ دنیا خدا نے بنائی ہے جو بے سہارا ہو اس کا سہارا خود خدا بن جاتا ہے۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تم دربار میں ہر وقت آ سکتے ہو چاہو تو یہاں رہ بھی سکتے ہو اب تو خوش ہوناں؟"

فرید خاں کے آنسو چھلک آئے تھے مگر وہ مسکرا دیا۔ "بزرگ شیخ" فرید خاں کی آواز شدت جذبات سے بھرا گئی۔ "آپ سہارا نہ دیتے تو میرا دل ٹوٹ جاتا اور پھر نہ معلوم کدھر نکل جاتا"۔

بزرگ شیخ بھی مسکرا دیئے "گھبراو نہیں فرید---- خدا تمہیں بھٹکنے نہیں دے گا۔ وہ تم سے کوئی بڑا کام---- اور شیخ کہتے کہتے رک گئے۔

پھر ذرا ٹھہر کے بولے۔ "یہ تو بتاؤ تم ٹھہرے ہوئے کہاں ہو؟"

فرید خاں نے بتایا "گورنر جونپور نے میرے قیام و طعام کا انتظام کر دیا ہے مگر وہ فوجی ملازمت دینے پر آمادہ نہیں"۔

شیخ نے دلچسپی سے پوچھا۔ "تم ہاتھ پیر کے بھی اچھے ہو اور سپاہی زادے بھی۔ پھر تمہیں فوجی ملازمت نہ دینے میں گورنر کی کیا مصلحت ہو سکتی ہے؟" اور پھر فرید خاں کو اپنا اصل حال بتانا پڑا۔

"بزرگ شیخ۔ دراصل میں اپنے ماں باپ کے ہاتھوں کا مارا ہوا ہوں میرا باپ سہرام کا جاگیردار ہے اس نے چار شادیاں کیں اللہ نے اسے چاروں سے اولادیں دیں مگر میری چوتھی سوتیلی ماں جو میری ہم عمر ہے وہ آفت کی پرکالہ ہے اس نے میرے محبت کرنے والے باپ کو میرے اس قدر خلاف کر دیا کہ مجھے مجبور ہو کر وطن چھوڑنا پڑا۔ یہاں آ کے مشکل یہ پڑی کہ میرا باپ گورنر جونپور کا گہرا دوست ہے میں نے اسے آتے ہی بتا دیا تھا کہ میں سوتیلی ماں کی وجہ سے سہرام ہمیشہ کے لیے چھوڑ آیا ہوں مگر وہ میری ایک نہیں سنتا کہتا ہے کہ باپ کے پاس واپس جاؤ تم بڑے بیٹے ہو۔ باپ بوڑھا ہے مگر میں وہاں نہیں جانا چاہتا"۔

"ٹھیک ہے۔" بزرگ شیخ نے سر ہلایا۔ "کچھ دن پردیس کی بھی سیر کر لو۔ تجربہ حاصل ہو گا۔ آخر وطن واپس تو جانا ہی ہے"۔

فرید خاں پھر چونکا "کیا فرمایا آپ نے۔ مجھے وطن جانا ہو گا مگر میں تو سہرام کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ آیا ہوں؟"

"انسان کا اپنے اوپر کوئی اختیار نہیں ہوتا فرید خاں" شیخ نے متانت سے کہا۔ "تم نے کبھی یہ بھی تو نہ سوچا ہو گا کہ تم تلوار چھوڑ کے کسی دربار میں اختلافات کا درس لینے پر مجبور ہو گے یہ سب اوپر والے کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو جہاں چاہے رکھے۔ بندے کا کیا اختیار"۔

"یہی باتیں تو سیکھنے آنا چاہتا ہوں آپ کے پاس"۔ اور فرید خاں مسکرانے لگا۔

شیخ بہاؤ الدین کے دربار میں آتے ہوئے فرید خاں کو چھ ماہ گزر گئے شیخ نے اسے منع کر دیا تاکہ وہ دربار کی کسی گفتگو یا کام میں بالکل دخل نہ دے بلکہ ایک تماشائی کی طرح وہاں آنے جانے والوں کی گفتگو سنتا رہے۔ دربار آنے والوں میں ہر طرح کے لوگ ہوتے مخلص بھی اور مفاد پرست بھی شیخ کے مریدوں میں بھی فرید خاں کو ہر طرح کے لوگ نظر آئے ان میں سے زیادہ تر ایسے لوگ تھے جو شیخ سے واقعی کچھ حاصل کرنا چاہتے تھے مگر بعض ایسے بھی تھے جو شیخ کو اپنے مالی مفاد کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے۔

شیخ بہاؤ الدین کا یہ طریقہ تھا کہ وہ مریدوں سے صبح کے وقت گفتگو کرتے اور ان کے سوالوں کے جواب دیتے یہ سوال و جواب عام طور پر تصوف کے مسائل پر ہوتے اس

سلسلہ کے بعد شیخ نئے آنے والوں پر نظر ڈالتے اور ان کا حال چال پوچھتے۔ بعض لوگوں کے مسائل وہ تنہائی میں سنتے اس وقت شیخ فرید خاں کو اپنے پاس بلا لیتے تھے مگر صرف سننے کے لیے فرید خاں کو بولنے کی قطعی اجازت نہ تھی۔ اس طرح فرید خاں کو شیخ بہاؤ الدین کے دربار میں حاضری دیتے دو سال گزر گئے اور اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کی آنکھوں سے ایک بھاری پردہ ہٹ گیا ہے اب وہ سامنے آنے والے کو ایک نظر میں پہچان لیا کرتا تھا اور اس کی نظریں اس کے دل تک پہنچ جاتی تھیں۔

ایک دن شیخ نے فرید خاں سے پوچھا۔ "فرید خاں۔ تم نے اس ایک سال میں کیا کھویا۔ کیا پایا؟"

"بزرگ شیخ" فرید نے ادب سے جواب دیا "کھویا کچھ نہیں اور پایا اتنا ہے کہ شاید عمر بھر نہ حاصل کر پاتا"۔

"پھر اب کیا ارادہ ہے وطن جانا چاہتے ہو؟" شیخ نے پوچھا۔

"جی نہیں"۔ فرید نے صاف انکار کیا۔ "میں شیخ ہی کے در پر رہنا چاہتا ہوں"۔

شیخ نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ "فرید تم میرے پاس عمر بھر رہ سکتے ہو مگر مجھ سے کچھ نہیں ملے گا تمہیں تمہاری دنیا تمہارے وطن میں ہے۔ وہیں سے تمہیں کچھ حاصل ہو گا"۔

مگر فرید خاں پھر بھی سہرام جانے پر راضی نہ ہوا۔ اسی دن شام کو جب وہ دربار سے گھر جانے کے لیے باڑے سے نکلا تو اسے سامنے ایک لمبی داڑھی والا آدمی کھڑا دکھائی دیا یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ فرید کے انتظار میں ہو فرید کو دیکھتے ہی وہ چند قدم آگے بڑھ آیا۔

"فرید خاں۔ کیا مجھے بھول گئے؟" وہ بولا

اس کی آواز فرید خاں کی سماعت سے ٹکرائی تو وہ چونکا پھر اسے غور سے دیکھا۔

"تم ----- تم خانی خان تو نہیں ہو؟" وہ واقعی اس کا بچھڑا ہوا سادہ لوح دوست خانی خاں ہی تھا۔ وہ دونوں بازو کھول کے فرید خاں کی طرف بڑھا پھر دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

"کہاں رہے کب آئے ہو؟" خانی خاں سے الگ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"یہ بڑی لمبی داستان ہے خان۔ پھر کبھی بتاؤں گا۔" خانی نے جواب دیا۔ "ہاں آیا آج ہی ہوں"۔

"کہاں ٹھہرے ہو؟" فرید نے اک دم سوال کیا۔

"اپنے گھر میں" خانی نے مختصر سا جواب دیا۔

"گھر۔۔۔۔ گھر کہاں ہے تمہارا؟" فرید خاں حیران ہو گیا۔

"خان جی۔ میں اپنی بیوی کے ساتھ آیا ہوں اور سرائے میں یعنی اپنی سسرال میں ٹھہرا ہوں۔" خانی دانت نکال کے ہنسا"۔

"اچھا تو تم نے شادی کر لی ہے" فرید خاں نے مسرت کا اظہار کیا۔

"یہ باتیں بعد میں ہوں گی" خانی بولا۔ پہلے ایک خاص خبر سن لو۔ تمہارے باپ سہرام سے آئے ہوئے ہیں اور گورنر کے پاس ٹھہرے ہیں۔

اور فرید خاں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

اس شام جب فرید خاں اپنے دوست خانی خاں کے ساتھ گیا تو بزرگ شیخ اس رات کچھ اداس اداس سے تھے۔ بزرگ شیخ کا چہرہ عام طور پر خوشی اور غم کے تاثرات سے عاری رہتا تھا اور بہت کم ایسا ہوتا کہ وہ مسرت یا غم کا اظہار کرتے مگر اس شب وہ کچھ اسی درجہ اداس تھے کہ مریدوں سے ضبط نہ ہو سکا اور ان میں سے ایک نے دریافت کیا۔

"بزرگ شیخ۔ ہم مریدوں کو یہ حق تو نہیں پہنچتا کہ ہم بزرگ شیخ کے غم اور خوشی میں حصہ دار بن سکیں مگر آج آپ کا چہرہ مبارک حد درجہ اداس اداس دکھائی دے رہا ہے کیا حضور ہم مریدوں کو اپنے غم میں شریک نہ کریں گے؟" بزرگ شیخ نے مریدوں کی طرف توجہ فرمائی اور بولے۔

"ہاں میرے بیٹو۔ آج ہم واقعی اداس ہیں۔ فرید خاں ہمارا بیٹا نہیں۔ تمہاری طرح ہمارا مرید بھی نہیں مگر ہمیں اس درجہ عزیز ہے کہ اس کی جدائی ہمیں پریشان کر رہی ہے۔۔۔۔"۔

مرید۔ بولا۔ "یا شیخ۔ فرید خاں تو یہیں ہے وہ تو آج بھی دربار میں حاضر تھا؟"

"تم بھی ٹھیک کہتے ہو"۔ شیخ اور کسی سے بولے۔ "وہ آج آیا تھا مگر اس دربار میں یہ اس کا آخری دن تھا"۔

دوسرے مرید نے کہا۔ "اے بزرگ شیخ۔ میں نے لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ جو ایک بار آپ کے قدموں میں آ گیا وہ واپس نہیں جایا کرتا؟"

"مگر میرے بچو"۔ شیخ کی اداسی کچھ اور بڑھ گئی "فرید خاں دربار میں آیا ہی کب تھا۔ اس نے ہمارا سہارا ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی مگر ہم اسے گلے نہ لگا سکے۔ اب اسے واپس جانا ہی تھا"۔ مریدوں کی سمجھ میں بزرگ شیخ کی باتیں نہ آ رہی تھیں۔

پھر مریدوں نے نہ کچھ پوچھا اور نہ شیخ نے کچھ بتایا دونوں طرف خاموشی طاری ہو گئی حالانکہ بزرگ شیخ نے ہر بات ٹھیک ٹھیک بتائی تھی۔

یہ بات ٹھیک تھی کہ فرید خاں نے شیخ بہاؤ الدین کے دربار کا سہارا لیا تھا اس لئے کہ گورنر جونپور جمال خاں نے فرید کو سرکاری ملازمت میں لینے سے انکار کر دیا تھا۔ تاریخ میں ایک بیان یہ بھی ہے کہ سہرام کی جاگیر فرید خان کے آباؤ اجداد کو جمال خاں کی سفارش پر ملی تھی جمال خاں کو فرید کے باپ حسن خان کے تمام معاملات کا علم تھا۔ اسے معلوم تھا کہ حسن خاں اپنی نو مسلم بیوی کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا ہے اور وہ یہ چاہتی ہے کہ حسن خان جاگیر کے کام میں اس کے بیٹوں سلیمان خاں اور احمد خاں اپنے ساتھ رکھتے اور فرید خاں کو جاگیر سے بالکل بے دخل کر دے۔ فرید خاں کا سہرام چھوڑ کے جونپور آنا بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی جس کی تصدیق وبے الفاظ میں فرید نے گورنر جمال خاں سے کی تھی۔ گورنر فرید خاں کی اہلیت اور اہمیت سے آگاہ نہ تھا اس لیے اس نے یہی بہتر خیال کیا کہ فرید خاں کو فوج میں داخل کرنے کے بجائے باپ کے پاس بھیج دے تاکہ بڑا بیٹا ہونے کی وجہ سے فرید خاں جاگیر کی دیکھ بھال کر سکے۔ مگر فرید خاں نے واپس جانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

فرید خاں کو جونپور آئے تیسرا سال تھا اس دوران جمال خاں نے اس کے پیچھے اپنا ایک آدمی لگا دیا تھا کہ وہ یہ خبر دیتا رہے کہ فرید خاں جونپور میں کیا کرتا اور کس طرح رہتا ہے۔ پھر جب گورنر کو یہ معلوم ہوا کہ فرید خاں نے اس دوران عربی اور فارسی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر لی ہے۔ سکندر نامہ۔ گلستان و بوستان اسے زبانی یاد ہیں۔ تاریخ اور فلسفہ کا درس بھی اس نے مختلف استادوں سے لیتا رہا ہے اور سب کی بڑی یہ کہ فرید خاں چوری چھپے فوجی چھاؤنی میں بھی جاتا ہے اور سرداروں سے فوجی حکمت عملیوں پر کھل کے گفتگو

کرتا ہے تو وہ حیران رہ گیا تھا۔

آخر گورنر جمال خاں اس نتیجہ پر پہنچا کہ افغان جوانوں میں اس وقت فرید خاں ہی وہ واحد جوان ہے جس میں سپاہیانہ خوبیوں کے ساتھ قائدانہ صلاحیت بھی موجود ہے اور اگر اس پر نظر رکھی جائے اور اس کی صحیح پرداخت ہو تو مستقبل میں وہ ایک بہترین افغان جنرل ثابت ہو سکتا ہے۔ اس نتیجہ پر پہنچتے ہی جمال خاں نے ایک تیز رفتار سوار سہرام روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ فرید خاں کے باپ حسن خان جاگیردار سہرام کو آپ ساتھ لے کے آئے۔ اس طرح حسن خاں خود جونپور آیا نہیں تھا بلکہ جونپور کے گورنر نے اسے خاص طور سے اپنا کارندہ بھیج کے بلوایا تھا۔

حسن خان دربار جونپور پہنچا اس نے گورنر کو ادب سے سلام کیا۔

گورنر جمال خاں جواب دینے کے بجائے حسن خاں کو آڑے ہاتھوں لیا۔

"کیا بات ہے حسن خاں۔ جاگیر کے معاملات میں تم نے دلچسپی لینا بالکل ہی چھوڑ دیا ہے؟" حسن خاں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے وہ گھگیا کے بولا۔

"گورنر بہادر------ میں تو دن رات-----"

"ہاں مجھے معلوم ہے"۔ گورنر قطع کلام کرتے ہوئے بولا۔ "مجھے معلوم ہے کہ تم دن رات اپنی نو مسلم بیوی کے نخروں میں لگے رہتے ہو۔ ایسے کام نہیں چلے گا حسن خاں"۔

حسن خاں سن پڑ گیا۔ جمال خاں نے اس سے اس قدر سخت لہجے میں پہلے کبھی گفتگو نہ کی تھی اسے کوئی جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔ گورنر نے اس پر جو الزام لگایا یا طعنہ دیا وہ بالکل درست تھا اس کی نو مسلم بیوی چاندنی اس پر اس قدر حاوی ہو گئی تھی کہ اس نے حسن خاں کا اس کی حویلی سے نکلنا تک بند کر دیا تھا۔ اگر وہ کسی سرکاری کام سے بھی ذرا دیر کے لیے باہر جاتا تو چاندنی کو یہی شبہ ہوتا کہ حسن خاں اپنی کسی دوسری بیوی کے پاس گیا ہو گا۔

"کیا میں غلط کہہ رہا ہوں حسن خاں؟" گورنر جمال نے اپنی بات دہرائی۔ "تمہاری تین اور بھی بیویاں ہیں مگر تم ان کے گھر کبھی نہیں جاتے۔ انہیں تو تم نے جیسے اللہ کے حوالے کر دیا ہے"۔ حسن خاں اب بھی خاموش رہا۔ اس کے پاس جواب کیا تھا کہ وہ بولتا

باقی تین بیویوں کو تو اس نے واقعی بھلا ہی دیا تھا۔

گورنر جمال خاں جیسے حسن خاں سے کسی بات کا جواب چاہتا ہی نہ تھا۔ اس اس نے حسن خاں کی اس طویل خاموشی کا قطعی برا نہیں مانا بلکہ خود ہی بولنا شروع کر دیا۔

غضب خدا کا----- ہیرے جیسا جوان بیٹا۔ میں کہتا ہوں کے تمہارے بیٹوں میں وہ سب سے عمر ہی میں بڑا نہیں بلکہ علم و ہنر اور فنون سپہ گری میں بھی وہ سب سے زیادہ قابل اور ہوشیار ہے"۔

حسن خان کی سمجھ میں اب آیا کہ گورنر اس پر کیوں برس رہا ہے۔ اس کے دماغ میں فوراً یہ بات آئی کہ ہو نہ ہو فرید نے گورنر سے اس کی شکایت کی ہے جب ہی وہ اس قدر گرم ہو رہا ہے حسن خان نے ایک جھرجھری سی لی اور سنبھل کے بولا۔

"گورنر بہادر۔ میں جانتا ہوں کہ فرید نے آپ کے کان بھرے ہیں جبھی آپ مجھے اس طرح ذلیل کر رہے ہیں آپ جسے قابل اور ہوشیار سمجھتے ہیں وہ اس قدر نالائق اور احسان فروش ہے کہ پچھلے تین سال سے اس نے مجھ سے نہ خط و کتابت رکھی اور نہ کبھی میرا حال پوچھنے سہرام آیا"۔

گورنر چڑ گیا۔ کڑک کے بولا۔ "حسن خاں بس چپ ہو جاؤ۔ تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ تم فرید کے بارے میں ایک لفظ بھی کہو۔ تم نے تو اس سے کبھی سیدھے منہ بات بھی نہیں کی۔ تمہاری وہ کیا شکایت کرے گا۔ تمہارا پورا کچا چٹھا پرچہ نویس نے میرے پاس لکھ بھیجا ہے"۔

شاہی زمانہ میں شہر شہر اور قصبے قصبے بادشاہوں اور گورنروں کے پرچہ نویس ہوتے تھے جو خود کو ظاہر نہ کرتے تھے اور پوشیدہ طور پر ماتحت افسروں کے حالات بادشاہوں اور گورنروں کو لکھ بھیجتے تھے یہ پرچہ نویس اس قدر معتبر ہوتے تھے کہ ان کی رپورٹ پر فوراً افسر مجاز کے خلاف تادیبی کارروائی شروع ہو جاتی تھی۔ اصل میں سہرام کے پرچہ نویس نے گورنر جونپور کو خفیہ رپورٹ بھیجی تھی کہ جاگیردار سہرام حسن خاں جاگیر کے معاملات میں بالکل دلچسپی نہیں لیتے اور چھ چھ ماہ تک علاقہ کا دورہ تک نہیں کرتے۔ رپورٹ میں یہ بھی درج تھا کہ حسن خاں اپنی سب سے چھوٹی بیوی کے کہنے میں ہیں اور وہ انہیں گھر سے باہر نہیں جانے دیتی۔ اس رپورٹ پر گورنر جمال خاں بھڑک اٹھا تھا اور اس نے حسن خان کو

آدمی بھیج کر بلوا لیا تھا۔ چنانچہ پرچہ نویس کا نام سن کے حسن خاں ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس لیے کہ پرچہ نویس کی بات اٹل ہوتی تھی اور اس کے خلاف کوئی اپیل نہیں سنی جاتی تھی۔ اس نے خوشامدانہ انداز اختیار کیا۔

"گورنر بہادر۔ جاگیر کے معاملات میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔ مجھ سے بھی بھول چوک ہوئی تھی مگر اب مجھے آپ اس طرح خوار تو نہ کیجئے"۔

"تم اس سے زیادہ خواری کے قابل ہو حسن خاں"۔ جمال خان نے غصہ سے کہا۔ "جاگیر کے حالات اس وقت تک درست نہیں ہو سکتے جب تک تم اپنے گھر کے حالات ٹھیک نہیں کرتے۔ تمہیں ایک طرف ہو کے رہنا ہو گا"۔

حسن خاں کچھ سمجھ نہ سکا۔ اس نے پوچھا۔ "میں سمجھا نہیں۔ گورنر بہادر کا ایک طرف سے کیا مطلب ہے؟"

گورنر نے اسی لہجہ میں کہا۔ "مطلب یہ ہے کہ یا تو تم اپنا گھر سنبھالو یا پھر جاگیر۔ تم دونوں کو سنبھالنے کے قابل نہیں رہے۔ مجھے صاف صاف جواب دو۔ اگر تم حالات پر قابو نہیں پا سکتے تو میں اعلیٰ حضرت کو لکھ کر سہرام وغیرہ کی جاگیر کسی اور کے نام منتقل کرا دوں گا"۔

حسن خاں کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ گھبرا کے بولا۔

"گورنر بہادر۔ مجھ پر رحم کیجئے۔ میں بال بچوں والا ہوں میں تباہ ہو جاؤں گا"۔

اسی وقت ایک غلام نے آکے اطلاع دی "آقائے محترم۔ فرید خاں ڈیوڑھی پر حاضر ہے اور باریابی کی اجازت چاہتا ہے"۔

گورنر جمال خاں نے حسن خاں کی طرف دیکھا۔ پھر غلام سے کہا۔ "انہیں کسی کمرے میں لے جاؤ"۔ پھر پلٹ کے حسن خاں سے بولا۔ "خبردار۔ تم خود کو ظاہر کرنے کی کوشش نہ کرنا جب تک ہم خود تمہیں طلب نہ کریں"۔

حسن خاں چپ چاپ غلام کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

پھر فرید خاں حاضر ہوا اور گورنر کو ادب سے سلام کیا۔

گورنر نے ذرا سخت لہجہ میں کہا۔ "کیا بات ہے فرید۔ تم نے سلام کے لیے آنا بھی چھوڑ دیا۔ ہم نے کیا برائی کی ہے تمہارے ساتھ؟"

فرید خاں پریشان ہو گیا پھر ادھر ادھر دیکھ کے بولا۔

"گورنر بہادر۔ آپ نے تو مجھ پر اس قدر احسانات کئے ہیں کہ میرا باپ بھی اتنے احسان مجھ پر نہ کر سکتا تھا"۔

گورنر جمال خاں کو اک دم ہنسی آ گئی اس نے کہا۔ "فرید تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے باپ یہاں آئے ہوئے ہیں اس کے باوجود تم ان کے بارے میں ایسی بات کہہ رہے ہو؟"

"میں نے کچھ غلط نہیں کہا گورنر بہادر" فرید خاں کا باپ کی طرف سے دل جلا ہوا تھا۔ اس کے منہ سے الفاظ بھی جلے ہوئے نکل رہے تھے۔ "مجھے باپ نے سہرام سے ذلیل کر کے نکالا تھا۔ اگر آپ سہارا نہ دیتے تو میں پتہ نہیں کہاں کہاں دربدر ہوتا رہتا" گورنر نے فرید کو ٹٹولا۔ "مگر فرید خاں۔ تم نے ہم سے فوج میں ملازمت کی درخواست کی تھی اور ہم نے تمہیں ملازمت نہیں دی تھی۔ تمہیں غصہ تو بہت آیا ہو گا اس وقت؟"

فرید خاں نے سوچ کے کہا "جی ہاں گورنر بہادر۔ مجھے غصہ آیا تھا مگر میں جونپور میں ہر شرط پر رہنے پر تیار تھا پھر جب آپ نے میرے رہنے اور کھانے کا انتظام کر دیا تو مجھے بہت خوشی ہوئی"۔

"سنو فرید خاں"۔ گورنر نے متانت سے کہا۔ "تمہارا باپ سہرام سے تمہیں لینے کے لیے آیا اور امیں نے تمہیں اس کے ساتھ بھیجنے کا فیصلہ کر لیا ہے"۔

"مگر گورنر بہادر——" فرید خاں نے احتجاج کیا۔ "سہرام میں میری تعلیم مکمل نہیں ہو سکتی مجھے کچھ سال اور یہاں رہنے دیا جائے"۔

"میں کوئی بات سننے کو تیار نہیں"۔ گورنر جمال خاں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"تمہیں سہرام واپس جانا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ تم کیسے نہیں جاتے ہو؟"

"مگر میری تعلیم——"

"کیسی تعلیم؟" گورنر نے سخت لہجہ میں کہا۔ "تم کونسی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہو؟"

فرید خاں نے سنبھل کے جواب دیا۔ "گورنر بہادر۔ فارسی زبان پر مجھے عبور حاصل نہیں اس کے علاوہ میں عربی، تاریخ اور فلسفہ بھی پڑھنا چاہتا ہوں"۔

"فرید خاں——" گورنر جمال خاں نے اپنے الفاظ پر زور دے کے کہا۔ "کیا تم یہ

سمجھتے ہو کہ ہم تمہارے قیام و طعام کا انتظام کر کے تمہاری طرف سے غافل ہو گئے۔ ایسا سمجھنا تمہاری غلطی ہو گی ہمیں معلوم ہے کہ سکندر نامہ۔ گلستان اور بوستان تمہیں از بر ہیں۔ عربی میں تم معقول استعداد پیدا کر چکے ہو اخلاقیات کا خاموش درس تمہیں بزرگ شیخ بہاؤ الدین جونپوری کے دربار سے حاصل ہوتا ہے"۔ گورنر جمال خاں بول رہا تھا اور فرید خاں کا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا۔ دراصل گورنر نے روز اول ہی سے ایک آدمی فرید خاں کی نگرانی پر مقرر کر دیا تھا جو گورنر کو فرید خاں کے اقدامات اور سرگرمیوں سے ہر ہفتہ آگاہ کرتا رہتا تھا یہ تمام اطلاعات اس آدمی کی مہیا کردہ تھیں جو فرید خاں کی نگرانی پر مامور تھا۔

گورنر جمال خاں نے فرید خاں کا حیرت سے کھلا منہ دیکھا تو مسکرا کے بولا۔

"حیران ہونے کی ضرورت نہیں فرید خاں ہمیں تو یہ بھی معلوم ہے کہ تم خفیہ طور پر فوجی مشقوں کو بھی دیکھنے جاتے رہتے تھے اور تم نے تمام موجودہ اسلحہ کا استعمال اپنے ذرائع سے سیکھ لیا ہے"۔

اب تو فرید خاں کا سر جھک گیا۔ گورنر جمال خاں اب بھی بول رہا تھا۔

"ہم جانتے ہیں کہ بزرگ شیخ بہاؤ الدین جونپوری تمہیں اپنا بیٹا سمجھتے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے کسی وجہ سے تمہیں اپنا مرید نہیں بنایا لیکن تم نے ان کی صحبت میں بیٹھ کے تصوف کے تمام رازوں سے واقفیت حاصل کر لی ہے۔ جونپور کے عربی اور فارسی کے حلقوں میں تمہیں قدر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور تم اس کے باوجود اپنی تعلیم کو نا مکمل کہتے ہو"۔

فرید خاں کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

گورنر نے خود ہی کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تمہارے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہیں اس لیے ہمارا فیصلہ اپنی جگہ اٹل ہے۔ تم سہرام واپس جاؤ گے اور اپنی جاگیر کو ایک چھوٹی سی ریاست سمجھتے ہوئے اس کے بہتر انتظام و انصرام کی کوشش کرو گے فرید خاں ہمیں امید ہے کہ تم مستقبل کے ایک ہونہار جوان ہو گے اور اپنی افغان قوم کو مایوس نہیں کرو گے"۔

اس کے بعد جمال خاں نے اس کے باپ حسن خاں کو بلوایا۔ فرید خاں کو اب بھی باپ سے بے انتہا محبت تھی۔ وہ آگے بڑھ کے باپ کے گلے سے لگ گیا اور شدت جذبات

سے اس کے آنسو نکل آئے گورنر جونپور جمال خاں باپ بیٹے کے اس ملاپ کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا جب باپ بیٹے الگ ہوئے تو گورنر نے حسن خاں کو مخاطب کیا۔

"حسن خاں۔ تم کب واپس جا رہے ہو؟"

حسن خان نے فوراً" جواب دیا۔ "آج اور اسی وقت"۔ پھر اس نے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم میرے ساتھ چلو گے فرید خاں۔ مجھے اپنے پچھلے رویہ پر افسوس ہے۔ امید ہے تم اس کا کچھ خیال نہ کرو گے؟"

"بابا خاں۔ یہ آپ کیا فرما رہے ہیں"۔ فرید خاں نے رقت بھرے لہجے میں کہا۔ "افسوس مجھے ہے کہ میں آپ اور ماں کو خوش نہ رکھ سکا۔ کوشش کروں گا۔ آپ دونوں کو میری ذات سے کوئی شکایت نہ پیدا ہو"۔

گورنر دخل دیتے ہوئے بولا۔ "حسن خاں۔ مجھے امید ہے کہ تم فرید کو جاگیر کے معاملات میں اپنے ساتھ رکھو گے اور اس کی خفتہ صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاؤ گے؟"

"آپ فکر نہ کریں گورنر بہادر-----" حسن خاں نے بڑے جوش سے کہا۔ "میں سہرام پہنچتے ہی سہرام اور خواص پور ٹانڈہ کی جاگیر فرید کے انتظام میں دیدوں گا اور صرف حاجی پور اپنے پاس رکھوں گا"۔

فرید خاں نے عاجزی سے کہا۔

"میری درخواست ہے کہ مجھے کل کے دن اور جونپور میں ٹھہرنے کی اجازت دی جائے۔ کل رات یا پرسوں صبح میں سہرام روانہ ہو جاؤں گا؟"

گورنر جمال خاں اور فرید خاں کے باپ نے کان کھڑے کئے۔ انہیں شبہ ہوا کہ شاہد فرید واپس جانے پر تیار نہیں اور بہانے ڈھونڈ رہا ہے۔

پہلے گورنر نے سوال کیا۔

"فرید ۔ تمہیں جونپور میں ایسا کیا کام ہے جس کے لیے تم دو دن اور یہاں رہنا چاہتے ہو؟"

فرید نے جواب دیا۔ "ایسا اہم کام تو کوئی نہیں مگر میں نے یہاں دو سال سے بھی زیادہ عرصہ گذارا ہے۔ کچھ دوست احباب ہیں ان سے ملنا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے بزرگ شیخ بہاؤ الدین کے دربار میں حاضری دے کر ان سے جانے کی اجازت لینا ہے" حسن خاں کا

شبہ یقین میں بدلنے لگا۔ اس نے کہا۔

"فرید۔ اگر شیخ نے تمہیں اجازت نہ دی تو کیا تم نہیں جاؤ گے؟"

فرید خاں نے باپ کو تسلی دی۔ "نہیں بابا۔ ایسی بات نہیں ہے بزرگ شیخ نے تو مجھ سے پہلے ہی دن کہہ دیا تھا کہ فرید تمہیں کھلے میدان میں گھوڑا دوڑانا ہے' دربار کے اس تنگ باڑے میں تمہارا رہنا درست نہیں۔ میں نے بہت خوشامد کر کے ان سے دربار میں حاضری کی اجازت مانگی تھی۔ بزرگ شیخ نے تو مجھے آج تک اپنے مریدوں میں بھی شامل نہیں کیا"۔

بہرحال گورنر جونپور نے اسے اجازت دیدی۔

"ٹھیک ہے تم ایک دو دن میں دوستوں سے مل لو اور دربار عالیہ بھی ہو آؤ اس کے بعد چلے جانا"۔



دوسرے دن جب فرید خاں بزرگ شیخ کے دربار عالیہ میں ملاقات کے لیے پہنچا تو فرید خاں کے تین سال پہلے وہاں آنے کے موقعہ پر جو کھلبلی مچی تھی وہی صورت آج بھی پیش آئی۔ فرید خاں دربار میں دن چڑھے پہنچا تھا بزرگ شیخ کے تقریباً" تمام مرید ان کے سامنے باادب بیٹھے تھے اور بزرگ شیخ بظاہر مراقبے میں دکھائی دے رہے تھے۔ پھر جیسے ہی فرید خاں نے باہر دربار عالیہ کے باڑے میں پہلا قدم رکھا اسی وقت چھپر کے اندر کے حجرے میں کھلبلی پیدا ہو گئی۔ بزرگ شیخ نے مراقبہ سے سر اٹھا کر فرمایا۔

"جاؤ۔۔۔۔ جاؤ۔۔۔۔ کوئی دوڑ کے جاؤ۔ بادشاہ آیا ہے۔ اپنا فرید شاہ آیا ہے۔ اس کا استقبال کرو۔ فرید خاں کا ذکر ایک دن پہلے بھی ہوا تھا اور اس کے سلسلہ میں بزرگ شیخ نے کچھ باتیں بھی کی تھیں اور شیخ کے مرید خاں سے غائبانہ متعارف ہو گئے تھے۔ اس لیے شیخ کی آواز سنتے ہی ان میں سے کئی مرید باہر کی طرف دوڑے۔ شیخ بھی اٹھ کے اندر کے حجرے سے باہر آ گئے۔ اس وقت تک فرید خاں باڑے کے میدان کا نصف فاصلہ طے کر چکا تھا اور شیخ اسے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ فرید خاں کے پاس پہنچے ہوئے ایک مرید نے کہا۔

"بزرگ شیخ نے ہمیں تمہارے استقبال کے لیے بھیجا ہے"۔

دوسرے مرید نے صاف طور پر طنز کیا۔ "اور حکم دیا ہے کہ بادشاہ فرید شاہ کو خوش آمدید کہا جائے"۔

تیسرا مرید جل کے بولا۔ "فرید خاں۔ تم بادشاہ کس ملک کے ہو۔ بادشاہ تمہارے جیسے تو نہیں ہوا کرتے؟"

"فرید خاں نے نرمی سے جواب دیا۔ "یہ سب بزرگ شیخ کی نوازش ہے۔ انہوں نے مجھے فرید شاہ کا خطاب دیا ہے"۔

یہ لوگ بزرگ شیخ کے قریب پہنچ چکے تھے اور شیخ کے کانوں تک آخری سوال اور جواب کی آواز بھی پہنچ گئی تھی۔

شیخ نے آواز دے کر کہا۔ "چھوڑو شاہ فرید کی جان"۔

بزرگ شیخ کی آواز پر مرید ادھر ادھر چھٹ گئے۔ فرید خاں نے قدم بڑھا کر شیخ کو سلام کیا۔ شیخ نے فرید کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مریدوں کو مخاطب کیا۔

"کسی کو اندر نہ آنے دینا۔ ہم فرید سے ضروری بات کر رہے ہیں"۔

مریدوں نے اطاعت میں سر تو ہلا دیا مگر شیخ کے اندر جانے کے بعد اس طرح منہ بنا لئے جیسے انہیں فرید خاں کا آنا اور شیخ کا اس کی اس طرح پذیرائی کرنا' ناگوار گزرا ہو۔

شیخ نے فرید خاں کو سامنے بٹھا لیا پھر پوچھا۔

"فرید ہمیں امید تھی کہ تم واپس جانے سے پہلے ہم سے ملنے ضرور آؤ گے"۔

"فرید نے حیران نظروں سے بزرگ شیخ کو دیکھا۔ "آپ کو کس نے بتایا کہ میں واپس جا رہا ہوں؟"

شیخ نے فرید خاں کا سوال نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارا واپس جانا ہی بہتر ہے اتنے دنوں میں تم نے یہاں کی ہواؤں اور فضاؤں سے جتنا حاصل کیا ہے وہ تمہارے تمام عمر کے لیے کافی ہے مگر ایک بات کا ضرور خیال رکھنا؟"

"فرمایئے حضور۔۔۔۔" فرید خاں نے بڑے ادب سے کہا۔

بزرگ شیخ نے نظریں اوپر اٹھا کر پھوس کی چھت میں نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"خدا تمہاری عمر دراز کرے اور تمہیں بلند مقام عطا فرمائے۔ صرف اتنا خیال رکھنا کہ جب بھی تمہارا ادھر سے گزر ہو تو اس ڈیرے کو ضرور رونق بخشنا ہم اور یہاں کے

دوسرے لوگ تمہارے لئے ہمیشہ دعا گو رہیں گے۔ بادشاہ اور رعایا میں اس وقت تک ربط قائم رہتا ہے جب تک بادشاہ رعیت کے دکھ درد کا خیال رکھے اور عدل سے کام لے۔ ظالموں کو کبھی نہ بخشنا اور کمزوروں کو نظرانداز نہ کرنا۔ بس ہمیں یہی کہنا تھا اور اسی لیے ہم تمہارا انتظار کر رہے تھے"۔

فرید خاں اولیا اللہ اور صوفیائے کرام کے کشف و کرامات کا قائل ضرور تھا مگر اسے ایسی باتوں سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا۔ مگر آج شیخ نے جو گفتگو اس سے کی تھی وہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ اس نے یہی اندازہ لگایا کہ شیخ کو شاید اپنے کشف سے یہ معلوم ہو گیا ہے جونپور کے گورنر بہادر نے اس کے باپ سے سہرام اور خاص پور ٹانڈہ کی جاگیر دینے کی سفارش کی ہے اس لیے شیخ اسے جاگیر کے انتظام کو درست رکھنے کے طریقے بتا رہے ہیں۔

بزرگ شیخ خاموش ہوئے تو فرید خاں نے عرض کیا۔ "بزرگ شیخ۔ دربار عالیہ چھوڑنے کو دل تو نہیں چاہتا مگر والد محترم کی خواہش ہے اور گورنر جونپور کا اصرار ہے کہ سہرام جا کر اپنی جاگیر کا کام سنبھالوں۔ اس لیے مجھے جانا پڑ رہا ہے"۔

شیخ بہاؤ الدین اس سلسلہ میں کوئی گفتگو نہیں کی اور نہ کچھ پوچھا اور پوچھا تو صرف اتنا۔

"کب جانا ہے تمہیں فرید خاں؟"

فرید خاں نے جواب دیا۔ "آج شام والد صاحب واپس جانا چاہتے ہیں"۔

شیخ نے فرید خاں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کہا۔

"تمہیں دوستوں سے بھی تو رخصت ہونا ہو گا؟"

"جی ہاں بزرگ شیخ"۔ فرید خاں نے اقرار کیا۔ "گھڑی دو گھڑی کے لیے ان کے پاس بھی جاؤں گا آخر اتنے دنوں کا یارانہ ہے ان سے"۔

"اتنے دنوں کا یارانہ ہے"۔ شیخ نے زیر لب یہ الفاظ دہرائے پھر بولے۔ "گھڑی دو گھڑی نہیں بلکہ آج کا پورا دن ان کی صحبت میں گزار دو۔ دوست بہت مشکل سے ملتے ہیں فرید خاں مگر دوست بنانے میں ہمیشہ احتیاط رکھنا؟"

جونپور میں فرید خاں کے صرف چار دوست تھے۔ ان میں سے تین گورنر کی فوج میں جزوقتی ملازمت کرتے تھے جزوقتی اور کل وقتی ملازمت کا اس وقت عام رواج تھا۔ مرکزی یا

صوبائی حکومت اخراجات کم کرنے کے لیے کل وقتی (فل ٹائم) فوج کم رکھتی تھی اور جز وقتی (پارٹ ٹائم) فوج کی تعداد کثیر ہوتی تھی۔ کل وقتی فوج' چھاؤنیوں میں رہتی تھی۔ ان فوجیوں کی تنخواہیں بھی معقول ہوتی تھیں اس کے علاوہ دوسری مراعات بھی دی جاتی تھیں۔ جزو وقتی فوج کی تنخواہیں بہت کم ہوتی تھیں انہیں اپنے اپنے گھروں میں رہنے اور کاروبار کرنے یا کسی دوسری قسم کی غیر فوجی ملازمت کرنے کی اجازت ہوتی تھی انہیں ہفتہ میں صرف ایک بار چھاؤنی جا کے فوجی تربیت حاصل کرنی پڑتی تھی۔ فرید خاں کے یہی تین دوست اس کے زیادہ قریب تھے اور انہی کے۔ ساتھ وہ ہفتہ وار فوجی تربیت بھی حاصل کرتا رہا تھا۔ دوستوں کو جب معلوم ہوا کہ فرید خاں دراصل ایک بڑے جاگیردار کا بیٹا ہے اور باپ سے خفا ہو کے جونپور آیا ہے تو وہ اور زیادہ خوش ہوئے اور فرید خاں کو یہ مخلصانہ مشورہ دیا کہ وہ باپ کے ساتھ ضرور جائے اور اپنے جاگیر کے انتظام میں دلچسپی لے کیونکہ جاگیر دراصل ایک چھوٹی سی ریاست ہوتی ہے جو محنت سے ایک بڑی ریاست اور حکومت میں تبدیل ہو سکتی ہے۔

سب سے آخر میں فرید خاں اپنے سب سے پیارے اور بھولے بھالے دوست خانی خان کے پاس پہنچا۔ خانی خاں نے نہ صرف اپنی محبوبہ کو ڈھونڈھ نکالا تھا اور اس سے باقاعدہ شادی کر لی تھی بلکہ دو مزید ڈاکوؤں کو بھی گرفتار کرایا تھا۔ شادی کے بعد خانی خان اپنی سسرال یعنی سرائے میں آ گئے تھے اور چین کی بنسی بجا رہے تھے۔

فرید خاں نے جب خانی خان کو جونپور چھوڑ کے جانے کی اطلاع دی تو وہ دھک سے رہ گیا۔

"نہیں فرید خاں۔ میں اب آپ کو نہیں جانے دوں گا۔ کئی دنوں بعد تو میں نے آپ کو پایا ہے اب پھر کھو دوں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

فرید خاں نے اسے سمجھایا "خانی خان۔ تم ہی تو کہتے تھے کہ فرید خاں تم ایک دن بڑے آدمی بنو گے اور ہزاروں آدمی تمہیں سلام کیا کریں گے اور اب تم اپنی ہی بات کی مخالفت کر رہے ہو۔ اگر میں سہرام واپس نہیں جاؤں گا تو مجھے باپ کی جاگیر میں حصہ نہیں ملے گا اور میں ہمیشہ یونہی جوتیاں چٹخاتا رہوں گا"۔

خانی خان کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔ "فرید خاں اگر آپ مجھ سے ایک وعدہ کریں تو

میں آپ کو جانے کی اجازت دے سکتا ہوں۔

"اچھا بتاؤ تمہاری شرط کیا ہے؟" فرید خاں نے دریافت کیا۔

"شرط یہ ہے"۔ خانی خان اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کے بولا۔ "آپ وعدہ کریں کہ آپ سہرام سے ہر ماہ جونپور آیا کریں گے؟"

فرید خاں کو سوچنا پڑ گیا۔ وہ اپنے دوست سے جھوٹا وعدہ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

آخر فرید خاں نے کہا۔ "دیکھو خانی۔ میں تم سے جھوٹا وعدہ نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ وعدہ ضرور کرتا ہوں کہ سال میں ایک بار ضرورت جونپور آنے کی کوشش کیا کروں گا"۔

"سال بھر-----" خانی خاں جیسے کچھ حساب لگانے لگا۔ پھر بولا--- "فرید خاں"۔ سال کے تو بارہ مہینے ہوتے ہیں۔ اس وقت تک تو وہ مہینہ گزر چکا ہوگا"۔

"کونسا مہینہ؟" فرید خان نے گھبرا کے پوچھا۔ جواب دینے سے پہلے خانی خان، فرید خاں کے ذرا اور قریب آگیا۔ پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور بڑے رازدارانہ انداز میں انکشاف کیا۔

"میری بیوی کہتی ہے کہ میں باپ بننے والا ہوں"۔

فرید خاں اس کی سادگی پر مسکرا دیا۔ اس نے خانی خان کو مطمئن کرنے کے لیے کہا۔

"اچھا میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب تم باپ بنو گے تو میں تم سے ملنے ضرور آؤں گا" خانی خان بہت خوش ہوا۔ پھر فرید خاں چلنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔

"خانی خاں۔ یہ بتاؤ اگر میں نے جاگیر کا کام سنبھال لیا اور مجھے وہاں زیادہ دن رہنا پڑا تو کیا تم میرے پاس آ جاؤ گے؟"

"کیوں نہیں فرید خاں۔ آپ کے لیے جان حاضر ہے"۔ خانی خان نے بڑے خلوص سے کہا۔ "آپ اگر کہیں تو میں اس وقت بھی آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں؟"

"تمہاری محبت کا شکریہ خانی خاں"۔ فرید خاں نے جواب دیا "اگر تم تنہا ہوتے تو میں تمہیں اپنے ساتھ ہی لے جاتا مگر اب تم گھربار والے ہو۔ میں وہاں پہنچ کے حالات دیکھوں گا اور جب تمام انتظامات مکمل ہو جائیں گے تمہیں اور تمہاری بیوی کو اپنے پاس بلا لوں گا"۔

اسی رات فرید خاں، باپ کے ساتھ سہرام روانہ ہوگیا۔ چلتے وقت گورنر جونپور جمال

خاں نے ایک بار پھر حسن کو تنہائی میں سمجھایا۔

"حسن خاں۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہیں قدرت نے فرید خاں جیسا بیٹا عطا کیا ہے۔ اب اس ہیرے کو کوڑے میں مت پھینک دینا۔ تمہارے پورے "سور" قبیلے میں فرید خاں جیسا ذہین، بہادر اور بیدار مغز کوئی دوسرا جوان نہیں ہے۔ تم کچھ دن اسے جاگیر کے کام پر لگائے رکھو پھر جب میں آگرہ جاؤں گا تو تاجدار ہند شہنشاہ ابراہیم لودھی کے سامنے اسے پیش کروں گا۔ کیا عجب کہ شہنشاہ اسے کسی اچھے عہدے کے لیے منتخب کر لے"۔

حسن خاں اس کی باتوں پر سر ہلاتا رہا مگر یہ ضرور ہوا کہ اس بار اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ سہرام پہنچ کے نہ صرف سہرام اور خاص پور ٹانڈہ کی جاگیر فرید خاں کے حوالے کر دے گا بلکہ اگر اس کی نو مسلم بیوی نے اس کی مخالفت کی تو اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے گا۔ چنانچہ تمام راستے وہ اسی ادھیڑبن میں الجھا رہا۔

مگر حسن خان کے سخت رویہ کے باوجود اس کی نو مسلم بیوی کی طرف سے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا سہرام پہنچ کے حسن خاں فرید سے کہہ رہا تھا کہ وہ دوسرے دن اس کے گھر آ جائے اور وہاں اس سے جاگیر کے بارے میں پوری ہدایات حاصل کر لے۔ فرید خاں کو یہ تاکید کر کے جب حسن خاں گھر پہنچا اور اس کی بیوی نے اس کی تیوریوں پر بل دیکھے تو وہ الٹا اس پر برس پڑی۔

"یہ تیوریوں پر بل کیوں پڑے ہیں۔ کیا سکھا پڑھا کے بھیجا ہے بیٹے نے؟"

حسن خاں نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"بیٹا کیا سکھائے پڑھائے گا۔ سہرام کی جاگیر نکل رہی ہے ہمارے ہاتھ سے"۔

"کیوں ۔ جاگیر کیوں نکل رہی ہے"۔ چاندنی تڑا کے بولی۔ "جاگیر ہمیں شہنشاہ نے دی ہے۔ کون نکال سکتا ہے تم سے جاگیر؟"

حسن خان نے نرمی سے کہا۔

"جاگیر بے شک شہنشاہ نے دی ہے مگر سفارش جونپور کے گورنر جمال خاں نے کی تھی۔ اب وہ ناراض ہو گیا ہے"۔

"کیوں ناراض ہو گیا ہے وہ؟" چاندنی نے یوں سوال کیا جیسے حسن خاں یا گورنر جونپور اس کے نوکر ہیں۔

حسن خان نے پھر بھی ضبط سے کام لیا اور لہجہ نرم ہی رکھا۔

"سہرام کے پرچہ نویس نے گورنر کو رپورٹ دی ہے کہ جاگیر کا انتظام روز بروز خراب ہوتا جا رہا ہے اور جاگیردار کئی کئی مہینے جاگیر کی گشت پر بھی نہیں آتے"۔

"تو پھر جایا کرو جاگیر کی دیکھ بھال کو میں نے روکا ہے تمہیں" چاندنی کا لہجہ پہلے سے زیادہ تلخ ہو گیا۔

"جاؤں گا تو جب' جب جاگیر بچے گی"۔ حسن خاں نے بیوی کو ڈرانے کے لیے کہا۔

"سہرام اور خاص پور ٹانڈہ چھن گیا ہے ہم سے"۔

اب تو چاندنی بیٹھے سے کھڑی ہو گئی۔ "کیسے چھن گیا ہے ہم سے۔ تم چپ چاپ قبضہ نہ دے دینا کسی کو۔ میں اپنے بچوں کو آگرہ لے کر جاؤں گی شہنشاہ کے پاس فریاد لے کے"۔

ان دنوں آگرہ دارالسلطنت تھا اور دہلی چھوٹا دارالسلطنت تھا جہاں ایک گورنر رہتا تھا۔ شہنشاہ آگرہ ہی میں رہا کرتا تھا۔ چنانچہ شہنشاہ ابراہیم لودھی اس وقت آگرہ ہی میں جب بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ حسن خان نے ذرا سخت ہوتے ہوئے کہا۔

"فریاد کیا کرو گی۔ سہرام اور خواص پور مجھ سے چھین کے تمہارے بیٹے کو دیدیا گیا ہے"۔

چاندنی نے حسن خاں کو چونک کے دیکھا۔ "کیا کہا۔ میرے بیٹے کو سہرام اور خواص پور کی جاگیر دی گئی ہے۔ یہ تو بہت ہی اچھا ہوا"۔

چاندنی نے وہیں سے آواز لگائی۔ "ارے سلیمان۔ احمد کہاں ہو تم۔ ادھر آؤ تمہیں شہنشاہ نے جاگیر دی ہے" اور سلیمان خاں اور احمد خاں دوڑتے ہوئے ماں کے پاس پہنچ گئے۔ چاندنی تھی کہ پھولے نہ سما رہی تھی۔ اب حسن خان نے کڑک کر کہا۔

"زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ سہرام اور خواص پور تیرے بیٹوں کو نہیں۔ میرے بیٹے کو دیے گئے ہیں۔ سمجھی کہ نہیں"۔

کیا کہہ رہے ہو میرے بیٹوں کے ہوتے ہوئے تیرا بیٹا جاگیر پر کیسے قبضہ کر سکتا ہے۔ میں اس کا خون نہ پی لوں گی"۔

"او کم ظرف زبان سنبھال کے بات کر ورنہ منہ توڑ دوں گا" حسن خاں واقعی پٹھان

بن گیا۔ "کان کھول کے سن لے۔ سہرام اور خواص پور ٹانڈہ کے علاقے فرید خاں کو منتقل ہو گئے ہیں۔ یہ شاہی حکم ہے کل فرید جاگیر کے معاملات پر گفتگو کرنے میرے پاس آئے گا"۔

"کون فرید خاں؟" چاندنی کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کے بولی۔ "اس نے اس دہلیز پر قدم رکھا تو میں اس کی ٹانگیں توڑ دوں گی آ کے وہ دیکھے تو یہاں"

حسن خان نے چیخ کے کہا۔ "وہ آئے گا اور ضرور آئے گا۔ تو نے ذرا بھی گڑ بڑ کی تو چٹیا پکڑ کے حویلی سے باہر کر دوں گا"۔



چاندنی اور حسن خان میں تمام رات لڑائی ہوتی رہی۔

پھر چاندنی نے اپنا آخری حربہ استعمال کیا اور اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے بیٹھ گئی اس کا خیال تھا کہ حسن خان اس سے ایک رات بھی الگ نہیں رہ سکتا اس کی خوشامد کرے گا اور اس کے مطالبہ کے آگے سر جھکا دے گا مگر دو گھنٹے گزرنے کے بعد بھی حسن خان نے کمرے کے دروازے پر دستک نہیں دی تو چاندنی کا دل گھٹنے لگا۔

اس نے روتے ہوئے اپنے بڑے بیٹے سلیمان خان سے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے فرید خاں کا جادو باپ پر چل گیا ہے۔ جب ہی وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا ہے؟"

سلیمان خان ضدی تھا مگر اسے کچھ عقل بھی تھی اس نے ماں کو سمجھایا۔ "ماں۔ تم نے مجھے ایک مثل سنائی تھی۔ وہ اس وقت بہت یاد آ رہی ہے۔

"بھاڑ میں جائے تیری مثل" چاندنی غصہ سے بولی۔ میری جان پر بنی ہوئی ہے پوری جاگیر نکلی جا رہی ہے ہاتھ سے اور تجھے اس وقت مثل سنانے کی پڑی ہے"۔

سلیمان خان نے جواب دیا۔ "ماں۔ وہ مثل ہمارے حالات پر پوری اترتی ہے۔ اس لیے مجھے یاد آ رہی ہے۔ اگر تم وہ مثل سن لو تو مجھ پر مہربانی ہو گی۔ شائد تمہاری سمجھ میں کوئی ایسی بات آ جائے جس سے ہماری قسمت پلٹ جائے اور جاگیر واپس آنے کی صورت پیدا ہو جائے؟"

چاندنی نے پہلے بیٹے کا منہ دیکھا پھر پوچھا۔ "اچھا بتا۔ کون سی مثل سنانا چاہتا ہے اور اس کا ہماری مصیبت سے کیا واسطہ ہے؟"

سلیمان نے بڑی سنجدگی سے کہا۔ "ہاں۔ تم نے مجھے یہ مثل سنائی تھی کہ "آدھی چھوڑ پوری کے پیچھے بھاگے۔ آدھی ملے نہ پوری" باباہمیں حاجی پور کا علاقہ دے رہے ہیں اور فرید خاں کو سہرام اور خواص پور ٹانڈا دیا جا رہا ہے۔ اس وقت بابا بہت غصہ میں ہے اس لیے میرا خیال یہ ہے کہ ماں تم حاجی پور لینا قبول کر لو عقلمندی یہی ہے۔ بابا تو ہمارے ہی پاس رہیں گے۔ موقعہ محل دیکھ کے ان سے باقی جاگیر بھی مانگ لینا"۔

چاندنی نے بڑی حیران نظروں سے سلیمان کو دیکھا۔ "ارے تو اتنا عقلمند ہے سلیمان۔ مجھے تو یہ معلوم ہی نہیں تھا"۔

اس کے بعد چاندنی کے ہاتھ پیروں میں جیسے بجلیاں دوڑ گئیں۔ اس نے سلیمان اور دوسرے بیٹے احمد کو ان کے کمروں میں بھیج دیا اور خود کمرے سے نکل کے شوہر کے پاس پہنچی حسن خاں بیٹھک میں پڑا تھا۔

"سنتے ہو خان جی۔۔۔۔" چاندنی نے بڑے پیار سے کہا۔

حسن خان کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا۔ اس نے بغیر منہ سے کپڑا ہٹائے پوچھا۔

"کون ہے؟"

چاندنی نے اٹھلا کے کہا۔

"اور کون ہو سکتا ہے۔ اٹھو کمرے میں چلو"۔

حسن خاں کسمسا کے اٹھے اور بولے۔

"چلتا تو ہوں مگر اپنے فیصلے کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سنوں گا"۔

چاندنی نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کے کہا۔

"چلو۔ کیا ہوا۔ تم میری ہزار باتیں مان جاتے ہو مگر اگر تمہاری ایک مان لوں گی تو میری عزت میں۔ بٹہ لگ جائے گا۔ چاہے سہرام میں رہوں چاہے حاجی پور میں، کہلاؤں گی تو جاگیردارنی ہی"۔

چاندنی کی محبت بھری باتوں نے حسن خان کا سارا غصہ ٹھنڈا کر دیا۔ بڑے پیار سے بولے۔

"چاندنی اگر تو ایسی ہی پیار بھری باتیں کیا کرے تو یہ روز دنگا فساد کیوں ہو؟"

دوسرے دن حسن خاں نے فرید خاں کو اپنے گھر بلانے کے بجائے خود اس کی رہائش گاہ پر گئے اور خوشخبری سنائی۔ "تمہاری چھوٹی ماں ذرا غصہ کی تیز ہے مگر ہے بڑی محبت کرنے والی۔ اس نے سہرام اور خواص پور ٹانڈہ تمہیں دینے پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ یہ بھی کہا ہے کہ وہ حاجی پور چلی جائے گی دور دور رہنے سے محبت بڑھتی ہے نا"۔

فرید خاں کو اس خبر پر تعجب ضرور ہوا مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ایک ہفتہ کے اندر اندر حسن خان اپنی چاہیتی بیوی اور اس کے دونوں بیٹوں کے ساتھ حاجی پور منتقل ہو گئے اور سہرام اور خواص پور ٹانڈہ کا انتظام فرید خاں کے سپرد ہو گیا۔



کہتے ہیں کہ خواص پور کا پرانا نام کالی پور تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا پرگنہ تھا مگر یہاں کے پرگنہ دار یعنی ضلعدار کو سرکار دہلی کی طرف سے راجہ کا خطاب ملا ہوا تھا اور وہ راجہ کالی پور کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ پھر سلطان بہلول لودھی کے زمانہ میں یہ راجواڑہ ختم کر دیا گیا اس کا نام کالی پور سے خواص پور رکھ دیا گا اور اسے ٹانڈہ کے ساتھ ملحق کر دیا گیا۔

کالی پور کا پرگنہ تو ختم ہو گیا وہاں کے حاکم کو جو خطاب سرکار دہلی سے ملا تھا وہ برقرار رہا اور فرید خاں کے زمانہ میں بھی راجہ کا یہ خاندان خواص پور ٹانڈہ میں آباد تھا۔ اس کے موجودہ راجہ کا نام راجہ سکھ دیو تھا۔ جس طرح شاہی خاندان کے تمام بچے شہزادے پکارے جاتے ہیں اسی طرح راجہ خاندان کے لڑکے راجکمار کہلاتے تھے۔

راجہ سکھ دیو کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ صرف ایک بیٹی تھی جس کا نام راجکماری نلنی تھا۔ راجہ کے چھوٹے بھائی کے ایک لڑکا تھا جو راجکمار اردن کہلاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ راجہ سکھ دیو نے راجکماری نلنی کے پیدا ہوتے ہی اس کا رشتہ چھوٹے بھائی کے لڑکے اردن سے کر دیا تھا۔ راجکماری اور راجکمار ایک ساتھ کھیل کود کے جوان ہوئے تھے۔ چوبیس گھنٹے کی میل ملاقات یوں بھی ذہنی ہم آہنگی پیدا کر دیتی ہے پھر جب ان دونوں کو سن شعور کو پہنچتے ہی یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے جیون ساتھی بننے والے ہیں تو پھر ان میں تو محبت پیدا ہونا فطری اور لازمی تھا۔

دونوں کے میل جول پر کوئی روک ٹوک نہ تھی راجکمار اور راجکماری دن بھر ایک ساتھ گذارتے تھے مگر ادھر کچھ دنوں سے ان دونوں محبت بھرے دلوں پر سخت پابندی لگا دی گئی تھی یہ پابندی ایک طرف سے نہیں بلکہ دونوں طرف سے تھی۔ راجہ سکھ دیو اور اس کے چھوٹے بھائی کے درمیان تو کچھ زیادہ اختلاف نہ تھا مگر ان دونوں کی بیویوں میں جو دیورانی ' جٹھانی تھیں' ایسی عداوت تھی کہ ایک دوسرے کو دیکھ کے منہ پھیرلیتی تھیں۔

ایک دن اردن کی ماں نے اسے حکم دیا۔ "اردن۔ اب تمہارا نلنی سے ملنا درست نہیں"۔

اردن ہنسا۔ "رانی ماں۔ نلنی سے نہیں ملوں گا تو کیا گھر کی داسیوں اور لونڈیوں سے ملوں گا"۔

رانی نے اسے گھور کے دیکھا۔ "بس میں نے کہہ دیا"۔

"آخر کوئی وجہ بھی تو ہو؟" اردن نے احتجاج کیا۔

"وجہ یہ ہے کہ میں منع کر رہی ہوں" رانی نے منہ بنایا۔

اردن نے ماں کے حکم کا باپ سے شکوہ کیا۔ "پتا جی۔ رانی ماں نے حکم دیا ہے کہ میں نلنی سے ملنا جلنا چھوڑ دوں؟"

"تو پھر چھوڑ دو"۔ باپ نے مختصر سا جواب دیا۔

"مگر کیوں؟" اردن نے وہاں بھی احتجاج کیا۔

"اس لیے تمہاری ماتا نے منع کیا ہے اور ان کے حکم میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ پتا نے یہ کہہ کے اپنا دامن بچا لیا۔

اردن تن تناتا ہوا سیدھا نلنی کے پاس پہنچا۔ دونوں کے مکان ملے ہوئے تھے۔ پشت پر ایک وسیع اور عریض باغ تھا۔ یہ باغ اردن اور نلنی کی محبت کا شاہد تھا۔ جس طرح وہ ایک دوسرے کو چاہتے تھے اسی طرح انہیں باغ کے چپے چپے اور بوٹے بوٹے سے بھی پیار تھا۔ ان کی بچپن کی محبت اب دیوانگی کی حد تک پہنچ چکی تھی۔

اردن باغ کے اس گوشے میں پہنچا جہاں بیٹھ کے وہ دونوں دنیا بھر کی باتیں کیا کرتے تھے' وہاں نلنی پہلے سے موجود تھی کچھ گھبرائی گھبرائی۔ پریشان پریشان اردن جو کہنے آیا تھا وہ تو بھول گیا اسے نلنی کی فکر پڑ گئی۔

"تمہیں کیا ہوا نلنی۔ یہ چہرہ اتنا اترا ہوا کیوں ہے" اردن نے بے چینی سے سوال کیا۔

"بات ہی ایسی ہے" نلنی نے ٹھنڈی سانس لی۔ "مگر تمہارے منہ پر بھی تو ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ مجھ سے زیادہ تو تم پریشان دکھائی دے رہے ہو؟"

"ادھر بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے نلنی"۔ اردن نے خود کو سنبھالتے ہوئے جواب دیا

"جلدی بتاؤ تمہیں کیا ہوا ہے؟"

"یہی سوال میں تم سے کرتی ہوں"۔ نلنی نے جیسے سسکی بھری۔ پہلے تم بتاؤ پھر میں بتاؤں گی"۔

"اچھا تو پہلے میں ہی بتاتا ہوں" اردن نے سنبھل کے کہا "ماتا جی نے حکم دیا ہے کہ نلنی سے ملنا جلنا بند کر دو"۔

"اچھا۔۔۔" نلنی نے اسے حیران نظروں سے دیکھا۔ "یہی بات تو مجھے پتا جی نے کہی ہے وہ کہتے ہیں کہ بیٹی تم جوان ہو گئی ہو اردن سے اس طرح ملنا جلنا ٹھیک نہیں"۔

"اچھا تو یہ بات ہے"۔ اردن نے سر ہلایا۔ "مجھے دو تین دن سے شبہ ہو رہا تھا کہ ماتا جی کا منہ کچھ پھولا پھولا ہے۔ ان کی تمہاری ماتا سے ضرور لڑائی ہوئی ہو گی۔ جبھی یہ حکم دیا گیا ہے۔

نلنی نے تائید کی "تم ٹھیک کہہ رہے ہو اردن ایسا ہی ہوا ہو گا۔ جب بھی ماتا جی' چاچی سے لڑتی ہیں تو دو چار دن ان کا ضرور مزاج چڑ چڑا رہتا ہے اور الٹی سیدھی باتیں کرتی ہیں"

"ہوں۔ تو پھر کیا ارادہ ہے تمہارا؟" اردن نے تن کے کہا۔

"کیسا ارادہ؟" نلنی نے پوچھا۔

"یہی کہ کیا ملنا چھوڑ دو گی تم؟"

"ہرگز نہیں۔ وہ دونوں اپنی لڑائی میں ہمیں کیوں گھسیٹتی ہیں"۔

راجکمار اردن کا دل بڑھ گیا۔ خوش ہو کے بولا۔

"یہ بات ہوئی نا۔ میں بھی ملنا نہیں چھوڑوں گا"۔

نلنی نے تجویز پیش کی۔ "آؤ۔ ہم دونوں قسم کھائیں کہ ہم ایک دوسرے کو نہیں

چھوڑیں گے؟"

اتنے میں نلنی کی ایک نوکرانی ہانپتی کانپتی آئی۔ "بیٹا جی۔ بیٹا جی۔ جلدی چلو۔ رانی جی تمہیں پوچھ رہی ہیں"۔

نلنی جو اس کے آنے سے ہی پریشان ہو گئی تھی۔ اب اور زیادہ گھبرا گئی اور دوپٹہ سنبھالتی نوکرانی کے آگے چلنے لگی۔

اردن نے جلدی سے کہا۔ "ارے رے۔ کہاں جا رہی ہو۔ آؤ پہلے قسم کھا لیں پھر چلی جانا"۔

نلنی نے چلتے چلتے جواب دیا "ابھی نہیں اردن۔ تھوڑی دیر بعد پھر آؤں گی"۔

نلنی ماں کے پاس پہنچی تو اس نے لتے لینا شروع کر دیئے۔

"میں نے تمہیں کسی بات سے منع کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"جی------ جی ہاں------" نلنی کا سانس پھولنے لگا۔

ماں نے ڈانٹ پلائی۔ "پھر تم کیوں گئی تھیں اردن کے پاس؟"

"میں کب گئی تھی ماتا جی۔ وہ خود آ گیا تھا۔" نلنی صاف مکر گئی۔

"کان کھول کے سن لو آج"۔ ماں نے کہا۔ "تمہارے باپ نے کہہ دیا ہے کہ تمہاری اور اردن کی شادی نہیں ہو گی"۔

نلنی چڑ گئی۔ "ماتا جی۔ یہ کیوں نہیں کہتیں کہ آپ نہیں چاہتیں"۔

"ماتا جی بھی اکڑ گئیں۔ "ٹھیک ہے۔ میں نہیں چاہتی۔ سو بار نہیں چاہتی بس کہہ دیا ہے اس سے نہیں ملنا ہے"۔

نلنی سر جھکائے بڑبڑاتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

پھر دیورانی جٹھانی میں اختلاف اس قدر بڑھ گیا کہ نلنی اور اردن کا ملنا جلنا بہت مشکل ہو گیا۔ دونوں کی مائیں تاک لگائے رکھتیں۔ خاص کر نلنی کی ماں نے تو جیسے تمام کام کاج چھوڑ دیا تھا۔ وہ دن بھر نلنی کے پیچھے لگی رہتی۔ اس غریب نے تنگ آ کے کمرے سے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔

دوسری طرف اردن کا اور زیادہ برا حال تھا وہ تمام دن باغ کے گوشے میں بیٹھا نلنی کا انتظار کرتا رہتا اور رات گئے مضمحل قدموں سے گھر واپس جاتا۔ اب ان کی ملاقاتیں اور

باتیں نوکرانیوں کے ذریعہ ہوتی تھیں۔

پھر ایک شام ایسا ہوا کہ جب راجہ سکھ دیو گھر کے اندر بیٹھے بیوی کی جلی کٹی سن رہے تھے اور بیوی ایک زبان میں اردن کو سوسو صلواتیں سنا رہی تھیں کہ لونڈی نے آ کے راجہ کو اطلاع دی۔

"جاگیردار کے بیٹے آئے ہیں"۔

اس خبر پر دونوں چونک پڑے۔ پہلے تو انہوں نے حیران نظروں سے لونڈی کو دیکھا پھر راجہ نے دریافت کیا۔

"کیا جاگیردار حسن خاں کے بیٹے فرید خاں آئے ہیں"۔

لونڈی نے جواب دیا۔ "راجہ بہادر۔ میں نہیں جانتی وہ کون ہیں۔ آپ چل کے دیکھ لیجئے۔ مجھ سے تو انہوں نے یہی کہا کہ وہ جاگیردار کے بیٹے ہیں"۔

"میں دیکھتا ہوں" اور راجہ سکھ دیو پگڑی سنبھالتا باہر کی طرف چلا۔

سکھ دیو باہر پہنچا تو ایک گرانڈیل جوان کو کھڑے دیکھا۔

"میرا نام سلیمان خاں ہے۔ میں جاگیردار حسن خاں کا بیٹا ہوں"۔ نوجوان نے خود ہی اپنا تعارف کرایا۔

راجہ سکھ دیو کے دل میں چاہے کچھ ہو مگر حسن خاں جاگیردار کا نام سن کے اس کی باچھیں کھل گئیں۔

"آیئے شہزادے بہادر آیئے۔ جاگیردار صاحب تو ہمارے مائی باپ ہیں۔ ہم تو آپ کے غلام ہیں۔

یہ کہتے ہوئے راجہ سلیمان کو سجے سجائے مہمان خانہ میں ۔ یا۔ پرگنہ چھن جانے کے بعد بھی راجہ کے بڑے ٹھاٹ باٹ تھے۔ اس کا مہمان خانہ حسن خاں کے مہمان خانہ سے زیادہ آراستہ پیراستہ تھا ہر چیز نہ صرف سلیقے سے سجائی گئی تھی بلکہ وہ قیمتی اور دل آویز بھی تھی۔

مہمان کو مہمان خانہ میں چھوڑ کے راجہ اندر کی طرف بھاگا۔

"ارے سنتی ہو نلنی کی ماتا۔ اس نے ٹھیک کہا تھا۔ واقعی جاگیردار کا بیٹا آیا ہے۔ مگر یہ آیا کیوں ہے۔ مالکوں کا رعایا کے گھر آنا خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ ضرور کوئی بات

ہوئی ہے"۔

نلنی کی ماں بھی گھبرا گئی۔ "مہمان کو وہاں چھوڑ کے تم اندر کیوں آ گئے کیا سوچتے ہوں گے وہ؟"

راجہ سکھ دیو گھبرا کے بولا "میں ایک تو تمہیں اطلاع دینے آیا تھا اور یہ پوچھنے بھی آیا تھا کہ شہزادے بہادر کی کس طرح خاطرمدارات کی جائے"۔

"وہ میں سب کچھ کر لوں گی" نلنی کی ماں نے کہا "تم جاؤ ان کے پاس دیکھو وہ کیا کہتے ہیں اور کیوں آئے ہیں؟"

"ہاں۔ ہاں۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو" راجہ دھوتی سنبھالتا باہر کی طرف چلا۔ "مجھے شہزادے سے پوچھنا ہے کہ وہ----- وہ تشریف کیوں لائے ہیں"۔

راجہ سکھ دیو آدھے صحن میں پہنچے تھے کہ انہیں دوسری طرف سے آتی ہوئی نلنی ملی۔ وہ تیز قدم اٹھاتی اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتی آ رہی تھی۔ وہ باپ کے قریب پہنچی تو غصہ سے بولی۔

"بابا۔ یہ بیٹھک میں کون بدتمیز بیٹھا ہے-----"

راجہ سکھ دیو نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"چپ ہو جا۔ وہ ہمارے ان داتا کا بیٹا ہے۔ خواص پور کے جاگیردار کا بیٹا۔ زبان میں لگام رکھ"۔

نلنی کا غصہ کم نہ ہوا تھا۔ اس نے ذرا آواز دبا کے کہا "شہزادہ ہو یا بادشاہ مگر ہے بڑا بدتمیز میں نے بیٹھک میں جھانک کے دیکھا تو مجھے دیکھ کے بولا اندر آجاؤ کیسا کمینہ ہے۔ غیر لڑکیوں سے اس طرح بات کرتے ہیں؟"

"اچھا۔ اچھا۔ تو اندر جا"۔ راجہ سکھ دیو نے اسے ہاتھ سے دھکیلا۔ "بس زبان چلتی ہے تیری قینچی کی طرح"۔

راجہ سکھ دیو مہمان خانہ کی طرف چلے اور نلنی اسی طرح بڑبڑاتی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ وہ جب گھر میں داخل ہوئی تو اس نے مہمان خانہ میں روشنی دیکھی اور یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کون مہمان آیا ہے اس نے مہمان خانہ میں جھانکا وہاں سلیمان خان بیٹھا تھا اس نے ایک خوبصورت لڑکی کو جھانکتے دیکھا تو مسکرا کر بولا۔

"آؤ----- اندر چلی آؤ؟"

اس پر نلنی کو غصہ آ گیا مگر اس نے باپ سے شکایت کی تو اس پر الٹی ڈانٹ پڑ گئی

راجہ سکھ دیو مہمان خانہ میں واپس پہنچا تو سلیمان خان نے فوراً" سوال کیا۔

"یہ لڑکی جو ابھی اندر جھانک رہی تھی، کون تھی؟"

"وہ----- وہ------ میری پتری تھی راجکماری نلنی"۔ راجہ نے اٹک اٹک کے بتایا راجہ کو شہزادے کے اس انداز پر غصہ تو بہت آیا مگر وہ جاگیردار کے بیٹے سے بگاڑنا بھی نہیں چاہتا تھا اس لیے چپ ہو گیا۔

ذرا دیر دونوں طرف خاموشی رہی پھر راجہ نے پوچھا۔

"شہزادے بہادر۔ میرے لیے کیا حکم ہے۔ آپ نے کس طرح زحمت کی یہاں آنے کی؟"

شہزادہ سلیمان جھانکنے والی لڑکی کے خیالوں میں الجھا ہوا تھا۔ اس کی نظریں بچپن ہی میں ادھرادھر بھٹکتی تھیں اور ہر اچھی صورت کو وہ فوراً" اپنے دل میں بسا لیتا تھا۔ نلنی کو دیکھا تو ہزار جان سے فریفتہ ہو گیا پھر جب اسے معلوم ہوا کہ وہ راجہ سکھ دیو کی بیٹی ہے تو وہ سوچ میں پڑ گیا راجہ کے سوال پر چونک کے بولا۔

"بس یونہی آ گیا تھا۔ کیا میرا آنا آپ کو ناگوار معلوم ہوا؟"

"نہیں نہیں۔ آپ کا گھر ہے"۔ راجہ گھبرا گیا۔ "آپ جب چاہیں چلے آئیں۔ مجھے تو خوشی ہو گی آپ کے آنے سے"۔

شاید سلیمان خان کو یہ احساس ہو گیا کہ وہ کیسے حماقت انگیز گفتگو کر رہا ہے۔ چنانچہ اس نے اصل بات کا اظہار کیا۔

"راجہ صاحب میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ کو یہ اطلاع دوں کہ میرے بابا جان یعنی جاگیردار حسن خاں آپ سے ایک اہم معاملہ میں کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں"۔ اتنا کہہ کر سلیمان خان خاموش ہو گیا۔

راجہ سکھ دیو نے تھوڑی دیر انتظار کیا مگر جب شہزادہ خاموش رہا تو اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا "میں جاگیردار صاحب کا غلام ہوں۔ فرمایئے میرے لئے کیا حکم ہے؟" سلیمان خاں نے راجہ کو دوست بنانے کے لیے کہا۔

"راجہ صاحب۔ آپ کے لیے حکم کوئی نہیں ہے بلکہ کہنا یہ ہے کہ آپ اگلے جمعہ کو بابا جان سے ملنے حاجی پور آ جائیے"۔

"حاجی پور"۔ راجہ نے دہرایا۔ "ٹھیک ہے میں حاضر ہو جاؤں گا"۔

سلیمان خان نے راجہ کو تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"راجہ صاحب ۔ آپ حاجی پور کے نام پر چونک پڑے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم لوگ سہرام سے حاجی پور منتقل ہو گئے ہیں؟"

"شہزادے بہادر بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں"۔ چالاک سکھ دیو نے اپنا پہلو بچایا۔ "حاجی پور' خواص پور' سہرام ٹانڈہ سب ہی آپ کے علاقے ہیں۔ میں جمعہ کو ضرور حاجی پور پہنچ جاؤں گا۔ آپ بالکل اطمینان رکھئے اور میری طرف سے جاگیردار صاحب کی خدمت میں سلام پیش کیجئے گا"۔

بات ہی پلٹ گئی تھی ۔ سکھ دیو کو ایک ایک بات کا علم تھا مگر وہ اس طرح انجان بن گیا جیسے اسے کچھ خبر ہی نہیں۔ سلیمان خاں کو یقین ہو گیا کہ راجہ کو کسی تبدیلی کا علم نہیں ہے اس لیے اس نے اس سلسلہ کو چھیڑنا مناسب نہ خیال کیا۔

سلیمان خاں اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔ "اب میں چل رہا ہوں مگر ایک بات کا اور خیال رہے-----"

اس وقت ایک لونڈی ایک بڑا تھال لئے مہمان خانے میں داخل ہوئی۔ تھال میں خشک میوے الگ الگ رکھے تھے اور چاندی کے جگ میں دودھ کا شربت اور چاندی ہی کے گلاس رکھے تھے۔

راجہ سکھ دیو نے تکلفاً کہا "شہزادہ بہادر۔ اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ تشریف رکھئے۔ ابھی شربت پیجئے پھر رات کا کھانا کھا کے جائیے گا"۔

نہیں راجہ صاحب۔ میں ذرا جلدی میں ہوں"۔ یہ کہتے ہوئے شہزادہ سلیمان خاں نے خود ہی گلاس میں شربت انڈیلا اور ایک ہی سانس میں پی گیا۔

شربت پینے کے بعد سلیمان خاں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

"راجہ صاحب اس بات کا خیال رکھئے گا کہ میرے یہاں آنے کی کسی کو اطلاع نہ ہونے پائے۔ میں اسی لئے رات کے وقت آیا ہوں"۔

"ٹھیک ہے شہزادے بہادر-----" راجہ کو سلیمان خاں کے حاکموں جیسا لہجہ ناگوار گذرا اور وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

سلیمان خاں نے مہمان خانہ کے دروازے سے قدم نکالتے ہوئے مزید تاکید کی۔

"اور ہاں۔ اپنی بیٹی سے بھی کہہ دیجئے کہ وہ اپنی سہیلیوں کو یہ نہ بتائے کہ شہزادہ سلیمان خاں اس کے گھر آیا تھا"۔

اب تو راجہ سکھ دیو اور بھی جل کے رہ گیا مگر تھوک نگلتے ہوئے بولا۔

"فکر نہ کیجئے شہزادے بہادر۔ حکم کی پوری پوری تعمیل ہو گی"۔

t t t

چاندنی نے حسن خاں سے وقتی طور پر سمجھوتہ کر لیا تھا مگر اب وہ اس فکر میں تھی کہ کسی طرح حسن خاں کا دماغ فرید کی طرف سے پھیرا جائے۔ اس کے لیے اس نے سلیمان خاں اور احمد خاں کو اعتماد میں لے کر یہ انتظام کر دیا کہ "حسن خان" پر چند مسلح آدمیوں کے ذریعہ حملہ کرایا۔ مسلح آدمیوں کا انتظام سلیمان خاں نے حاجی پور کے چند بدمعاشوں کو روپیہ دے کر کیا تھا اور انہیں تاکید کر دی تھی کہ "حسن خاں" جسمانی طور پر کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔ وہ صرف خوفزدہ ہو جائیں۔ چنانچہ یہ حملہ اس قدر منظم طریقہ سے ہوا کہ حسن خاں واقعی اس سے خوفزدہ ہو گیا۔ چاندنی نے اس کے دماغ میں یہ بات ڈالی کہ یہ حملہ اس کے بیٹے فرید خاں نے کرایا ہے تاکہ اس کے مارے جانے کے بعد حاجی پور کا علاقہ بھی اسے مل جائے۔ چاندنی نے اسے یہ بھی مشورہ دیا کہ وہ جونپور کے گورنر کے پاس جا کر فرید کی شکایت کرے اور اس کی اجازت سے فرید خاں کو سہرام اور خواص پور ٹانڈہ سے بے دخل کر دے

حسن خاں بیوی کے ہاتھوں کا کھلونا پہلے ہی بنا ہوا تھا' اس حملہ نے اسے ایسا بدحواس کیا کہ وہ فرید خاں کے خلاف ہو گیا اور اس کی شکایت لے کر جونپور کے گورنر جلال خاں کے پاس پہنچا۔ ادھر حسن خاں جونپور روانہ ہوا اور ادھر چاندنی نے بڑے بیٹے سلیمان خاں کو خواص پور ٹانڈہ بھیج کے راجہ سکھ دیو کو بلوایا اور اس کے سامنے ایک نیا منصوبہ پیش کیا۔

چاندنی نے راجہ سکھ دیو سے کہا "راجہ صاحب۔ آپ یہ تو جانتے ہیں کہ میں جاگیردار حسن خاں کی سب سے زیادہ محبوب بیوی ہوں؟"

"اس میں کیا شبہ ہے جاگیردارنی صاحبہ"۔ راجہ سکھ دیو نے بڑے اعتماد مگر ذرا حیرانی سے کہا۔

چاندنی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس میں تو شبہ نہیں مگر آپ کو اس بات میں ضرور شبہ ہو گا کہ میری ماں آپ کے محل کی ایک معمولی لونڈی تھی اور آپ نے کسی بات پر خفا ہو کر اسے گھر سے نکال دیا تھا؟

راجہ سکھ دیو اک دم گھبرا گیا جاگیردارنی جو کچھ کہہ رہی تھی وہ بالکل ٹھیک تھا مگر وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ یہاں تک کیسے پہنچی پھر اس کی لڑکی جاگیردارنی کیسے بن گئی۔ اس کی اس حیرانی کو چاندنی نے خود دور کر دیا۔

"راجہ سکھ دیو۔ آپ گھبرائیے نہیں۔ میں آپ کی اس بدسلوکی کا بدلہ نہیں لوں گی۔۔۔ آپ کو یہ سن کر تعجب ہو گا کہ جب آپ نے میری ماں کو اپنے محل سے نکالا تو بھگوان کو مجھ پر رحم آ گیا۔ میری ماں آپ کے گھر سے روتی پیٹتی گھر واپس آئی تو میرا باپ گھبرا گیا۔ وہ اس قدر پریشان ہوا کہ میرا ہاتھ پکڑ کر سیدھا حسن خان یعنی جاگیردار حسن خاں کے گھر پہنچا اور اس کی خوشامد کر کے مجھے وہاں چھوڑ گیا۔ اس وقت میری عمر مشکل سے نو دس سال کی تھی پھر دو سال بعد جب میرا رنگ روپ نکھرا تو حسن خاں نے مجھ سے نکاح کر کے اپنی بیوی بنا لیا۔ اب آپ کی سمجھ میں آ گیا کہ میں کون ہوں"

سکھ دیو کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا تھا اور اسے یقین ہو گیا تھا کہ جاگیردارنی اب اسے زندہ نہیں چھوڑے گی اور اس سے ضرور بدلہ لے گی۔ دوسری طرف جاگیردارنی چاندنی راجہ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

آخر چاندنی نے کہا۔ "راجہ سکھ دیو۔ ماتھے سے پسینہ پونچھ ڈالو۔ اگر مجھے تم سے بدلہ لینا ہوتا تو میں چند سپاہی بھیج کے تمہیں خواص پور ہی میں قتل کرا دیتی مگر میں نے تمہیں یہاں اس لیے بلایا ہے کہ تم میرے دوست بن جاؤ اور ایک کام میں میرا ہاتھ بٹاؤ مگر یاد رکھو کہ اگر تم نے مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کی تو میں تمہارے گھر بار ہی کو نہیں بلکہ پورے خاندان کو نیست و نابود کر دوں گی"۔

راجہ سکھ دیو کی آدھی جان تو اسی وقت نکل گئی تھی جب اسے یہ معلوم ہوا کہ جاگیردارنی اس کے گھر کی اس نوکرانی کی بیٹی ہے جسے اس نے ایک رات غصہ میں آ کر بہت مارا تھا اور آدھی رات کے وقت گھر سے نکال دیا تھا۔ اب جو جاگیردارنی نے کہا کہ وہ اس کے خاندان بھر کو نیست و نابود کر دے گی تو اس کی پوری جان نکل گئی۔

راجہ سکھ دیو ہاتھ جوڑ کے بولا۔ "جاگیردارنی جی۔ میں اور میرے بچے تمہارے غلام۔ جو ہوا اسے بھلا دو اور مجھے بتاؤ کہ کیا کام ہے۔ میں جان تک دینے پر آمادہ ہوں"۔

"اب آئے ہو تم راستے پر"۔ جاگیردارنی نے بڑے رعب سے کہا۔ "غور سے سنو۔ اس دنیا میں یا تم زندہ رہ سکتے ہو یا تمہارا جاگیردار۔ دو میں سے ایک ہی زندہ رہ سکتا ہے"۔

"کیا مطلب جاگیردارنی؟" راجہ نے حیران نظروں سے اسے دیکھا۔ "کیا آپ جاگیر دار حسن خان کو قتل کرانا چاہتی ہیں؟"

"چپ ہو جا راجہ"۔ چاندنی نے اسے ڈانٹا۔ "کیا میں اپنے سہاگ کو اجاڑوں گی۔ میں تیرے جاگیردار فرید خاں کے بارے میں کہہ رہی ہوں میرے شوہر نے سہرام اور خواص پور ٹانڈہ کے پرگنے اپنے بڑے بیٹے فرید خاں کے انتظام میں دیدیئے ہیں حالانکہ ان پر میرے بیٹے سلیمان خاں کا حق تھا۔ اب میں اپنے بیٹے کا حق فرید خاں سے بزور شمشیر واپس لینا چاہتی ہوں تمہیں اپنی جان بچانے کے لیے فرید خاں کو راستے سے ہٹانا ہو گا؟"

"یہ تو بہت مشکل کام ہے جاگیردارنی" راجہ نے گھبراتے ہوئے کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ فرید خاں نے جاگیر کا بہت اچھا انتظام کیا ہے اور دو ہی سال کے اندر ان پرگنوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی ہے۔ وہاں کے لوگ فرید خاں سے بہت پیار کرتے ہیں"۔

"ٹھیک ہے"۔ چاندنی نے بے پروائی سے کہا۔ "پھر تم مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی؟"

"میری جان بخش دو جاگیردارنی" راجہ گڑگڑانے لگا۔ "میں تمہیں عمر بھر دعائیں دیتا رہوں گا؟"

چاندنی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "میں کہہ چکی ہوں کہ فرید خاں اور تم میں سے صرف ایک ہی زندہ رہ سکتا ہے اگر تم میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہو تو تم جس قدر رقم کہو گے میں مہیا کروں گی اور اگر آدمیوں کی مدد چاہو گے تو وہ بھی دی جائے گی۔ اس کے علاوہ کام

پورا ہونے کے بعد تم کو ایک ایسا انعام بھی دیا جائے گا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ تم پوچھو تو میں بتا بھی سکتی ہوں؟" راجہ نے مردہ آواز میں کہا۔

"جاگیردارنی جی۔ میرا سب سے بڑا انعام تو یہ ہے کہ آپ مجھے بغیر کچھ لئے دیئے میری جان چھوڑ دیں۔ مجھے کسی انعام کی ضرورت نہیں"۔

"اب تو میں تمھاری جان اور بھی نہیں چھوڑ سکتی"۔ چاندنی نے اور زیادہ سخت لہجے میں کہا "تم میرا راز جان گئے ہو اور اسے فرید خاں تک پہنچا کے فائدہ بھی اٹھا سکتے ہو"۔ پھر چاندنی نے آواز دی۔

"ارے سلیمان خاں۔ تم کدھر ہو؟"

"جی آیا ماں جی" کہیں قریب سے آواز آئی۔

آواز کے فوراً ہی بعد سلیمان خاں چاندنی کے پاس آ گیا۔

کیا حکم ہے ماں جی؟" سلیمان خاں نے پوچھا

چاندنی نے راجہ کی طرف اشارہ کر کے کہا "اس بڈھے کو کسی کمرے میں بند کر دو اور بھوکا پیاسا مار ڈالو"۔

راجہ سکھ دیو' سلیمان خاں کے پیروں پر گر پڑا۔ "شہزادے بہادر۔ مجھے نہ مارو۔ تم جو کہو گے میں کروں گا"۔

"عقل ٹھکانے آ گئی اب؟" چاندنی نے کہا۔ "پہلے ہی مان گئے ہوتے تو یہ بے عزتی تو نہ ہوتی۔ اچھا سنو۔ اگر تم نے فرید خاں کا خاتمہ کر دیا تو خواص پور ٹانڈہ کا پرگنہ تمہیں واپس کر دیا جائے گا اور تم خواص پور ٹانڈہ کے راجہ بن جاؤ گے۔ سمجھ گئے نا۔ میں تم سے کام لوں گی تو اس کا پورا پورا انعام بھی دوں گی"۔

خواص پورہ ٹانڈہ کی ریاست کا نام سن کے راجہ سکھ دیو کے چودہ طبق روشن ہو گئے وہ تن کے جوانوں کی طرح کھڑا ہو گیا۔ بولا۔ "جاگیردارنی صاحبہ۔ میں سوگند اٹھاتا ہوں کہ فرید خاں کا خاتمہ کر دوں گا مگر تم بھی اپنا وعدہ یاد رکھنا؟"

چاندنی نے اس کے جواب میں کہا۔ "میں بھی سوگند اٹھاتی ہوں کہ فرید خاں کے ختم ہوتے ہی میں خواص پور ٹانڈہ تمہارے حوالے کر کے وہاں کا راجہ بنا دوں گی"۔

چاندنی نے سلیمان خان کو جانے کا اشارہ کیا اس کے جانے کے بعد چاندنی اور راجہ

سکھ دیو' فرید خاں کو ختم کرنے کے منصوبے پر غور کرتے رہے کئی گھنٹے کی گفتگو کے بعد تمام معاملات طے ہو گئے اور راجہ سکھ دیو اس دن خواص پور ٹانڈہ واپس چلا گیا۔

راجہ سکھ دیو کی عدم موجودگی میں نلنی اور راجکماری اردن کی دو تین بار ملاقات ہوئی۔ مگر یہ ملاقات بہت مختصر تھی وہ چند منٹوں سے گفتگو نہ کر پاتے تھے کہ نلنی کی ماتا کا بلاوا آ جاتا تھا۔ ان دو ملاقاتوں میں صرف راجہ سکھ دیو کے حاجی پور جانے کی بات ہوئی۔ نلنی نے اردن کو بتایا تھا کہ حاجی پور سے جاگیردار کا بیٹا سلیمان خاں آیا تھا۔ اس کے بعد ہی راجہ سکھ دیو حاجی پور روانہ ہو گیا تھا اردن کو جاگیردار حسن خاں کے گھریلو معاملات کا کوئی علم نہ تھا اسے تو صرف یہ معلوم تھا کہ جاگیردار نے خواص پور ٹانڈہ کا انتظام اپنے بیٹے فرید خاں کے سپرد کر دیا ہے جو آج کل سہرام میں رہتا ہے۔ پھر جب راجکماری کو معلوم ہوا کہ جاگیردار کا بیٹا سلیمان خاں' نلنی کے باپ راجہ سکھ دیو کے پاس آیا تھا تو اسے بڑی فکر ہوئی اس کے خیال میں جاگیردار کا بیٹا فرید خاں تھا پھر یہ سلیمان خاں کہاں سے آ گیا چنانچہ وہ اپنا شک دور کرنے خواص پور کے بڑے مندر کے پنڈت کے پاس گیا اور اس سے حسن خان کی اولادوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔

پنڈت راجکمار اردن کو جانتا تھا کہ وہ خواص پور کے معزول راجہ سکھ دیو کا بھتیجا ہے اس لیے اس نے راجکمار کو حسن خاں اور اس کی اولاد کے بارے میں پوری تفصیل سے بتایا تو راجکمار حیران رہ گیا حسن خان کی چار بیویوں اور آٹھ بیٹوں کا ہونا راجکمار کے لیے ایک بالکل نیا انکشاف تھا۔ پنڈت نے راجکمار کو یہ بھی بتایا کہ خواص پور کا موجودہ جاگیردار فرید خاں' حسن خاں کا سب سے بڑا بیٹا ہے اور اسے دوسرے بھائی اور حسن خاں کی دوسری بیویاں بھی پسند نہیں کرتیں۔

اس شام اردن ان تمام باتوں کو نلنی سے بیان کر رہا تھا کہ نلنی کی لونڈی بھاگتی ہوئی آئی اور نلنی کو بتایا کہ راجہ سکھ دیو واپس آ گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی نلنی اپنی لونڈی کے ساتھ گھر کی طرف بھاگ پڑی۔

نلنی نے راستہ طے کرتے ہوئے لونڈی سے دریافت کیا۔ "پتا جی کے چہرے سے کیا ظاہر ہوتا تھا یعنی وہ خوش خوش نظر آ رہے تھے یا غمزدہ اور غصہ میں معلوم ہوتے تھے؟"

لونڈی منہ بنائے ہوئے بولی۔ "راجکماری۔ میں نے راجہ کا چہرہ تو بس دور ہی سے

دیکھا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئے‘ رانی جی کو آواز دی پھر رانی جی کے ساتھ اپنے کمرے میں گئے اور دروازہ اندر سے بند کر لیا"۔

نلنی کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آ سکا پھر بھی وہ اس بات سے مطمئن ہوئی کہ راجہ واپس آتے ہی "کمرہ بند" ہو گئے اور اس کے متعلق کوئی سوال نہیں ہوا۔ نلنی گھر پہنچی تو معلوم ہوا کہ اس کے ماتا اور پتا اب تک "کمرہ بند" ہیں"۔

نلنی اپنے کمرے میں چلی گئی مگر لونڈی کو تاکید کر دی کہ جیسے ہی کمرہ کھلے وہ اس کی اطلاع اسے پہنچائے نلنی کی بات ختم ہی ہوئی تھی کہ راجہ سکھ دیو کے کمرے کا دروازہ کھلا اور اس کے ماتا پتا مسکراتے ہوئے برآمد ہوئے۔ باہر آتے ہی راجہ نے ایک نوکرانی سے کچھ کہا اور وہ بھاگتی ہوئی نلنی کے کمرے کی طرف آئی۔ نلنی سمجھ گئی کہ یہ اس کا بلاوا ہے۔ چنانچہ وہ جانے کے لیے پہلے سے تیار ہو گئی۔

نلنی نے اپنے ماتا پتا کو اس سے پہلے کبھی اتنا خوش نہ دیکھا تھا راجہ سکھ دیو نے بڑی محبت سے نلنی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ماتا اس کا ہاتھ پکڑ کے کمرے کے اندر لے گئی۔ راجہ سکھ دیو ساتھ ساتھ تھے۔ اندر پہنچ کے گفتگو کا آغاز راجہ سکھ دیو نے کیا۔

"نلنی ہم نے آج ایک بڑا زبردست فیصلہ کیا ہے؟" راجہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

نلنی خاموش رہی۔ اس لیے کہ اس سے کچھ پوچھا نہیں گیا تھا۔

اب اس کی ماں نے زبان کھولی۔ "نلنی ۔ تم نے پوچھا نہیں کہ ہم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

نلنی نے ماں کی طرف دیکھا۔ "کوئی اچھا ہی فیصلہ کیا ہو گا جب ہی آپ دونوں اس قدر خوش نظر آ رہے ہیں"۔

نلنی مخاطب ماں سے تھی مگر جواب راجہ سکھ دیو نے دیا۔

"ہاں بہت اچھا فیصلہ ہے مگر جب تک تم پوچھو گی نہیں ہم بتائیں گے نہیں"۔

نلنی نے اپنی الجھن دور کرنے کے لیے کہا۔ "آپ چاہتے ہیں تو میں پوچھتی ہوں۔ کیا فیصلہ کیا ہے آپ نے؟"

اس کا جواب ماں کی طرف سے آیا۔ "فیصلہ یہ ہے کہ ہمارے دنوں گھروں میں جو جھگڑا ہے ہم اسے ختم کر رہے ہیں۔ یوں تو ہر خاندان میں آپس میں اختلاف ہوتا ہے مگر

ہمارے جھگڑے سے تمہارے اور اردن کے درمیان بھی فاصلہ پیدا ہو گیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم دونوں پہلے کی طرح ایک دوسرے سے ملتے جلتے رہا کرو"۔

راجہ سکھ دیو نے بات ذرا اور آگے بڑھائی۔ "مطلب یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں تمہاری اور اردن کی شادی جو طے تھی وہ کر دی جائے"۔

نلنی کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ "ماتا جی۔ کیا پتا جی ٹھیک کہہ رہے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہے"۔ ماتا جی نے جواب دیا۔ "میں آج ہی تمہاری چاچی کو بلوا کے بات کروں گی اور ان کے رضا مند ہوتے ہی پنڈت سے تاریخ نکلواؤں گی"۔

نلنی اپنی جگہ کھڑی ہو گئی۔

"کہاں جا رہی ہو نلنی؟" رانی ماں نے پوچھا۔

"میں ----- میں اردن کو بتانے جا رہی تھی"۔ اور وہ شرما گئی۔

"ہاں ہاں۔ جاؤ ضرور جاؤ -----" راجہ سکھ دیو نے کھلے عام اجازت دیدی نلنی بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

نلنی گھر سے نکلی تو اسے اردن کی ایک خادمہ اندر جاتی دکھائی دی اس نے آواز دے کے روکا اور پیغام دیا کہ اردن کو باغ میں فوراً" بھیج دے‘ خادمہ کو پیغام دے کر وہ باغ کے گوشہ میں پہنچی کچھ ہی دیر بعد اردن اس کا پیغام پا کر بھاگا چلا آیا۔ اس نے نلنی کا مسرت سے دمکتا چہرہ دیکھا تو بالکل اس کے سامنے بیٹھ گیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالدیں۔ "کیا دیکھ رہے ہو اتنے غور سے؟" نلنی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

اردن نے ٹھنڈی سانس لی۔ "نلنی تم آج اس قدر خوبصورت دکھائی دے رہی ہو کہ جی چاہتا ہے تمہاری تصویر اپنی آنکھوں میں اتار لوں تاکہ جب تم پاس نہ ہو تو اسے دیکھا کروں"۔

نلنی نے اردن کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا "اردن گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اب میں ہمیشہ کے لیے تمہارے پاس آ جاؤں گی" اردن کی آنکھیں کھل گئیں۔

"کیا کہہ رہی ہو نلنی۔ شاید تم اپنے حواسوں میں نہیں ہو؟"

"میں اپنے حواس میں ہوں اردن"۔ نلنی نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "یقین کرو کہ

ہماری شادی بہت جلد ہونے والی ہے"۔

"غلط' جھوٹ' بالکل جھوٹ" اردن بے یقینی سے بولا---" تم مجھے جھوٹی تسلی دے رہی ہو---- ہماری قسمت میں اچھے دن نہیں معلوم ہوتے؟"

"اردن۔ اردن" نلنی نے اسے جھنجھوڑا۔"ہوش میں آؤ۔ میں سچ کہہ رہی ہوں کیا تمہیں میری بات کا یقین نہیں؟"

"تمہارا تو یقین ہے" اردن بولا---- "مگر اپنی قسمت کا یقین نہیں ۔ اچھا یہ بتاؤ یہ بات تم سے کس نے کہی؟"

"کہی کس نے"۔ نلنی نے زور دے کے کہا۔ "خود پتا جی اور ماتا جی نے مجھے بتایا ہے کہ وہ ہم دونوں کی بہت جلد شادی کر دیں گے"۔

اردن نے ایک لمحہ رک کے کہا۔ "مگر ہماری ماتاؤں میں تو سخت لڑائی ہے۔ تمہارے ماتا پتا مان گئے ہیں میری ماتا ہرگز نہیں مانیں گی"۔

نلنی نے اسے بتایا۔ "یہی بات میں نے ماتا جی سے کہی تھی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ آج تمہارے ماتا پتا کو بلائیں گی یا خود تمہارے یہاں جائیں گی۔ بس میل ہو جائے گا۔ پھر ہماری شادی ہو جائے گی"۔

اردن کو کسی طرح یقین نہ آ رہا تھا۔

"اس سے بڑی خوشی اور کیا ہو سکتی ہے مگر میرا دل کسی طرح نہیں مان رہا ہے"۔

اس دلچسپ مسئلہ پر نلنی اور اردن کی باتیں شروع ہوئیں تو طول ہی پکڑتی گئیں بات میں بات نکلتی اور پھر باتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ پتہ نہیں وہ کب تک ان باتوں میں الجھے رہے کہ اردن کی خادمہ نے آ کر کہا۔

"راجکمار جی۔ رانی ماں بلا رہی ہیں آپ کو" خادمہ نے بتایا۔

"پتا جی بھی ہیں ان کے پاس؟" اردن نے گھبرا کے پوچھا۔

"جی ہاں۔ آپ کے پتہ جی بھی ہیں"۔ خادمہ نے تصدیق کی--- "ان کے علاوہ راجہ سکھ دیو اور راجکماری کی ماتا جی بھی آئی ہوئی ہیں"۔

"ارے کیا کہا" نلنی گھبرا کے کھڑی ہو گئی۔

اردن مسکرا دیا۔ "نلنی معلوم ہوتا ہے تمہاری بات سچی ہونے والی ہے"۔ یہ کہہ کر

اردن خادمہ کے ساتھ دینے گھر چلا گیا۔

نلنی اکیلی وہاں بیٹھ کے کیا کرتی۔ وہ بھی خیالات میں گم' لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے گھر کی طرف چلی۔

t t t

راجکمار اردن گھر پہنچا تو راجہ سکھ دیو اور رانی تائی کو دیکھ کے حیران رہ گیا کئی ماہ سے دونوں گھروں میں ناچاقی تھی۔ یہاں تک کہ اردن اور نلنی کا ملنا جلنا بھی بند کرا دیا گیا تھا۔ مگر اس وقت تائی' تایا اور اردن کے ماتا پتا اس طرح ہنس ہنس کے باتیں کر رہے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اردن کمار کو تعجب اس بات کا تھا کہ کل تک اس کے تایا سلام لینا تو ایک طرف رہا دیکھتے ہی منہ گھما لیا کرتے تھے۔

راجکمار اردن کو دیکھ کے راجہ سکھ دیو کھڑے ہو گئے اور اسے گلے لگا کے دعائیں دیں۔ تایا نے چھوڑا تو تائی نے گلے لگا کے دعائیں دیں۔ راجکمار کے ماتا پتا یہ دیکھ کے خوشی سے پھولے نہ سمائے تھے۔ دراصل وہ نلنی کو بہت چاہتے تھے اور اسے اپنی بہو بنانے کے خواہش مند تھے مگر جٹھانی دیورانی کی لڑائی نے نلنی اور اردن کی شادی کا مسئلہ کھٹائی میں ڈال دیا تھا۔

راجہ سکھ دیو نے کہا۔

"اچھا اب ہم جا رہے ہیں اور اردن کو اپنے ساتھ لئے جا رہے ہیں؟"

"ضرور ضرور۔ اردن کی ماتا نے بڑی حسرت سے کہا۔ "آپ ہی کا بیٹا ہے۔ جہاں چاہے لے جایئے۔

"اردن کا باپ بولا۔ "اردن بیٹے۔ تایا باپ کے برابر ہوتے ہیں۔ وہ جس کام کو کہیں اس سے انکار نہ کرنا ہماری آشیرباد تمہارے ساتھ ہو گی"۔

اردن پر ایک کے بعد ایک حیرانی کا دورہ پڑ رہا تھا۔ تایا تائی کا اس کے گھر آنا ہی کیا کم تعجب خیز تھا کہ اب اس کے ماتا پتا کا اس طرح خوش ہونا اور اسے تایا کا حکم ماننے پر اصرار کرنا۔ اسے یہ سب کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ پھر اس کے تایا راجہ سکھ دیو نے اسے اپنے گھر لے جا کر جو گفتگو کی اس نے اردن کے دماغ کو بالکل ماؤف کر دیا۔

"اردن - ہمیں اپنی ریاست یعنی یہ خواص پور ٹانڈہ واپس مل رہا ہے"۔

اردن کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "تایا جی۔ کیا واقعی ایسا ہو رہا ہے؟" اردن کا خوشی اور حیرانی سے رواں رواں پھڑک رہا تھا۔

"ہاں بیٹے اردن میں سچ کہہ رہا ہوں۔ یہ خوشی ہمیں بہت جلد حاصل ہو جائے گی"

اردن نے تایا کو مبارک باد دی۔ "تایا جی۔ یہ اتنی بڑی نوید ہے کہ اس کی مبارک باد دینے کے لیے مجھے الفاظ نہیں مل رہے ہیں"۔

راجہ نے ہنستے ہوئے کہا "مبارک باد سنبھال کے رکھو۔ وقت آنے پر دینا"۔

"وہ وقت کب آئے گا تایا جی؟" اردن نے بے چینی سے کہا "میں تو خوشی سے پاگل ہوا جا رہا ہوں"۔

"بس اسی مہینے یا اگلے مہینے" راجہ نے بتایا۔ "تمام معاملات طے ہو گئے ہی۔ مگر تمہیں میرا ساتھ دینا ہو گا؟"

"کیوں نہیں تایا جی۔ میں آپ کے لیے جان تک نچھاور کر دوں گا" اردن نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ "اردن مجھے تمہاری اس بات سے بہت خوشی ہوئی۔ میں سوچتا تھا کہ میرا ساتھ دینے والا میرا کوئی بیٹا نہیں مگر تم نے مجھے بڑا حوصلہ دیا"۔

اردن ابھی نو عمر اور نا تجربہ کار تھا اپنی تعریف پر اور زیادہ پھول گیا بولا۔

"تایا جی۔ آپ فکر نہ کیجئے میں آپ کو بیٹا بن کے دکھاؤں گا"۔

راجہ سکھ دیو ایک بار پھر کھڑا ہوا۔ اردن بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا راجہ سکھ دیو نے اردن کو دوبارہ سینے سے لگایا۔

"اردن۔ تم نے میرا کلیجہ ٹھنڈا کر دیا۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ مجھے اپنی ریاست ضرور واپس مل جائے گی"۔

پھر دونوں بیٹھ گئے اردن نے بڑے جوش سے پوچھا۔

"تایا جی۔ بتایئے مجھے آپ کے لیے کیا کرنا ہو گا؟"

"ابھی بتاتا ہوں-----" راجہ نے کہا۔ "میں تمہیں سامنے نہیں رکھوں گا۔ آگے میں رہوں گا۔ اگر کوئی گڑ بڑ ہوئی تو پہلے میں مارا جاؤں گا پھر تمہاری باری آئے گی"۔

"واہ تایا جی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" اردن کا لہجہ پر جوش ہو گیا "ایسا وقت آیا تو

آگے میں ہوں گا اور آپ پیچھے۔ بتایئے تو مجھے کیا کرنا ہے یا آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

راجہ نے ادھر ادھر دیکھ کے کہا۔ "سب اپنی طرف ہیں اردن بیٹے۔ جاگیردار' جاگیردارنی' اس کے بیٹے۔ سب راضی ہو گئے ہیں۔ بس راستے میں صرف ایک روڑا ہے۔ اسے ہٹانا ہے"۔

"کوئی بات نہیں تایا جی"۔ اردن کچھ زیادہ ہی جوشیلا ہو گیا"۔ سب آپ کی طرف ہیں تو ایک روڑے کو ہٹانا کیا مشکل ہے۔ میں اس کا خاتمہ کر دوں گا۔ کچھ بتایئے تو مجھے؟"

"اکیلے نہیں اردن۔ میرے ساتھ تقریباً" ایک سو مسلح سوار ہوں گے میں ان کا سردار ہوں گا اور تم میرے نائب"۔ راجہ سکھ دیو بھی پر جوش ہو گیا۔

"ایک روڑے کو ہٹانے کے لیے اتنا انتظام کرنا ہو گا؟" اردن نے قدرے حیرانی کا اظہار کیا۔

"تمہیں تعجب کیوں ہو رہا ہے اردن"۔ راجہ نے کہا۔ "مگر جب میں تمہیں یہ بتاؤں گا میرے راستہ کا روڑا اتنا بھاری پتھر ہے جسے ہٹانے کے لیے ایک سو سواروں کا دستہ بھی شاید ناکافی ہو اس وقت یہ تمہارا یہ تعجب اور اضطراب بھی ختم ہو جائے گا؟"

"تو پھر بتایئے نا تایا جی" اردن کی بے چینی بڑھ گئی۔ "میں نے تو اپنی خدمات آپ کو پیش کر دی ہیں پھر آپ اس کا نام کیوں پوشیدہ رکھ رہے ہیں؟"

"نہیں اردن۔ تم سے کیسے پوشیدہ رکھا جا سکتا ہے"۔ راجہ سکھ دیو نے کہا۔ پھر راجہ نے اردن کی طرف جھک کے بڑے راز دارانہ انداز میں بتایا"۔ وہ بھاری پتھر ہماری ریاست خواص پور ٹانڈہ کا جواں عمر جاگیردار' حسن خاں کا بڑا بیٹا فرید خاں ہے۔ اس نے خواص پورہ ٹانڈہ کی جاگیر اپنے باپ سے زبردستی حاصل کی ہے" اور اردن سر ہلا کر رہ گیا۔

t t t

راجہ سکھ دیو کے انتقال کی خبر پورے خواص پور ٹانڈہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ ہندو آبادی تو پوری کی پوری راجہ کے محل پر اٹد آئی۔ محل میں رانی اور راجکماری نلنی کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ نلنی کے علاوہ راجہ کے اور کوئی اولاد نہ تھی۔ مگر تھوڑی ہی دیر بعد راجہ اور رانی کے عزیزداروں سے پورا محل بھر گیا۔ ماں بیٹی ایسی پھوٹ

پھوٹ کر رو رہی تھیں کہ دیکھنے والوں کے کلیجے ہل ہل جاتے تھے۔ ایک چپ ہوتی تو دوسری چیخیں مارنے لگتی۔

راجہ سکھ دیو کی کریا کرم (کفن دفن) کی رسومات کا آغاز ہو گیا۔ ہندو دھرم میں مرنے والے کو ٹھکانے لگانے کے تین طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ قبر میں دفن کرنا دوسرا طریقہ لاش کو دریا میں بہانا اور تیسرا طریقہ مرنے والے کو کفنا کر آگ میں جلا کر خاک کر دینا ہے امیر گھرانوں میں عام طور سے یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ راجہ سکھ دیو کو مرگھٹ (گورستان) لے جا کر جلا دیا گیا۔

نلنی اور اردن کے گھرانے میں میل تو پہلے ہو گیا تھا' اس حادثہ نے انہیں اور زیادہ قریب کر دیا اردن کی ماں دن رات نلنی کے پاس رہتی اردن بھی ہر وقت نلنی کی دل جوئی میں لگا رہتا وہ اپنی جگہ کچھ شرمندہ شرمندہ سا تھا اور یوں سمجھتا تھا جیسے راجہ سکھ دیو کی موت کا ذمہ دار وہ ہے۔ لیکن یہ اس کا وہم تھا۔ یہ راز اس وقت تک اردن اور نلنی تک محدود تھا دوسرے دن ایسا ہوا کہ جاگیردارنی چاندنی کا بیٹا سلیمان خاں صبح ہی صبح آدھمکا۔ اس نے راجہ کے محل پر کچھ اداسی سی چھائی دیکھی اور لوگوں کو کثرت سے اندر باہر آتے جاتے دیکھا تو اسے کچھ شبہ ہوا۔ اس نے ایک ملازم سے پوچھا۔

"کیا بات ہے۔ یہ اتنے بہت سے لوگ کیوں آ جا رہے ہیں؟"

اسی وقت نلنی کسی کام سے برآمدے میں آئی۔ سلیمان خاں اسے دیکھ کر برآمدے کی طرف بڑھا۔ نلنی نے اسے دیکھ لیا تھا اگرچہ اسے سلیمان خاں کی صورت سے بھی نفرت تھی پھر بھی وہ اس وقت رک گئی اور خود اس نے گفتگو کی پہل کی۔ سلیمان خاں کے قریب آنے پر نلنی نے کہا۔

"شہزادے اب کیا کرنے آئے ہو۔ تمہاری سازش نے میرے پتا جی کی جان لے لی"

سلیمان خاں حیران رہ گیا۔ جھجکتے ہوئے پوچھا۔ "کیا راجہ سکھ دیو-----؟"

"ہاں۔ راجہ جی ہمیشہ کے لیے بیکنٹھ (سدھار گئے"۔

یہ کہتی ہوئی نلنی آگے بڑھ گئی اور سلیمان خاں منہ کھولے اسے دیکھتا رہ گیا اب اس کی ہمت نہ پڑی کہ وہ وہاں ٹھہرے یا کسی سے بات کرے وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور جس راستے سے آیا تھا اسی راستے چلا گیا۔

اسی دن شام کو سہرام اور خواص پور ٹانڈہ کا جواں سال جاگیردار فرید خاں پانچ سواروں کے ساتھ راجہ سکھ دیو کے محل پر اچانک پہنچ گیا جاگیردار علاقہ کا ایک قسم کا راجہ یا بادشاہ ہوا کرتا ہے فرید خاں کو دیکھ کر پورا خواص پور ٹانڈہ گھبرا گیا لوگ گھروں سے نکل آئے اور قیاس آرائیاں کرنے لگے۔

لیکن کسی نے بھی فرید خاں کے آنے کا غلط مطلب نہیں لیا۔ اس لیے کہ فرید خاں نے جاگیر سے رہزنوں اور ڈاکوؤں' ظلم کرنے والے کارندوں اور غربت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اس نے احکام جاری کئے تھے کہ کسی کاشتکار سے مقررہ لگان سے ایک پیسہ زیادہ نہ لیا جائے اگر کسی نے حکم کی خلاف ورزی کی تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔ لگان' نقد یا جنس کی صورت میں ادائیگی کا طریقہ رائج تھا مگر وصول کرنے والے نقد رقم بھی لیتے اور جنس کا ایک حصہ بھی وصول کرتے تھے۔ فرید خاں نے اس کی سخت مخالفت کی اور حکم دیا کہ کاشتکار جس طرح چاہے لگان ادا کرے۔

فرید خاں نے اس کے علاوہ بھی رعایا کو بے شمار مراعات دیدی تھیں اسی لیے رعایا اس سے محبت کرتی تھی۔ چنانچہ فرید خاں کے راجہ کے محل پر آنے کا انہوں نے یہی مطلب سمجھا کہ جاگیردار' راجہ کے بیوی بچوں کو تسلی دینے آیا ہے اس کی تصدیق کچھ ہی دیر بعد محل سے آنے والے ایک شخص نے کر دی۔

جاگیردار کی آمد کی اطلاع پا کر راجکماری نلنی' اس کی ودھوا ماں اور چاچا چاچی محل کی سیڑھیوں پر اس کے استقبال کے لیے پہنچ گئے۔ جاگیردار اور اس کے محافظوں کے گھوڑے گیٹ سے داخل ہو کر آگے بڑھے تو استقبال کرنے والے سیڑھیوں سے اتر کے نیچے آ گئے فرید خاں گھوڑے سے اترا تو سب سے پہلے رانی نے اسے "نوس کار" (سلام) کیا۔ اس کے باقی لوگوں نے بھی نمستے اور نوسکار سے اس کا استقبال کیا۔

فرید خاں نے سر ہلا کر ان کے سلام کا جواب دیا۔ اسے بیوہ رانی کو پہچاننے میں ذرا بھی پریشانی نہ ہوئی کیونکہ رانی نے ہی سب سے پہلے اسے سلام کیا تھا اور اس کے ساتھ اس کی لڑکی تھی جبکہ ذرا ہٹ کے راجہ سکھ دیو کا بھائی اس کی بیوی اور بیٹا کھڑے تھے۔

فرید خاں نے متانت سے کہا۔ "افسوس ہے کہ ہمیں دیر سے اطلاع ملی ورنہ ہم کل پہنچ کے راجہ کی رسومات میں شریک ہوتے"۔

رانی نے بھی اسی متانت سے جواب دیا۔ "جاگیردار صاحب۔ یہ کیا کم ہے کہ آپ ہم لوگوں کو یاد رکھتے ہیں اور ہمارے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں"۔

"محترم رانی"۔ فرید خاں نے کہا۔ "ہم صرف الفاظ سے تسلی دے کر آپ کے غم کا مداوا نہیں کر سکتے۔ ہمیں بتائیے کہ ہم آپ کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ موت اور زندگی اللہ کے ہاتھ ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم راجہ سکھ دیو کو تو واپس نہیں لا سکتے پھر بھی ہم اپنی طرف سے آپ کے غم کو کم کرنے کی کوشش ضرور کریں گے؟"

رانی نے راجکماری نلنی کی طرف دیکھا۔

فرید خاں نے دریافت کیا "یہ لڑکی شاید آپ کی-----؟" اور فرید خان نے اپنی بات نا تمام چھوڑ دی۔

"جی ہاں جاگیردار صاحب"۔ رانی نے اس کی بات سمجھتے ہوئے کہا "یہ میری واحد اولاد راجکماری نلنی ہے"۔

فرید خاں نے مشفقانہ لہجے میں کہا "راجکماری۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم تمہارے غم میں شریک ہوں۔ ہماری خواہش ہے کہ تم ہم سے کسی بات کی فرمائش کرو؟"

راجکماری نلنی نے آنسوؤں سے بوجھل نظریں اٹھا کر جاگیردار کو دیکھا پھر غمگین لہجے میں کہا۔

"جاگیردار صاحب۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ آپ ہی کا دیا ہوا ہے۔ ایشور کا کرم ہے کہ ہمیں مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں لیکن آپ کا حکم ہے کہ ہم آپ سے کوئی فرمائش کریں۔ اس کے جواب میں یہ عرض ہے کہ مجھے ایشور نے سب کچھ دینے کے باوجود کوئی بھائی نہیں دیا۔ کل ہمارا رکھشا بندھن کا تہوار ہے۔ آپ جانتے ہیں اس تہوار پر بہنیں اپنے بھائیوں کے رکھشا باندھتی ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ میں آپ کے ہاتھ میں رکھشا باندھ کر آپ کی بہن ہونے کا فخر حاصل کروں؟"

"بہت خوب راجکماری۔ ہم تمہاری فرمائش سے بہت خوش ہوئے"۔ فرید خاں نے بڑی مسرت سے کہا "اب یہ بتاؤ رکھشا باندھنے کے لیے بھائی' بہن کے پاس آیا کرتا ہے تاکہ تمہاری فرمائش اس [illegible] میں پوری کی جائے؟"

"جاگیردار صاحب۔ رسم رکھشا باندھنے کی ہے"۔ راجکماری نلنی نے عرض کیا۔

"آپ خود بھی تشریف لا سکتے ہیں یا آپ حکم دیجئے میں خود آپ کے یہاں آ جاؤں گی؟"

فرید خاں نے با رعب انداز میں کہا۔ "راجکماری۔ رسموں کی ادائیگی میں حکم نہیں دیا جا سکتا۔ ہم خواص پور ہی میں اپنے ناظم کے گھر آج مہمان رہیں گے اور کل تم سے رکھشا (اسے راکھی بھی کہتے ہیں) بندھوا کر سہرام واپس جائیں گے"۔

"جاگیردار صاحب۔" رانی نے دخل دیتے ہوئے کہا۔ "اتنی دیر سے باہر کھڑے کھڑے گفتگو ہو رہی ہے۔ آپ اندر تشریف لے چلئے اور ہمیں کچھ خدمت کا موقعہ دیجئے؟"

"ہم رانی کا شکریہ ادا کرتے ہیں"۔ فرید نے اپنے گھوڑے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب ہمیں اجازت دیجئے۔ ہم کل ضرور آئیں گے"۔

فرید خاں گھوڑے پر سوار ہوا ۔ سلام و دعا کی آوازوں میں وہاں سے واپس ہوا۔

دوسرے دن فرید خاں حسب وعدہ راجہ کے گھر "رکھشا بندھن" کی رسم ادا کرنے گیا۔ راجکماری نلنی نے فرید خاں کے ہاتھ میں "راکھی" باندھ کر اسے چھوٹی بہن کی طرح پرنام (سلام) کیا اور فرید خاں نے بڑے بھائی کے انداز میں اس دعا۔ سر پر ہاتھ رکھا اور ایک قیمتی انگوٹھی نلنی کو تحفہ میں دی۔ فرید خاں کے اس عمل سے ان علاقوں کی ہندو آبادی میں اگر مسلمان جاگردار کے خلاف کسی قسم کی نفرت یا اختلاف تھا تو اس کا خاتمہ ہو گیا۔

فرید خاں نے اپنے چھوٹے بھائی نظام خاں کو ساتھ رکھ کر چند ہی سال میں جاگیر کو اس قدر ترقی دی کہ ہر طرف فرید خاں کی واہ واہ ہونے لگی۔ حسن خاں ایک بار جاگیر کے دورے پر گیا تو ہر شخص نے فرید خاں کی تعریف کی۔ حسن خان نے واپس آ کر بیوی کو جاگیر کی ترقی اور فرید خاں کے حسن سلوک کا حال بتایا تو وہ اور جل اٹھی اور اس نے ایک بار پھر سازش کا جال پھیلانا شروع کیا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اس چاہیتی بیوی چاندنی نے فرید خاں کے خلاف کئی چھوٹی چھوٹی سازشیں کیں مگر وہ اس میں ناکام رہی۔ اس نے فرید خاں پر غبن کا الزام لگایا۔ اس کے کہنے پر حسن خاں نے جانچ پڑتال کی تو حساب کتاب بالکل درست پایا۔ اسی طرح اور کئی حربے استعمال کئے گئے مگر فرید خاں کا دامن صاف تھا اس لیے وہ محفوظ رہا۔

چاندنی کو حسن خاں کی سب سے بڑی کمزوری کا علم تھا اور وہ اکثر اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا کرتی تھی۔ چنانچہ ہر طرف ناکامی کے بعد اس نے ایک بار پھر وہی "حربہ استعمال" کیا۔ چاندنی کا یہ حربہ کوئی نیا نہ تھا اس حربہ سے وہ دو چار سال کے بعد ضرور کام لیا کرتی تھی مگر اب حسن خان کی عمر اسی سال کے قریب ہو گئی تھی اس لیے چاندنی کو اپنی کامیابی مشکوک نظر آتی تھی پھر بھی اس نے کوشش کر دیکھی۔

ایک رات چاندنی نے کہا۔ "جاگیردار حسن خاں۔ آج سے میرا تمہارا تعلق ختم"۔

"کیا مطلب؟" حسن خاں نے گھبرا کے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ جب تم مجھے اپنی بیوی اور میرے بچوں سلیمان خاں اور احمد خاں کو اپنی اولاد نہیں سمجھتے تو پھر میں تمہارے ساتھ اپنا تعلق کیوں رکھوں؟"

"نیک بخت۔ یہ وہم تیرے دماغ میں کس نے ڈالا؟" حسن خان نے خوشامدانہ انداز اختیار کیا "تو اچھی طرح جانتی ہے کہ میری کئی بیویاں اور بہت سی اولادیں اور بھی ہیں مگر میں سب سے منہ موڑ کر تیرے پاس رہتا ہوں پھر بھی تو مجھ سے یہ شکوہ کرتی ہے؟"

"حسن خاں دھیان سے سن لو۔" چاندنی شیرنی کی طرح غرائی۔ "تم اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ اور خبردار اس وقت تک آنے کی کوشش مت کرنا جب تک تم فرید خاں سے جاگیر چھین کے سلیمان خاں اور احمد خاں کو وارث نہیں بنا دیتے"۔

حسن خان نے بہت خوشامد کی مگر چاندنی نے ایک نہ مانی اور حسن خاں کو دھکے دے کر اپنے کمرے سے باہر نکال دیا۔

فرید خاں اپنے باپ اور سوتیلی ماں کے شب و روز سے غافل نہ تھا۔ اسے ایک ایک لمحے کی خبریں مل رہی تھیں جب اسے معلوم ہوا کہ اس کے باپ کو اس کی سوتیلی ماں نے گھر سے نکال دیا ہے اور وہ اپنی دوسری بیویوں اور بچوں کا تعاون حاصل کرنے کے بجائے اب بھی چاندنی کے دروازے پر کھڑا بھکاریوں کی طرح ہاتھ پھیلا رہا ہے تو اسے بہت دکھ ہوا۔

فرید خاں نے بڑے غور و فکر کے بعد اپنے باپ کو خط لکھا جس کے مندرجات کچھ اس طرح تھے۔

پیارے والد محترم

مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کو میرے سوتیلے بھائیوں اور ماں نے مکان سے نکال دیا ہے اور آپ اپنے بیٹوں اور دوسری بیگمات کے پاس جانے اور ان کا تعاون حاصل کرنے کے بجائے اب بھی اسی در کے چکر لگاتے ہیں۔

مجھے معلوم ہے کہ یہ سب اس وجہ سے ہوا کہ میری سوتیلی ماں جاگیر میرے بجائے اپنے بیٹوں کو دلوانا چاہتی ہے۔ مجھے یہ منظور نہیں کہ آپ مجھے میرا حق دینے کی وجہ سے دربدر ہوں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ جاگیر چھوڑ کر کسی طرف چلا جاؤں تاکہ آپ اپنی مرضی سے جسے چاہیں جاگیر بخش دیں۔

فرید خاں کے جذبات سراہنے کی بجائے حسن خان نے بیٹے کو اس طرح لکھا:

پیارے بیٹے

میں جانتا ہوں کہ تم اپنے تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ لائق ہو۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ سلیمان خاں اور احمد خاں جاگیر کا انتظام سنبھالنے کے بجائے اسے اور بگاڑ دیں گے اس لیے اگر تم جاگیر کو سلیمان خاں اور احمد خاں کے حوالے کرنے کی مجھے اجازت دو تو شائد تمہاری سوتیلی ماں کا کلیجہ ٹھنڈا ہو جائے اور مجھے بھی اس دربدری سے نجات مل جائے"۔

باپ کا یہ جواب پاتے ہی فرید خاں نے اس وقت رخت سفر باندھا اور آگرہ جو اس وقت دارالسلطنت تھا' روانہ ہو گیا۔

یہ سلطان ابراہیم لودھی کا زمانہ تھا۔ سلطان کا ایک منظور نظر دولت خاں لودھی تھا جو بارہ ہزار سواروں کا جاگیردار ہونے کے ساتھ ساتھ دارالسلطنت آگرہ کا حاکم بھی تھا۔ فرید خاں' دولت خاں کے پاس پہنچا اور چند ہی دنوں میں اپنی اہلیت اور قابلیت سے اس کے دل میں جگہ بنا لی۔ فرید خاں نے دولت خاں کا دل اپنے ہاتھوں میں لینے کے بعد اپنا

حال دل اس سے بیان کیا۔

دولت خاں لودھی' فرید خاں کو بہت چاہنے لگا تھا اس لیے اس نے فرید خاں سے عرضداشت لکھوائی جس میں سوتیلے بھائیوں اور سوتیلی ماں کی سازشوں کے علاوہ اپنے باپ کی بے پروائی اور تغافل کا شکوہ کرتے ہوئے سلطان سے درخواست کی کہ باپ کی جاگیر اسے منتقل کر دی جائے۔ دولت خاں نے فرید خاں کو عرضداشت کے ساتھ سلطان کے حضور پیش کیا مگر سلطان نے یہ کہہ کر درخواست نا منظور کر دی کہ۔

"درخواست گذار ایک برا آدمی ہے کہ اپنے باپ کی شکایت کرتا ہے"۔

فرید خاں مایوس نہیں ہوا۔ اس نے آگرہ چھوڑا اور نہ شاہی دربار جانا بند کیا۔ اسے جب بھی موقعہ ملتا وہ کسی محسن یا مربی کے ذریعہ دربار پہنچ جاتا۔ غور و فکر کا مادہ اس میں بچپن ہی سے تھا۔ جب تک وہ دربار میں رہتا سلطان ابراہیم لودھی اور اس کے درباریوں کی حرکات سکنات' گفتگو اور فیصلوں پر غور و فکر کرتا رہتا۔



وسط ہند میں گوالیار کے جنوب اور دریائے نربدا کے شمال میں رائسین کی ہندو ریاست دولت کی فراوانی اور عیش و عشرت کی بے لگام ارزانی کی وجہ سے مشہور تھی۔ کہاوت ہے کہ جو مذہب بادشاہ وہ رعایا کا۔ یعنی جو رنگ بادشاہ اختیار کرتا ہے اس رنگ میں پوری رعایا رنگ جاتی ہے۔ رائسین کا سربراہ بھیارائے پورن مل پرلے درجہ کا عیاش اور آوارہ مزاج جوان تھا۔ چنانچہ اس کا سربراہ ریاست ہوتے ہی پوری ریاست میں عیاشی اور فحاشی پھیل گئی۔

پورن مل جتنا عیاش اور بدمعاش تھا اتنا ہی بہادر شمشیر زن بھی تھا حقیقت میں وہ ریاست رائسین کا راجہ نہ تھا۔ ریاست کے راجہ نے چند سال پہلے انتقال کیا تھا۔ راجہ کے ایک خورد سال بچہ تھا۔ اس لیے بڑے بڑے سرداروں نے مشورہ کر کے پورن مل کو جو خود بھی ایک بڑا سردار تھا ریاست کا ناظم اور سربراہ منتخب کیا تھا اور اسے "رائے" کا خطاب دے کر ریاست کے تمام اختیارات اس کے سپرد کر دیئے تھے یہ قصہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

تمام سرداروں نے تو پورن مل کو ریاست کا سربراہ تسلیم کر لیا مگر جب ریاست کی ودھوا رانی کے سامنے یہ فیصلہ منظوری کے لیے پیش کیا گیا تو رانی رائسین نے اسے قطعی نا منظور کیا۔ رانی دراصل اپنے بھائی کو ریاست کا ناظم بنانا چاہتی تھی۔ چنانچہ رانی اور سرداروں کے اس اختلاف سے ریاست کا امن و امان خطرے میں پڑ گیا۔ پھر یہ بات اس قدر طول کھینچ گئی کہ رانی کے محافظ دستوں نے ریاستی محلات کے گرد مورچے قائم کر لئے۔ دوسری طرف پورن مل جسے تمام سرداروں کا تعاون حاصل تھا وہ فوجیں لے کر محلات پر چڑھ آیا اور خانہ جنگی جیسی صورت پیدا ہو گئی۔ اس صورت حال سے نبٹنے کے لیے ریاست کے معززین اور مندروں کے بڑے پنڈتوں کا ایک اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں تین اشخاص کی ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے سپرد یہ کام ہوا کہ وہ دونوں پارٹیوں سے الگ الگ گفتگو کرے اور ان میں مصالحت کرائے۔

کمیٹی کے ارکان نے پہلے رانی سے ملاقات کی۔ ریاست کی رانی کمسن ہونے کے علاوہ کومل کومل اور بہت خوبصورت تھی۔ حسن کے ساتھ رانی کے چہرے پر ایک شاہانہ رعب داب بھی تھا۔ رانی نے ارکان کمیٹی کے سامنے صاف الفاظ میں کہہ دیا۔

"پورن مل نمک حرام اور غدار ہے۔ وہ ہمارے اور ہمارے بچہ کے حقوق غصب کر کے ریاست کا حکمران بننا چاہتا ہے"۔

ایک رکن نے رانی کو سمجھایا۔ "معزز رانی رائسین" ریاست پر حکومت کرنے کا حق صرف آپ کو اور ننھے راجکمار ہی کو ہے۔ ریاست کے سردار تو پورن مل کو ریاست کا صرف ناظم مقرر کرنا چاہتے ہیں۔ وہ رانی کے مشورہ سے ریاست کا انتظام اس وقت تک سنبھالے گا جب تک راجکمار جوان نہیں ہو جاتا"۔

"ہمیں پورن مل کا قطعی اعتبار نہیں"۔ رانی نے سخت لہجے میں کہا "ہم اپنی اور راجکمار کی زندگی اس کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے"۔

کمیٹی بڑی الجھن میں پھنس گئی۔

دوسرے رکن نے کہا "رانی رائسین ۔ آپ پورن مل کو سربراہ تسلیم نہیں کرتیں۔ دوسری طرف تمام سرداران ریاست سوائے پورن مل کے کسی اور نام پر تیار نہیں۔ پھر فیصلہ کس طرح ہو؟"

رانی نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا۔

"اچھا ہم اس کا ایک حل پیش کرتے ہیں"۔

"ضرور ----- ضرور -----" ارکان کمیٹی بہت خوش ہوئے۔

رانی متانت سے بولی "آپ لوگ پورن مل سے کہیں کہ رانی اس سے منہ در منہ گفتگو کرنا چاہتی ہیں۔ اس لیے وہ ہمارے محل میں آئے مگر تنہا اس کے ساتھ کوئی محافظ نہ ہونا چاہیے"۔

کمیٹی کے ممبران رانی کی اس پیش کش پر بہت حیران ہوئے اور ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے رانی رائسین نے ان کے دلی جذبات پڑھ لئے اور خود ہی بولی معلوم ہوتا ہے ہماری پیش کش کا مطلب آپ کی سمجھ میں نہیں آیا۔ دیکھئے اگر پورن مل کا دل صاف ہے اور وہ ہمیں رائسین کی رانی سمجھتا ہے تو وہ بے خوف و خطر ہمارے پاس آ جائے گا اور اگر اس کے دل میں ذرا سا بھی کھوٹ ہے تو وہ فوراً" انکار کر دے گا اس کی نیت معلوم کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا"۔

کمیٹی والے واقعی اس کی بات نہیں سمجھ سکے تھے۔ اب جو رانی نے سمجھا کے کہا تو ان کی سمجھ میں آ گیا اور وہ رانی کی عقلمندی کے قائل ہو گئے۔ انہوں نے رانی کا مطالبہ تسلیم کر لیا اور جانے کے لیے کھڑے ہوئے۔

رانی نے تاکیداً" کہا۔ "اس بات کا خیال رکھئے گا کہ ہم نے جو باتیں آپ سے کی ہیں ان سب باتوں کو پورن مل تک پہنچانے کی ضرورت نہیں۔ اس سے صرف یہ کہا جائے کہ رانی رائسین سے تنہائی میں گفتگو کر کے اپنا اطمینان کرنا چاہتی ہیں"۔ ارکان نے رانی کی یہ بات بھی تسلیم کر لی اور محل سے چلے گئے۔

ارکان کمیٹی راج محل سے واپس جا کر پورن مل سے ملے اور اسے بتایا کہ رانی رائسین اس سے اپنے محل میں ملنا چاہتی ہیں مگر شرط یہ ہے کہ پورن مل تن تنہا راج محل جائے اور رانی سے ملاقات کرے۔ یہ مشروط ملاقات پورن مل کے لیے ایک کٹھن مسئلہ بن گئی۔ وہ کچھ دیر غور و فکر کرتا رہا پھر بولا۔

"آپ سب لوگ بھی ریاست کے سردار ہیں اور سب ہی میرے بزرگ اور بڑے بھائیوں کے مانند ہیں۔ آپ مجھے مشورہ دیجئے کہ مجھے کیا قدم اٹھانا چاہیے؟"

کمیٹی کا ایک ممبر جو پورن مل کا دوست اور دور کا عزیز دار بھی تھا اس نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں پورن مل کو قطعی مشورہ نہ دوں گا کہ وہ تنہا بھیڑیوں کے بھٹ میں گھس جائے۔ رانی کے محافظ دستوں نے محلات کے گرد مورچے کھود رکھے ہیں۔ اگر پورن مل کے راج محل میں داخل ہوتے ہی اسے گرفتار کر لیا جائے اور رانی اس کے قتل کا حکم دیدے تو اس کا ذمہ دار کون ہو گا؟"

یہ بات واقعی قابل غور تھی۔ دوسرے ممبر نے کہا "جس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ خطرہ موجود ضرور ہے لیکن پورن مل کا طاقت کے ذریعہ ریاست پر قبضہ مجھے پسند نہیں اور اس میں رعایا کے باغی ہو جانے کا بھی امکان ہے"۔

تیسرا ممبر بھی پہلے ممبر کی طرح پورن مل کا دوست اور طرفدار تھا۔ اس نے بھی تلخ لہجے میں کہا۔

"میرے ممبر بھائی خطرے کا تو اظہار کرتے ہیں مگر ضدی رانی کے خلاف طاقت استعمال کرنے کے خلاف ہیں۔ پھر وہی اس کا کوئی حل پیش کریں؟"

دوسرا ممبر صلح پسند طبیعت کا مالک تھا اس نے ایک نیا مشورہ دیا "اس کا بہترین حل یہ ہے کہ ہم ریاست کا مقدمہ سلطان ہند ابراہیم لودھی کے دربار میں پیش کریں اور جو فیصلہ وہاں سے ہو اس پر عمل کیا جائے"۔

اس مشورے کی بھی سخت مخالفت کی گئی۔ پہلے ممبر نے کہا۔ "ہمارے ممبر بھائی یہ چاہتے ہیں کہ شاہی فوجوں کو رائسین آنے کی دعوت دیں تاکہ پورن مل اور رانی دونوں کو بے دخل کر کے ریاست پر سلطان کا قبضہ ہو جائے"۔

"نہیں نہیں۔ میرا مقصد یہ ہرگز نہیں" دوسرے ممبر نے چیخ کے کہا "ہم اپنی ریاست پر کسی دوسرے کا قبضہ ہرگز نہیں چاہتے۔ میں اپنی رائے واپس لیتا ہوں"۔

اس مجلس کی فضا بہت گمبھیر ہو گئی تھی۔ دو ممبر ایک طرف تھے مگر تیسرا مخالفت کر رہا تھا۔ خود پورن مل بھی بہت پریشان تھا۔ اس کا دل تو صاف تھا مگر رانی کی طرف سے خطرے کا بھی امکان تھا۔ راج محل میں تنہا داخل ہونا خود اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

محفل میں کچھ دیر خاموشی رہی پھر ایک ممبر نے کہا۔ "سردار پورن مل ہم سب

تمہارے دوست اور ساتھی ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم ریاست کی سربراہی سنبھالو مگر رانی آمادہ نہیں ہو رہی ہے۔ ان کی اس نئی پیش کش سے ہمارے آپس کے تعلقات بھی متاثر ہو رہے ہیں ہم نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے۔ اب فیصلہ خود تم کو کرنا ہے۔ تمہارے ہر فیصلہ کو کم از کم میں ضرور تسلیم کروں گا؟"

اس کے ساتھی سردار نے بھی تائید کرتے ہوئے کہا "میں بھی سردار پورن مل کے ہر فیصلہ کی تائید کرتا ہوں"۔

تیسرا ممبر جس نے مقدمہ کو سلطان ابراہیم لودھی کے دربار بھیجنے کا مشورہ دیا تھا اس نے بھی فورا" اپنا پہلو بچایا۔

"میں بھی آپ دونوں کے ساتھ ہوں میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ اگر خانہ جنگی نہ ہو تو زیادہ بہتر ہے"۔

سردار پورن مل نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر سر اٹھایا۔

"آپ لوگوں نے جب بات میرے ہی اوپر ڈال دی ہے تو پھر میرا فیصلہ سن لیجئے اور مجھے اس فیصلہ پر عمل کرنے کی آشیرباد دیجئے؟"

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں" سب یک زبان ہو گئے۔ "تم اپنا فیصلہ تو سناؤ؟" پورن مل نے پورے عزم اور استقلال کے ساتھ کہا۔

میں راج محل جاؤں گا"۔ ۔

"اپنی فوج ساتھ لے کے؟" ایک ممبر نے پوچھا۔

"نہیں۔ تنہا جاؤں گا"۔ پورن مل نے پر یقین لہجے میں کہا "بالکل اس طرح جیسے رانی کی خواہش ہے"۔

"کیا تمہیں خوف نہیں معلوم ہوتا پورن مل؟" ایک ممبر نے اس کا ارادہ متزلزل کرنے کی کوشش کی۔ "رانی تمہیں قتل بھی کرا سکتی ہے"۔

"اس بات کا امکان ضرور موجود ہے" پورن مل نے صاف آواز میں کہا۔ "لیکن یہ خانہ جنگی سے بہتر ہے اور یہ اس بات سے بھی بہتر ہے کہ ہم اپنا مقدمہ سلطان ہند ابراہیم لودھی کے دربار میں لے جائیں ہم نے سلطان کی صرف سیادت قبول کی ہے۔ ہم اس کے غلام تو نہیں کہ اپنی ریاست کے اندرونی معاملات میں اس کا فیصلہ تسلیم کریں"۔

پورن مل کا ایک دوست جو زیادہ پر جوش تھا' اس نے کہا "میں تمہیں موت کے منہ میں جانے کی اجازت نہیں دے سکتا سردار تمہیں ہم سرداروں نے سربراہ بنایا ہے۔ رانی کو اس میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے؟"

"نہیں میرے دوست۔ ایسی بات نہیں ہے"۔ پورن مل نے اسے سمجھایا" رانی اگر عقلمند ہے تو وہ یہ ضرور جانتی ہو گی کہ ہماری خانہ جنگی سے ریاست کا خاتمہ بھی ہو سکتا ہے۔ مسلمان سلطان ہندو ریاستوں کو یوں بھی پسند نہیں کرتا اسے یہاں گڑ بڑ کی اطلاع ملی تو ہو سکتا ہے کہ وہ شاہی لشکر بھیج کر ریاست پر قبضہ کر لے تم میری طرف سے بے فکر رہو اگر رانی رائسین نے مجھے ٹھکانے لگانے کی کوشش کی تو وہ بھی نہ بچ سکے گی"۔

"ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔ دو ممبروں نے ایک زبان ہو کر کہا۔

پورن مل کا رانی سے بالمشافہ ملاقات کا فیصلہ ہو گیا۔ اس کی اطلاع رانی رائسین کو بھجوا دی گئی اور رانی سے درخواست کی گئی کہ وہ ملاقات کا وقت اور دن مقرر فرمائیں۔ رانی نے اس کے جواب میں اپنی کنیز کو قاصد کے ساتھ کر دیا۔

رانی کی کنیز نے ممبران کمیٹی کو رانی کی طرف سے پیغام دیا۔ "رانی رائسین نے فرمایا ہے کہ سردار پورن مل آج رات کا کھانا راج محل میں کھائیں گے۔ اس کے بعد ان سے گفتگو کی جائے گی"۔

رانی رائسین کا یہ پیغام پہلے سے بھی زیادہ خطرناک تھا۔ ہو سکتا ہے کہ رانی نے یہ منصوبہ بنایا ہو کہ پورن مل کو ایسا زہر دیا جائے جو آہستہ آہستہ اس کی زندگی کا خاتمہ کر دے اس طرح یہ قتل پوشیدہ رہ سکتا تھا اور رانی پورن مل کو سربراہ بنانے کے کچھ ہی دنوں بعد اس سے نجات حاصل کر سکتی تھی۔

رانی کی کنیز جواب کی منتظر تھی اور تینوں ممبران کمیٹی معہ پورن مل کے گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کنیز کی موجودگی میں وہ اس مسئلہ پر کھل کے بات بھی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ سب کے دل میں "زہر خورانی" کا دھڑکا ضرور پیدا ہو گیا"۔

کچھ دیر انتظار کے بعد کنیز نے کہا "معزز سرداران ریاست۔ میں آپ کے جواب کی منتظر ہوں۔ رانی نے حکم دیا تھا کہ میں جواب لے کر واپس آؤں؟"

اس وقت پورن مل نے کھنکار کر گلہ صاف کیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "معاف

کرنا"۔ پورن مل نے بڑی شگفتگی سے کہا۔ "ہم نے رانی رائسین کا فرمان سن لیا تھا۔ ہمیں یہ علم نہ تھا کہ رانی صاحب نے جواب بھی طلب کیا ہے۔ رانی صاحبہ کی خدمت میں سردار پورن مل کا یہ جواب پیش کیا جائے کہ ریاست کا ہر سردار بمعہ پورن مل کے رانی رائسین کے ہر فرمان کو حکم تصور کرتا ہے اور میں نے رانی کا حکم سن لیا ہے اور اس حکم پر پورا پورا عمل کروں گا۔ رات کھانے کے وقت رانی' اس غلام کو راج محل کے دروازے پر موجود پائیں گی"۔

کنیز یہ جواب سن کر واپس چلی گئی پورن مل کے ایک سردار نے غصہ سے کہا۔

"سردار۔ تم اس کے فریب میں مت آؤ وہ تمہیں قتل کرنے کے عجیب عجیب طریقے ڈھونڈ رہی ہے"۔

اس سلسلہ میں اب کوئی گفتگو نہ کی جائے" پورن مل کے تلخ لہجے میں کہا "میں نے راج محل جانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اب میں ہر صورت میں جاؤں گا"۔

پورن مل کے تمام دوست اور فوجی سردار رات تک اسے گھیرے رہے اور انہوں نے لاکھ لاکھ سمجھایا کہ سانپ کے منہ میں انگلی دینا نہ تو بہادری ہے اور نہ کوئی عقلمندی مگر پورن مل نے اپنا ارادہ نہ بدلنا تھا اور نہ بدلا۔

پھر جب رات ہوئی تو پورن مل نے اپنا بہترین لباس زیب تن کیا۔ بہترین قسم کی خوشبوئیں لگائیں' پشت پر ترکش کاندھے پر کمان' کمر کے ایک طرف تلوار اور دوسری جانب خنجر لگایا سر پر خود کے بجائے راجپوتی پگڑی دھری پھر گھوڑے پر سوار ہوا اس کے ساتھیوں کے دل دھک دھک کر رہے تھے لیکن پورن مل کے چہرے پر خوف و ہراس کا شائبہ تک نہ تھا اس نے اپنے ساتھ صرف پانچ سوار لئے اور انہیں تاکید کر دی کہ جب وہ قلعہ کی فصیل پر پہنچ جائے تو وہ واپس ہو جائیں۔

اس زمانہ میں پورا شہر کا شہر قلعہ کے اندر آباد ہوتا تھا۔ جو شہر بہت بڑے ہوتے اور ان کی آبادی قلعہ میں نہ سما پاتی تو پھر قلعہ کے باہر شہر آباد ہو جاتا لیکن اس کے گرد بھی کچی یا پکی فصیل بنوائی جاتی تھی۔ ریاست رائسین کی آبادی بہت زیادہ نہ تھی پھر بھی ریاست کے بڑے بڑے سرداروں نے اپنے اپنے محل (حویلیوں نما محل) قلعہ کے باہر تعمیر کرائے تھے اور امن کے زمانہ میں وہ اپنے بال بچوں کے ساتھ شہر میں رہتے اور جنگ کی

صورت میں قلعہ کے اندر منتقل ہو جاتے تھے۔

پورن مل کی آبائی حویلی یا محل قلعہ کے باہر تھا وہاں اس کا خاندان قدیم زمانہ سے آباد تھا۔ اس ریاست میں مسلمانوں کی کافی آبادی تھی بلگرام اور بعض دوسری سادات کی بستیاں بھی اس ریاست کے قریب و جوار میں واقع تھیں ایک خیال میں کہ پورن مل کے نام کے ساتھ "بھیا" کا جو لفظ شامل ہے وہ شاید مسلمانوں نے اس خاندان کو دیا تھا چنانچہ تواریخ میں پورن مل کا پورا نام "بھیا رائے پورن مل" لکھا گیا ہے۔ ان ہندو سرداروں کی وجہ سے قلعہ کے باہر بھی تھوڑی سی آبادی ہو گئی تھی۔ باقی تمام آبادی ہی قلعہ کے اندر رہتی تھی۔ رائسین کا قلعہ' ہند کے مضبوط قلعوں میں شمار ہوتا تھا اس کے دروازے مضبوط اور فصیلیں چوڑی اور بلند تھیں۔

پورن مل اسلحہ سجائے گھوڑا اڑاتا بڑی شان سے قلہ کے دروازے پر پہنچا اس کے ساتھ آنے والے پانچوں سوار قلعہ کے دروازے پر پہنچنے سے پہلے ہی واپس ہو گئے تھے۔ قلعہ کے صدر دروازے کے محافظوں نے پورن مل کو خوش آمدید کہا اس کی شخصیت غیر معروف نہ تھی بلکہ اس کا شمار ریاست کے چند بڑے سرداروں میں کیا جاتا تھا پھر اب تو یہ افواہ گرم تھی کہ "پورن مل" کو سربراہ ریاست کا عہدہ دیا جا رہا ہے۔

قلعہ کے دروازے پر اگرچہ پہرہ رہتا مگر وہ ہر خاص و عام کے لیے نصف شب تک کھلا رہتا تھا اس کے بعد بھی اگر کوئی مسافر یا قافلہ وہاں پہنچتا تو صدر دروازہ کھول کے اسے اندر لے لیا جاتا تھا۔ قلعہ میں داخل ہوتے ہی راجہ کا عظیم الشان محل دکھائی دیتا تھا۔ اس محل کے گرد بھی فصیل تھی کیونکہ غیر معمولی حالات کے وقت راج محل کو بھی قلعہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

قلعہ کے اندر تھوڑی دور پر ایک چھوٹی سی بارہ دری تھی جو استقبالیہ کا کام دیتی تھی دو نیزہ بردار محافظوں نے پورن مل کو سلام کر کے وہاں روکا۔ پورن مل گھوڑے سے اتر پڑا۔

"معزز سردار" ایک محافظ نے ادب سے کہا۔ "ہم درخواست کرتے ہیں کہ آپ اپنا اسلحہ ہمارے پاس جمع کرا دیجئے؟" پورن مل نے بے تکلف ترکش اور کمان محافظ کے حوالے کر دیا۔

محافظ نے پھر کہا "امید ہے کہ سردار اپنی تلوار بھی ہمارے پاس جمع کرا دیں گے؟"

"تلوار تو سپاہی کی شناخت ہوتی ہے۔" پورن مل مسکرایا۔ "یہ تو صرف اس وقت جدا ہوتی ہے جب جسم و جان کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے"۔

"ہم حکم سے مجبور ہیں معزز سردار"۔ محافظ نے کہا۔

"تلوار چھیننے کا کس نے حکم دیا ہے؟" پورن مل کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔

"معزز سردار"۔ محافظ اور مودب ہو گیا "ہم نے آپ سے تلوار چھیننے کی جرات نہیں کہ بلکہ تلوار الگ کرنے کی درخواست کی ہے"۔

"اور اگر ہم تلوار الگ نہ کریں تو؟" پورن مل کی تیوریوں کے بلوں میں کچھ اضافہ ہو گیا۔

محافظ بولا۔ "معزز سردار۔ اگر آپ تلوار علیحدہ نہیں کرتے تو بس ہم آپ کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔ صرف اس کی اطلاع رانی رائسین کے پاس بجھوا دیں گے۔ آپ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم یہ اطلاع اندر پہنچوائیں؟"

پورن مل نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا "رانی رائسین کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں"۔ یہ کہتے ہوئے پورن مل نے تلوار کمر سے کھول کے محافظ کے حوالے کر دی۔

پورن مل وہاں سے فارغ ہو کے راج محل کی طرف بڑھا راج محل کے گرد بھی ایک فصیل تھی جس میں ایک بڑا سا پھاٹک لگا تھا پورن محل کے گیٹ پر پہنچنے سے پہلے ہی وہ کھول دیا گیا جیسے اس کا انتظار کیا جا رہا ہو۔ گیٹ کے اندر چار مسلح محافظ کنیزیں پورن مل کے استقبال کو موجود تھیں ان سب نے سردار پورن مل کو ادب سے سلام کیا اور آگے آگے چلنے لگیں۔

سامنے ہی سنگ سرخ اور سنگ مرمر سے تعمیر کردہ راج محل کی بلند سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں یہ ایک دو منزلہ خوبصورت عمارت تھی محل کے شت پر بے شمار غلام گردشیں اور چھوٹی چھوٹی حویلیاں بنی ہوئی تھیں ۔ کنیزیں اور پورن مل سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچے تو آگے چلنے والی کنیزیں رک گئیں۔ ان میں سے ایک نے پورن مل کو مخاطب کیا۔

"معزز سردار مجھے اجازت دیجئے کہ آپ کی کمر میں لگے ہوئے خنجر میں آپ سے الگ کر دوں؟"

پورن مل نے کنیز کو گھورا مگر نرمی سے کہا۔

"کیا میں یہ تصور کروں کہ رانی رائسین نے مجھے کھانے پر نہیں بلایا ہے بلکہ مجھے قید میں ڈالنے کے لئے طلب کیا گیا ہے؟"

کنیز نے منہ جھکائے جواب دیا۔ "معزز سردار اس کا جواب تو میرے پاس نہیں ہاں اس بات سے آپ کو آگاہ کر سکتی ہوں کہ راج محل کے اندر آج تک کوئی شخص اسلحہ لے کر داخل نہیں ہو سکا۔"

پورن مل نے کنیز سے الجھنا مناسب نہ سمجھا اور کمر سے خنجر اتار کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ تین کنیزیں وہیں ٹھہر گئیں اور ایک کنیز پورن مل کی رہبری کرتی راہداری سے گزر کر ایک کمرے کے دروازہ پر ٹھہری۔ اس نے آہستہ سے دستک دی اور دروازہ کھل گیا۔ کنیز پورن مل کو لے کر اندر داخل ہوئی۔

"کمرہ آراستہ پیراستہ تھا۔ درمیان میں برابر برابر دو میزیں لگی تھیں جن کے گرد کرسیاں بچھی تھیں۔ پورن نے سمجھ لیا کہ راج محل کا یہ کھانے کا کمرہ ہے۔

کنیز نے کہا۔ "آپ تشریف رکھئے معزز سردار میں عالیہ رانی رائسین کو مطلع کرتی ہوں۔"

پورن مل دیوار کے ساتھ لگی ہوئی کرسیوں کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"کیا رانی رائسین کو میرے آنے کی کوئی اطلاع نہیں؟"

کنیز چلتے ہوئے رک کے بولی۔ "معزز سردار عالیہ رانی رائسین کو آپ کے آنے کی اطلاع اس وقت ہی مل گئی تھی جب آپ اپنی حویلی سے روانہ ہوئے تھے اس کے بعد سے اب تک کی تمام خبریں انہیں مسلسل پہنچائی جا رہی ہیں ہم آپ کے استقبال کو ان کے حکم ہی سے پہنچے تھے۔"

اس وقت کمرے کا ایک دروازہ کھلا اور ایک نہایت خوبصورت حسینہ پروقار قدم اٹھاتی اس کمرے میں داخل ہوئی۔ پورن مل کی آنکھوں میں ایک جھماکہ سا ہوا اور ان کی نظر حسن کے اس پیکر پر جم کے رہ گئیں۔

"باادب محترم سردار۔" آپ عالیہ رانی رائسین کے سامنے ہیں۔"

یہ آواز کنیز کی تھی جو پورن مل کو رانی کی آمد کی اطلاع دے رہی تھی۔ پورن مل نے خود کو سنبھالا اور جھک کر رانی کو تعظیم پیش کی۔ رانی نے سرہلا کر سلام قبول کیا۔ پھر رانی خود میز کے گرد پڑی کرسیوں سے ایک پر بیٹھ گئی اور پورن مل کو اپنے سامنے کی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پورن مل جو کرسی سے اٹھ کر منہ کھولے رانی رائسین کو ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہا تھا۔ رانی کی آواز پر چونکا اور رانی کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

ایک کنیز چاندی کی تھالی لئے ہوئے آئی۔ تھالی میں دو شیشے کے گلاس ایک جگ رکھا تھا جس میں شربت بھرا تھا۔ کنیز نے تھالی رانی رائسین کے سامنے میز پر رکھ دی۔

"گلاس میں شربت بھر دو۔" رانی نے حکم دیا۔

کنیز نے جگ اور گلاس تھالی سے نکال کے میز پر رکھے پھر اس میں شربت بھرا۔ پورن مل پر اب تک سحر کی کیفیت طاری تھی۔ وہ بچپن سے ہی آوارہ مزاج تھا اور اس کی نظر سے ہزاروں لڑکیاں گزر چکی تھی مگر جو دلفریب اور سحرانگیز حسن رانی رائسین کا تھا وہ اس سے پہلے اس کی نظر سے نہ گزرا تھا۔ رانی دست قدرت کا تراشا ہوا ایک حسین پیکر معلوم ہوتی تھی۔ رانی ہونے کی وجہ سے اس کے چہرے پر جمال کے ساتھ ساتھ جلال کا بھی ایک پرتو طاری تھا۔

"شربت پیو پورن مل۔"

رانی کی آواز ایک نغمہ کی طرح پورن مل کے کانوں میں گونجی۔ اس نے گھبرا کے سر کو جھکا دیا' شربت کے گلاسوں کو دیکھا اور نظریں رانی کے چہرے پر جما دیں۔

گھبراؤ نہیں پورن مل۔ "رانی رائسین مسکرائی۔" شربت میں زہر نہیں ملا ہے۔ بے خوف ہو کے پی جاؤ ہم اپنے دشمن کو زہر دے کر نہیں مارا کرتے۔"

پورن مل نے رانی سے نظریں ہٹا کر شربت کے گلاسوں کو دیکھا اور کچھ دیر دیکھتا رہا۔

"پورن مل تم اب بھی شبہ کے گرداب میں مبتلا ہو۔ ان گلاسوں میں سے ایک گلاس تم پیو گے اور دوسرا ہمارے لئے ہے۔" کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"جی۔۔۔" پورن مل نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

"ان میں سے ایک گلاس اٹھا کر تم ہمیں دے دو۔۔۔" رانی نے حکم دیا۔ "اور دوسرا

گلاس تم لے لو۔ اس طرح تمہارا شبہ دور ہو جائے گا۔"

پورن مل نے ایک گلاس اٹھا کے رانی رائسین کی طرف بڑھایا۔ رانی کا دست حنائی بھی گلاس کی طرف بڑھا۔ رانی کی نازک انگلیاں پورن مل کے لوہے کی طرح سخت پنجہ سے ٹکرائیں۔ پوری مل کے پورے بدن میں جیسے بجلیاں دوڑ گئیں۔ اس نے چاہا کہ اپنا ہاتھ کھینچ لے مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ رانی رائسین کی انگلیوں کی گرفت پورن مل کے پنجوں پر مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ رانی کی کنیز اندر آتے آتے دروازے میں رک کر کھڑی ہو گئی۔ پورن مل کی نظر کنیز پر پڑی تو وہ جھجک کے کرسی پر سیدھا بیٹھ گیا۔ رانی بھی سنبھل گئی اور گردن گھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔

"شربت لے جاؤ اور کھانا لگاؤ۔" رانی نے کنیز کو حکم دیا۔

کنیز نے بھرے ہوئے گلاس تھالی میں واپس رکھے اور چلی گئی۔ اب فضا تبدیل ہو گئی تھی۔ رانی کا پرجلال چہرہ گلنار ہو گیا تھا اور پورن مل کے رگ و پے میں کوندے لپک رہے تھے۔ کھانا لگ چکا تو رانی نے حکم دیا۔

"کھانے کے بعد ہم ضروری گفتگو کریں گے مسلح کنیزوں سے کہہ دو کہ خبردار ادھر کوئی نہ آنے پائے۔"

کنیز حکم سن کر جانے لگی تو رانی نے اسے بھی تاکید کی۔ "سنو تم بھی ادھر نہ آنا جب تک ہم طلب نہ کریں۔"

کنیز نے حیران نظروں سے رانی کو دیکھا۔ رانی نے اسے ڈانٹا "جاؤ منہ کیا دیکھ رہی ہو۔" کنیز گھبرا کر تیز قدم اٹھاتی واپس ہو گئی۔

رانی رائسین اور پورن مل میں یوں باتیں شروع ہوئیں جیسے ان میں برسوں کی شناسائی ہو۔ پورن مل خوبصورت تو نہ تھا مگر تنومند اور گرانڈیل تھا۔ سپاہیانہ شان اس کے ہر عضو سے ظاہر تھی۔ پتہ نہیں کب کھانا ختم ہوا۔ رات گزرتی رہی۔ راج محل کے کمروں کی بتیاں ایک ایک کر کے بجھتی رہیں۔ کنیزیں اور غلام منہ سے منہ ملا کر کانا پھوسی میں مصروف ہو گئے۔ قلعہ کے پہریدار پریشان تھے کہ سردار پورن مل راج محل سے اب تک واپس کیوں نہ آیا۔ پورن مل کے وہ سوار جو اسے قلعہ کے دروازے تک پہنچا کے لوٹ گئے تھے اور قلعہ سے تھوڑی دور ہٹ کر کھڑے پورن مل کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے وہ

طرح طرح کے وسوسوں میں الجھ گئے تھے۔ جب رات نصف سے زیادہ گزر گئی تو انہیں یقین ہو گیا کہ رانی رائسین نے پورن مل کو قتل کرا دیا ہے مگر وہ واپس بھی نہیں جا سکتے تھے انہیں اپنے خیالوں اور وسوسوں کی تصدیق کرنا تھی۔

تین گروہوں کی وہ کمیٹی جو مصالحت کرانے کے لئے بنائی گئی تھی اور اپنی کوشش میں ناکام ہو گئی تھی۔ اس وقت اس کا ہر ممبر سخت پریشان اور گھبرایا ہوا تھا۔ انہوں نے پورن مل کو راج محل تنہا جانے سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی مگر ان کے خیال کے مطابق پورن مل پر موت سوار تھی اس لئے وہ سب کے منع کرنے کے باوجود تنہا گھوڑا بھگاتا راج محل چلا گیا تھا۔ مگر یہ کسی کو نہ معلوم تھا کہ پورن مل پر کیا گزری۔ خود راج محل کی کنیزوں کو غلاموں کو بھی کسی بات کا علم نہ تھا۔ رانی کی خاص کنیزیں دور راہداریوں مین کھڑی رانی رائسین کی گھنٹی کی آواز پر لگی تھیں۔ راج محل کے ہر کمرے میں ایک چاندی کی تھالی اور ایک چاندی کی ایک فٹ لمبی چھڑی جس کے ایک سرے پر ایک لٹو سا لگا تھا۔ کمرے کے کونے میں رکھی ہوئی تھی کہ جب رانی رائسین تھالی پر لٹو دار چھڑی سے چوٹ لگاتی تو پورا کمرہ گونج اٹھتا اور اس کی آواز دور دور تک پہنچتی۔ گھنٹی کی آواز سنتے ہی کنزیں اس کمرے کی طرف دوڑ پڑتیں جہاں گھنٹی بجتی تھی۔

مگر آج رات کنیزیں اونگتی رہیں' جمائیاں لیتی رہیں اور ان کے سر ایک دوسرے سے ٹکراتے رہے لیکن ان کے کان گھنٹی کی آواز کو ترستے ہی رہ گئے اور صبح کا تارہ آخری بار چمک کر صبح کی پہنائیوں میں گم ہو گیا۔ پھر نسیم سحر کے خرام ناز کے بعد صبح کی سفیدی راج محل کی برجیوں سے آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگی۔

رانی رائسین کی دو کنیزیں گھبرا کے کھڑی ہو گئیں "تو نے گھنٹی کی آواز سنی؟" ایک نے دوسری سے پوچھا۔

"نہیں۔ مگر شاید خواب میں۔" دوسری نے خوفزدہ لہجے میں جواب دیا۔

"میں نے بھی خواب ہی میں۔۔۔۔"

اس کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ رانی رائسین ریاست کے جواں عمر سردار پورن مل کے ساتھ مسکراتی اور باتیں کرتی برآمد ہوئی۔ کنیزوں نے ادب سے تعظیم پیش کی۔ رانی نے محض سر ہلا دیا اور اسی طرح باتوں میں محو آگے بڑھ گئی۔

"یہ رانی رائسین کدھر جا رہی ہیں؟ ایک کنیز نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ مگر دوسری نے ہنستے ہوئے کہا۔

"رانی رائسین راجہ پورن مل کو رخصت کرنے راج محل کے باہر جا رہی ہے۔"

کنیز نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ رانی اور پورن مل راج محل کا وسیع صحن طے کر کے باہر کی راہداری میں پہنچ چکے تھے۔ محل کے رات بھر جاگے ہوئے سپاہی اور پہریدار اپنی پریشان صورتوں کے ساتھ اپنے اپنے مقام کھڑے ہو گئے تھے۔ رانی رائسین اور پورن مل دنیا سے بالکل بے خبر معلوم نہیں کن باتوں میں الجھے ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ دیکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی کہ راج محل کا پورا عملہ انہیں مشکوک نظروں سے گھور رہا تھا۔

رانی رائسین کو کس کی پروا ہو سکتی تھی۔ وہ خود مختار تھی اس سے کوئی پوچھ گچھ کرنے والا نہیں تھا۔ رہا پورن مل کا معاملہ تو وہ اب پورن مل نہیں تھا بلکہ رانی کے دل کے ساتھ ساتھ پوری ریاست رائسین کا مالک بن چکا تھا۔ پھر جب یہ خبر راج محل سے نکل کر قلعہ اور قلعہ سے باہر پہنچی تو ہر شخص انگشت بدنداں رہ گیا۔ مصالحتی کمیٹی کے ارکان کو تو کسی طرح یقین ہی نہ آتا تھا۔ ان میں دو ممبر اس رات پورن مل کی راج محل سے صحیح و سلامت واپس آنے کی دعا مانگتے رہے تھے مگر صبح ہی صبح انہیں بتایا گیا کہ پورن مل نہ صرف راج محل سے زندہ و سلامت واپس آیا ہے بلکہ وہ تمام رات رانی رائسین کا مہمان بھی رہا ہے۔ یہ بات یقیناً" تسلیم کرنے کے قابل نہ تھی مگر اس وقت رانی رائسین کی خاص کنیز ایک ممبر کے گھر پہنچی اور اس نے رانی کی طرف اطلاع دی

"عالیہ رانی رائسین نے سردار پورن مل کو ریاست کا سربراہ مقرر کئے جانے کی بھرپور حمایت کی ہے اس کی اطلاع تمام متعلقین تک پہنچا دی جائے۔"

پورن مل کی مخالفت کسی سمت سے بھی نہیں ہوئی وہ رعایا اور دوسرے سرداروں میں مقبول بھی تھا اور سب سے زیادہ بہادر اور جوانمرد بھی۔ جہاں تک اس کی عیاشی اور آوارگی کا سوال تھا تو لوگوں کو یہ یقین تھا کہ ریاست کی ذمہ داریاں سر پر پڑنے سے پورن مل کی عقل ٹھکانے آ جائے گی اور اس کی ساری عیاشی اور بدمعاشی دھری کی دھری رہ جائے گی۔

لیکن یہ خیال بالکل غلط ثابت ہوا۔ اس کی آوارگی کو ریاستی ذمہ داریوں نے دبانے کے بجائے اور ابھار دیا پھر اس میں اس قدر اضافہ ہوا کہ لوگ کھلے عام انگشت نمائی کرنے

لگے۔ پھر بھی ریاست کے عوام کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچا کہ ریاست میں ہندو اکثریت میں تھے۔ اور پورن مل کی عیاشیوں کا نشانہ مسلم آبادی بنتی تھی جو اقلیت میں تھے۔ پورن مل نے ایک حکمت عملی یہ بھی اختیار کی تھی کہ وہ ریاست کے مسلمان گھرانوں کو کم ہی نشانہ بناتا بلکہ سپاہیوں کا ایک دستہ لے کر ریاست سے باہر نکل جاتا اور قرب و جوار کی مسلم آبادیوں کو تاراج کرتا۔ محلے کے محلے ویران ہو جاتے۔ مزاحمت کرنے والوں کو قتل کر دیا جاتا۔ قیمتی سامان لوٹا جاتا اور جوان لڑکیاں اور خواتین کو پورن مل گرفتار کر کے لے جاتا۔

t t t

فرید خاں کوسہسرام ایک بار پھر چھوڑنا پڑا۔ فرید خاں حالات کی نزاکت کے پیش نظر چپ چاپ جاگیر سے دست بردار ہو گیا۔ روانگی سے پہلے اس نے باپ کو ایک مختصر خط لکھا۔

محترم پدر بزرگوار

مجھے جب تک آپ کا تعاون اور اعتماد حاصل رہا میں جاگیر کے حالات درست کرنے میں مصروف رہا اب جب کہ آپ کا اعتماد مجھ سے اٹھ گیا ہے۔ میں سہسرام چھوڑ کے جا رہا ہوں آپ بلا جھجک جاگیر کو سلیمان خاں اور احمد خاں کے حوالے کر سکتے ہیں۔

آپ کا بیٹا
فرید خاں

حسن خاں نے فرید خاں کا خط لانے والے کے ہاتھوں اس کا جواب بھجوایا۔

پیارے بیٹے فرید خاں

میں تمہاری امانت، دیانت، اہلیت اور قابلیت سے واقف ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ جاگیر کا انتظام سلیمان خاں اور احمد خاں سنبھالنے کے بجائے اسے اور خراب کر دیں گے لیکن تمہارے جاگیر چھوڑنے سے شاید تمہاری ماں کو خوشی اور میری زندگی میں سکون سے گزرے

اس لئے تمہیں اجازت دیتا ہوں۔

تمہارا باپ
حسن خاں

کئی باتیں ہو چکی تھیں۔ فرید خاں کے دوستوں اور سور خاندان کے دوسرے سرداروں نے بہت کوشش کی کہ باپ بیٹوں میں کوئی سمجھوتہ ہو جائے مگر فرید خاں نے اس وقت سوتیلی ماں اور سوتیلے بھائیوں کے سامنے سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا اور سہسرام چھوڑ دیا۔

ہند کے سلطان ابراہیم لودھی نے آگرہ کو دارالسلطنت بنایا تھا۔ دہلی میں اس کا گورنر رہتا تھا۔ فرید خاں سہرام سے نکل کر سیدھا آگرہ پہنچا اور دولت خاں لودھی کے حلقہ احباب میں شامل ہو گیا۔ دولت خاں بڑا سردار ہونے کے علاوہ آگرہ کا گورنر بھی تھا اور اس کے حلقہ میں بہت بڑے بڑے سردار اور امراء شامل تھے۔

فرید خاں نے دولت خاں لودھی کی صحبت میں رہ کر اس کی بڑی خدمت کی۔ انہی دنوں جب فرید خاں کسی نہ کسی امیر کے ساتھ شاہی دربار میں پہنچ جایا کرتا تھا ایک دن جب فرید خاں دربار میں موجود تھا تو اطراف ریاست رائسین کے سادات اور دوسرے مسلمانوں کا ایک وفد فریاد لے کر سلطان ابراہیم لودھی کے سامنے حاضر ہوا۔

سلطان کے دربار میں یہ وفد دولت خاں لودھی ہی کے توسط سے پہنچا تھا۔ دولت خاں لودھی نے وفد کو متعارف کراتے ہوئے کہا۔

"عالی جاہ یہ باعزت اور شریف اشخاص ریاست رائسین کے قرب و نواح کے باسی ہیں اور ریاست کے سربراہ بھیا پورن مل کے زخم خوردہ ہیں۔ ازراہ کرم و بندہ نوازی مظلوموں کی فریاد سنی جائے۔"

سلطان ابراہیم نے بڑی بے دلی سے منہ بنا کر فریادیوں کی طرف دیکھا اور کہا۔

"فریاد بیان کی جائے؟"

ایک سید زادے نے درد بھری آواز میں کہا۔

"اے تاجدار ہند۔ بھیا پورن مل سربراہ ریاست رائسین نے ہم پر سخت ظلم ڈھائے ہیں۔ ہمارے دیہاتوں کو تاخت و تاراج کر ڈالا ہے۔"

ایک دوسرے بزرگ نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

"ہماری عورتوں کو زبردستی ہم سے چھین کے اپنے گھروں میں ڈال لیا ہے۔"

دوسرے مظلوم نے بتایا "پورن مل ہمارے لڑکوں کو پکڑ کر لے جاتا ہے اور انہیں فروخت کر دیتا ہے۔"

تیسرا فریادی بولا۔ "ظل اللہ ظالم اور بدمعاش پورن مل ہماری بچیوں کو پکڑ لے جاتا ہے اور انہیں ناچنے اور شراب پلانے پر مجبور کرتا ہے۔"

آخر میں سید زادے نے التجا کی۔

"ہم عالی جاہ سے فریاد کرتے ہیں کہ ہماری مدد کی جائے اور ہمیں اس کے ظلم سے نجات دلائی جائے۔"

ان الم ناک اور شرمناک واقعات کو سن کر سلطان دربار کے ہر سردار کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ پورن مل کی چیرہ دستیوں پر فرید خاں کو سب سے زیادہ غصہ آیا۔

مسلمان بچوں کی بردہ فروشی، مسلم دوشیزاؤں کو زبردستی پکڑ لانا اور ان سے رقص کرانا اور ساقی گری کا کام لینا، یہ تمام مظالم اس قدر گھناؤنے تھے کہ فرید خاں کے تن بدن میں جیسے شعلے بھڑک اٹھے۔ اس نے سلطان ہند ابراہیم لودھی کی طرف دیکھا اور خود ہی اس نتیجے پر پہنچا کہ تاجدار ہند نہ صرف مظلوموں کی دادرسی کرے گا بلکہ فوراً ایک فوج رائسین بھیج کر پورن مل کا ہمیشہ کے لئے قلع قمع کرا دے گا۔

مگر اس کا یہ خیال بس خیال ہی رہ گیا بکھر کر رہ گیا۔ سلطان نے مظلومین پر ایک نظر غلط انداز ڈالی پھر منہ گھما لیا۔ سلطان کے منہ پھیرنے کا یہ مطلب ہوتا تھا کہ وہ اس بات اور اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ چنانچہ سرداروں کی چڑھی ہوئی تیوریاں سیدھی ہو گئیں اور پورے دربار پر ایک سرد لہر سی دوڑ گئی۔

دربار میں فرید خاں ہی وہ واحد شخص تھا جس کے بھڑکے ہوئے جذبات دوسرے درباریوں کی طرح سرد نہیں پڑے بلکہ وہ زیادہ بھڑک اٹھے۔ وہ دربار میں نہ ٹھہر سکا اور مظلوم فریادیوں کو منہ لٹکائے دربار سے جاتے ہوئے دیکھ کر اس قدر بے چین ہوا کہ وہ خود بھی ان کے پیچھے دربار سے نکل گیا۔

دربار سلطانی سے باہر آ کر فرید خاں نے اپنی اشک آلود نظروں کو آسمان کی طرف اٹھایا

اور صدق دل سے اس طرح گویا ہوا۔

"اے خداوند اگر تو مجھے یہاں کی حکومت
عنایت فرمائے تو میں اس ظالم سے مظلوموں
کا بدلہ لوں اور اسے اس ظلم کی سزا دوں۔"

ان مظلوموں کی آہوں سے عرش الٰہی پہلے ہی لرز رہا تھا اور وہاں یہ فیصلہ ہو گیا تھا کہ یہ شخص یعنی سلطان ہند ابراہیم لودھی اس قابل نہیں کہ حکومت کر سکے۔

اس کے فوراً بعد فرید خاں کے دل سے نکلی ہوئی دعا اس مالک کون و مکاں کے سامنے پیش کی گئی تو اسے فوراً قبولیت کے خانہ میں رکھ دیا گیا۔ خداوند تعالیٰ کو فرید خاں کی یہ ادا ضرور پسند آئی ہو گی۔ فرید خاں کی اس دعا سے کم از کم یہ بات تو ظاہر ہو گئی کہ وہ شروع ہی سے حکومت کے خواب دیکھتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس دور کے حکمرانوں کی حقائق سے چشم پوشی دیکھ کر فرید خاں میں یہ اعتماد پیدا ہوتا جا رہا تھا کہ وہ حکومت کا کام ان سے زیادہ بہتر طور پر چلا سکتا ہے۔

فرید خاں آگرہ ہی میں تھا کہ اس کے باپ حسن خاں کا انتقال ہو گیا۔ فرید خاں کے دست بردار ہونے کے بعد حسن خاں نے سلیمان خاں کو جاگیر کے کام پر مامور کر دیا تھا اور اس نے برے رویہ کی وجہ سے چند ہی دنوں میں پوری رعیت کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ رعیت کا کوئی نہ کوئی شخص ہر روز سلیمان خاں کی زیادتیوں کی شکایت لے کر حسن خاں کے پاس جاتا۔ حسن خاں جانتا تھا کہ شکایت درست ہے مگر اسے بیوی کی وجہ سے سلیمان خاں کی پاسداری کرنا پڑتی اور شکایت کرنے والے کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیتا تھا۔ پھر جب اس کا ور سلیمان خاں کا سامنا ہوتا تو حسن خاں بیٹے کو سختی سے منع کرتا کہ وہ رعیت سے بنا کے رکھے اور ان پر زیادتی سے باز رہے۔

حسن خاں کے مرتے ہی سلیمان خاں پر باپ کا جو ہلکا سا خوف تھا وہ بھی ختم ہو گیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ وہ خود اپنے آپ کو جاگیردار ہونے کا اعلان کر دے گا۔ چنانچہ اس نے اس کے لئے دن اور تاریخ مقرر کی اور ایک بڑے جشن کا اعلان بھی کر دیا۔

فرید خاں کو باپ کے مرنے کی کوئی خبر نہ تھی مگر اس کا چھوٹا بھائی نظام خاں اسی علاقہ میں موجود تھا۔ اسے جب خبر ملی کہ سلیمان خاں فلاں تاریخ اور فلاں دن اپنے جاگیردار

ہونے کا اعلان کر رہا ہے تو اس نے فوراً" دوستوں کو جمع کرنا شروع کیا اور پھر عین جشن جاگیرداری کے دن نظام خاں بیس سوار دوستوں کے ساتھ سہسرام پہنچ گیا۔

سہسرام میں جاگیردار کی بڑی حویلی میں یہ جشن منایا جا رہا تھا۔ نظام خاں کو شمشیر کیف اور مسلح سواروں کے ساتھ دیکھ کر حاضرین جشن میں بھگدڑ مچ گئی۔ نظام خاں گھوڑے سے کود کر شمشیر لہراتا ہوا سلیمان خاں کے سر پر پہنچ گیا۔ اس وقت سلیمان خاں فرش قالین پر بچھے ہوئے ایک تخت پر جسے ایک چھوٹے سے شامیانہ سے مرصع کیا گیا تھا کھڑا تھا۔ اس کے پاس اس کا چھوٹا بھائی احمد خاں' مرحوم حسن خان کی "دستار" لئے موجود تھا۔ سہسرام کی جامعہ مسجد کے پیش امام تخت کے قریب پہنچ چکے تھے۔ انہیں اس لئے بلوایا گیا تھا کہ اس "جشن دستار بندی" کو مذہبی رنگ دیا جائے تاکہ عوام کو اس پر اعتراض کرنے کی جرات نہ ہو۔

نظام خاں کے آنے سے رنگ محفل بگڑ گیا اور حاضرین کو اپنی اپنی جان کی پڑ گئی۔ پھر جس کا جدھر منہ اٹھا وہ ادھر بھاگ لیا۔ سلیمان خاں کا خوف سے رنگ پیلا پڑ گیا۔ اس کی ماں چاندنی جو حویلی کی بالکونی پر کھڑی جشن کا تماشہ دیکھ رہی تھی۔ اس نے وہیں سے چیخ ماری۔

"خدا کے لئے میرے بچے کو نہ مارو۔ تمہیں اپنے باپ کی قسم نظام خاں میرے بچے کو کچھ نہ کہنا۔"

اس محفل میں سیکڑوں آدمی جمع تھے مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ سلیمان خاں کی حمایت پر آتا اور نظام خاں کا مقابلہ کرتا۔ سب دم بخود کھڑے ٹکر ٹکر دیکھ رہے تھے۔ دراصل ان سب کے ضمیر مجرم تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ تمام کام غلط ہے۔ جاگیردار حسن خاں کا بڑا بیٹا فرید خاں موجود تھا۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور کو جاگیردار کیسے بنایا جا سکتا ہے۔ نظام خاں نے جب تمام محفل کو خاموش اور سہا ہوا دیکھا تو اس نے تلوار نیام میں ڈالی اور آگے بڑھ کر احمد خاں کے ہاتھ سے اپنے باپ کی دستار چھین لی اور تلخ لہجے میں بولا۔

"سلیمان خاں کان کھول کر سن لے فرید خاں کی موجودگی میں باپ کی دستار پر نہ تیرا حق ہے نہ میرا۔ تو اپنے بڑے بھائی کے حق کو غصب کرنا چاہتا ہے لیکن ہم تجھے ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ تو نہ خدا سے ڈرتا ہے اور نہ تجھے خلق خدا سے شرم آتی ہے۔ تجھے ملکی

قانون کا اچھی طرح علم ہے۔ سلطان سکندر لودھی کے عہد حکومت سے اس سلطنت کا دستور اور قاعدہ یہ ہے کہ باپ کی جاگیر بڑے بیٹے کو ملتی ہے۔ ہمارے باپ کی زندگی میں تم دونوں بھائیوں نے اپنی ماں کی مدد سے ہمارے ساتھ تو کیسی کیسی زیادتیاں کی ہیں۔ تیرے اس سلوک کے خلاف ہم نے اس لئے آواز اٹھائی کہ ہم باپ کے سامنے زبان کھولنا بے ادبی سمجھتے ہیں مگر اب تم لوگ بڑے بھائی کی حق تلفی نہیں کر سکتے اور اگر تم تلوار سے فیصلہ کرنا چاہتے ہو تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔

اب تمہاری عافیت اسی میں ہے اور یہی تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم بڑے بھائی کا حق تسلیم کرو۔ بڑے کو بڑا سمجھو اور اس کے ساتھ خلوص اور وفاداری کا عہد کرو۔ کسی قسم کا جھگڑا پیدا کرنے کی کوشش نہ کرو تاکہ خاندان کے افراد میں نفاق پیدا نہ ہو۔ ہمارے باپ نے جائیداد میں تمام بھائیوں کا حصہ مقرر کر دیا ہے تم اپنا وہ حصہ ہم سے لے لو اور اس پر قانع اور شاکر رہو مگر جاگیر کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ اس حصہ سے بھی محروم ہو جاؤ گے جو تمہیں دیا گیا ہے----"

اس وقت تک جاگیردارنی چاندنی بھی چیختی چلاتی اور لوگوں کو ہٹاتی وہاں پہنچ گئی اور سلیمان خاں کے سامنے جس کے خوف کی وجہ سے پیر تھرتھرا رہے تھے' کھڑی ہو گئی اور انتہائی خوشامدانہ لہجے میں بولی۔

"نظام خاں تم بھی میرے بیٹوں کے مانند ہو۔ ہمیں جاگیر نہیں چاہئے تم سب کچھ لے لو مگر میرے بیٹے کو کچھ نہ کہو۔"

نظام خاں نے جواب میں کہا۔ "آپ بھی ہماری ماں ہیں ہم کسی کے حق پر ڈاکہ نہیں ڈلنا چاہتے۔ باپ نے ہم بھائیوں کا جو حصہ مقرر کیا ہے وہ حصہ سب کو ملے گا مگر جاگیرداری کی دستار صرف فرید خاں ہی کے سر پر باندھی جا سکتی ہے۔"

سلیمان خاں کی بھی عقل ٹھکانے آ گئی تھی۔ اس نے نظام خاں کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ فرید خاں کا فرمانبردار رہوں گا اور مجھے امید ہے کہ آپ ہم دونوں کو اپنا چھوٹا بھائی سمجھیں گے اور ہمارا خیال رکھیں گے۔"

معززین شہر جو اس محفل میں مدعو تھے انہوں نے جب دیکھا کہ جھگڑا ختم ہو گیا ہے

اور دونوں پارٹیاں صلح صفائی پر آمادہ ہیں تو وہ بھی آگے بڑھے۔ سب سے پہلے قاضی شہر نے بڑھ کر نظام خاں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"بے شک جاگیردار حسن خاں کی دستار کا اصل وارث ان کا سب سے بڑا بیٹا فرید خاں ہے اور یہ دستار اسی کے سر پر باندھی جائے گی۔ نظام خاں تم مبارک باد کے قابل ہو کہ عین وقت پر پہنچ کے ایک غلط کام ہونے سے روک دیا۔"

"قاضی محترم۔" نظام خاں بھی با ادب ہو گیا۔ "میں اسی وقت ایک قاصد بھائی فرید خاں کی طرف بھیج رہا ہوں کہ وہ جلد سے جلد یہاں پہنچ کر جاگیر کا انتظام سنبھالیں۔"

"ٹھیک ہے ایسا ہی ہونا چاہئے۔" قاضی شہر نے تائید کی۔ "ہم لوگ فرید خاں کی قابلیت اور اہلیت سے اچھی طرح واقف ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ جب تک جاگیر کا انتظام اس جوان کے پاس رہا جاگیر پھلتی پھولتی رہی مگر ان کے جانے کے بعد یہاں ایک بار پھر دھونس' دھاندلی اور ظلم کا بازار گرم ہو گیا۔ ہم سب فرید خاں کو پسند کرتے ہیں اور ان کے آنے پر ان کا شاندار استقبال کریں گے۔"

محفل جشن دستار بندی منسوخ کر دی گئی۔ سلیمان خاں اور احمد خاں اپنی ماں چاندنی کو لے کر حاجی پور اپنی پرانی حویلی میں واپس چلے گئے۔ نظام خاں نے عارضی طور پر سہرام کا انتظام سنبھال لیا اور تفصیلی خط کے ذریعہ فرید خاں کو والد کی وفات کی خبر اور سہرام کے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے اسے فوراً "سہسرام پہنچ کر جاگیر کا انتظام سنبھالنے کی درخواست کی۔

فرید خاں کو باپ کے انتقال کا بہت صدمہ ہوا۔ اس کے تعلقات اگرچہ باپ سے کشیدہ تھے مگر باپ آخر باپ ہوتا ہے اسے اپنی تمام کوتاہیوں کے باوجود فرید خاں کی قابلیت اور اہلیت کا پورا احساس تھا اور اس کا وہ افغان سرداروں کے سامنے برملا اعلان بھی کرتا تھا۔

افغانستان میں جہاں سے ہجرت کر کے یہ افغان قبائل ہندوستان آئے تھے وہاں وراثت کی تقسیم کا یہ طریقہ تھا کہ باپ کے انتقال کے بعد جاگیر اس کے بیٹوں میں برابر برابر تقسیم ہو جاتی تھی مگر ہندوستان میں اس قسم کا قانون وراثت رائج نہ تھا۔ سلطان سکندری کے عہد میں یہ قانون (بادشاہ کی زبان قانون ہوتی تھی) جاری ہوا تھا کہ باپ کے انتقال کے بعد اگر وہ کسی جاگیر کا مالک ہے تو جاگیر کی ملکیت سب سے بڑے لڑکے کو منتقل ہو گی اور

دوسرے بیٹوں کو گزارہ لاؤنس جاگیر سے ملتا رہے گا۔

نظام خاں نے اسی قانون کی بنا پر سلیمان خاں کو باپ کی "دستار جاگیرداری" اپنے سر پہ سجانے سے روک دیا تھا اور اس کی اطلاع فرید خاں کو بھجوا دی تھی۔ اس اندوہناک خبر کا فرید خاں کے لئے ایک خوشگوار پہلو یہ تھا کہ وہ باپ کے اس احترام اور جبر سے آزاد ہو گیا تھا جو اس نے خود پر بحیثیت ایک سعادت مند بیٹے کے طاری کر رکھا تھا۔ پس اس نے غم کی اس گرد کو جلد ہی اپنے ذہن سے دور کیا اور اپنے مستقبل کی طرف از سر نو نظریں دوڑائیں۔

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ فرید خاں نے دولت خاں لودھی گورنر آگرہ کے ذریعہ اپنے باپ کی زندگی میں سہسرام کی جاگیر اپنے نام منتقل کرانے کی کوشش کی تھی مگر سلطان ابراہیم لودھی نے دولت خاں کی اس تجویز کو نہ صرف رد کر دیا تھا بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ بیٹا کیسا نالائق ہے کہ باپ کی شکایت کرتا ہے حالانکہ فرید خاں واقعی مظلوم تھا اور سوتیلی ماں کی وجہ سے جاگیر سے بے دخل کر دیا گیا تھا۔

مگر اب حالات تبدیل ہو چکے تھے۔ سہسرام کا جاگیردار فوت ہو چکا تھا اور اس کا بڑا بیٹا فرید خاں' سلطان ہند کے پاس آگرہ ہی میں موجود تھا۔ ایک بار پھر دولت خاں لودھی' فرید خاں کو ساتھ لے کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے سفارش کی کہ حسن خان کی جاگیر فرید خاں کو عطا کی جائے۔ چنانچہ سلطان ابراہیم لودھی نے سہسرام کی جاگیر کا فرمان فرید خاں کے حق میں جاری فرمایا۔

سلطان ابراہیم لودھی نے اس فرمان میں فرید خاں کو مزید حکم دیا۔

"فرید خاں ولد حسن خاں اپنے پرگنوں اور سہسرام کا معقول انتظام کرنے کے بعد دارالسلطنت آگرہ واپس آئے اور درباری خدمت سے منسلک رہے۔"

اس دور شاہی میں سلطان کے بڑے بڑے امراء' وزرا اور جاگیردار دربار شاہی کی رونق بڑھانے اور رعیت پر رعب داب قائم رکھنے کے لئے دارالسلطنت میں مقیم رہتے تھے۔ اور ان کو عطا کی گئی جاگیروں کی دیکھ بھال ان کے مقررہ عزیز و اقارب یا دوسرے ملازم کیا کرتے تھے۔ یہی حکم فرید خاں کو دیا گیا تھا۔

فرید خاں بلا تاخیر دولت خاں سے رخصت ہو کو سہسرام پہنچا۔ جاگیر کی رعایا فرید خاں

کے حسن سلوک انتظامی اصولوں کی پہلے ہی قائل تھی۔ اس لئے جاگیردار کا جواب شاہی فرمان کے تحت مستقل جاگیردار بنا دیا گیا تھا۔سہسرام میں زبردست استقبال ہوا۔ اس استقبال میں اس کے تمام بھائی اور خاص کر اس کی سوتیلی ماں چاندنی نے بھی شرکت کی۔ اس چالاک عورت نے اپنے کردار یا گفتار سے یہ قطعی ظاہر نہ ہونے دیا کہ اس کے دل میں فرید خاں کے لئے کتنا بغض اور کیسی نفرت بھری ہوئی ہے اور یہ نفرت اسے اندر ہی اندر جلا کر ڈال رہی ہے۔

فرید خاں سہسرام پہنچتے ہی جاگیر کے انتظام میں لگ گیا۔ بظاہر وہ اپنے جاگیر کے معاملات میں الجھا ہوا تھا مگر اس کی تمام تر توجہ اپنی سوتیلی ماں چاندنی اور اس کے دونوں بیٹوں کی طرف تھی۔ اسے معلوم تھا کہ چاندنی اور اس کے بیٹوں نے اسے دل سے سہسرام کا جاگیردار تسلیم نہیں کیا اور وہ وقتی طور پر خاموش ہوئے ہیں۔

پس جب فرید خاں نے جاگیردار کے اندر اور باہر کے حالات سے باخبر رہنے کے لئے پرچہ نویسوں اور جاسوسی کا ایک چھوٹا سا ادارہ قائم کیا تو اس سوتیلی ماں اور بھائیوں پر بھی جاسوس مقرر کئے۔ یہ کام فرید خاں نے ایک مرد اور ایک عورت کے سپرد کیا۔ یہ دونوں چاندنی کے پاس پہنچ کے معمولی مشاہرہ پر اس کے گھریلو ملازمین میں شامل ہو گئے اور درپردہ ماں بیٹوں پر نظریں رکھیں۔

فرید خاں کے دوبارہ جاگیردار بننے کے بعد سلیمان خاں اور احمد خاں دونوں نے سہسرام کے کئی چکر لگائے تھے مگر یہ لوگ وہاں چھپ کے جاتے اور اپنے ہمدردوں کے گھروں میں قیام کرتے تھے۔ چاندنی کا منصوبہ یہ تھا کہ جاگیر میں فرید خاں کے دشمنوں کو تلاش کیا جائے اور ان سے ساز باز کر کے کسی نئی سازش کی ابتداء کی جائے مگر ان دونوں کو سہسرام میں ایک آدمی بھی ایسا نہ مل رہا تھا جسے وہ اپنی سازش میں شریک کرتے۔ ہر زبان پر فرید خاں کی قابلیت اور اس کے عدل و انصاف کا ذکر تھا۔ اس لئے وہ سہسرام میں سازش تیار کرنے میں قطعی ناکام ہو گئے اور ان کے ہمدردوں میں جو دراصل ان دونوں بھائیوں کے ذاتی دوست تھے' ایک آدمی کا بھی اضافہ نہ ہو سکا۔

ایک دن سلیمان خاں' سہسرام کے خفیہ دورے سے ناکام و نامراد واپس آیا تو وہ بہت مضمحل اور بددل تھا۔ اس نے ماں کے سامنے پہنچتے ہی اپنی ناکامی کا رونا رونا شروع کر دیا۔

"ماں فرید خاں کے ہاتھ تو جاگیر پر روزبروز مضبوط ہوتے چلے جا رہے ہیں جس کو دیکھو اس کا کلمہ پڑھتا ہے۔ ہر طرف اس کی نیکی اور ایمانداری کا ذکر ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ فرید خاں میں وہ کونسے سرخاب کے پر لگے ہیں جس کی وجہ سے لوگ اسے سر پر بیٹھاتے ہیں۔ آخر ہم دونوں بھی تو جاگیردار حسن خاں کے بیٹے ہیں۔"

چاندنی اس سے زیادہ مضمحل اور دل برداشتہ تھی۔ حسد کی آگ نے اس کے کلیجے کو جلا کے رکھ دیا تھا۔ اس نے بیٹے کی باتیں بڑے تحمل سے سنیں پھر بولی۔

سلیمان خاں میں تم سے زیادہ دکھی ہوں۔ تم تو منہ سے بول کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتے ہو میں کس سے اپنا دل کا حال بیان کروں کس کے پاس فریاد لے کر جاؤں؟" اس وقت اس کا چھوٹا بیٹا احمد خاں بھی وہیں آ گیا اور ان کے مشوروں میں شریک ہو گیا۔

سلیمان خاں بڑی بے دلی سے بولا۔ "ماں۔ اگر جلد ہی فرید خاں کے ہاتھ نہ توڑے گئے تو جاگیر پر یہ ہاتھ اس قدر مضبوط ہو جائیں گے کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہو جائے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو سلیمان۔" چاندنی نے بیٹے کو ہلکا سا سہارا دیا۔ "مگر اب یہ کام سیدھی انگلیوں سے ہوتا معلوم نہیں ہوتا۔ اس کے لئے تمہیں انگلیاں ٹیڑھی کرنا پڑیں گی؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا میں سمجھا نہیں؟" سلیمان خاں نے حیران نظروں سے چاندنی کو دیکھا۔ آج وہ اپنی ماں کے چہرے پر ایک عجیب طرح کی سختی اور کرختگی محسوس کر رہا تھا۔

"تم نے اپنی ماں کو کبھی سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی میرے بیٹو؟" چاندنی کی آواز بڑی پرعزم معلوم ہو رہی تھی۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی سازشوں اور چھپ کے حملہ کرنے سے ہم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تم دونوں جوان ہو۔ تمہارے بازوؤں میں طاقت ہے اور تمہیں اپنی خفیہ طاقتوں سے کام لینا ہو گا۔"

چھوٹے بیٹے احمد خاں نے ماں کے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے اور اٹھلا کے کہا۔

"پیاری ماں۔ میرے بازو بہت مضبوط ہیں۔ آپ حکم تو دیجئے کہ میں ان سے کام لوں؟"

"حکم یہ ہے ـــ" چاندنی شیرنی کی طرح غرائی۔ "ان ہاتھوں میں تلوار سنبھالو اور اپنے دشمن فرید خاں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔"

دونوں بھائی چاندنی کے اس اظہار پر بہت متعجب ہوئے۔ سلیمان خاں بولا۔

"ماں ہم تمہارا حکم بجا لانے کے لئے تیار ہیں مگر ہمیں بتاؤ تو کہ ہم فرید خاں تک کیسے پہنچیں۔ وہ جاگیردار ہے۔ طاقت اس کے ہاتھ میں ہے۔ پانچ سو سواروں کا دستہ ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے پھر ہم اس تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟"

"تمہیں اس کے پاس جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔" چاندنی نے جواب دیا۔ "تم تو اس کو آواز دے کے میدان میں بلاؤ گے اور پھر ثابت کرو گے کہ تم میں جوانمرد اور شمشیر زن کون ہے؟ فرید خاں کو سازشوں سے نہیں بلکہ میدان جنگ میں شکست دی جا سکتی ہے اور اب یہی میرا فیصلہ ہے۔

سلیمان خاں اور احمد خاں کی سمجھ میں پھر بھی کچھ نہ آیا۔ سلیمان خاں نے دریافت کیا۔ "ماں آج تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ کہاں کا میدان اور کیسی جنگ؟ ہمارے پاس فوج کہاں سے آئے گی کہ ہم سہرام پر حملہ کریں۔"

"فوج کا ہمیں خود انتظام کرنا ہو گا۔" چاندنی اب پر سکون ہو گئی تھی۔

"مگر کس طرح۔ کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ ماں؟" سلیمان خاں کو الجھن محسوس ہونے لگی۔ آج اس کی ماں کچھ عجیب عجیب سی باتیں کر رہی تھی۔

"میں تمہیں بتاتی ہوں۔" تم نے بچپن میں سردار محمد خاں سوری شاہ خیل کا نام اپنے باپ کی زبان سے اکثر سنا ہو گا؟" دونوں نے یہ نام زیر لب دہرایا۔ پھر سلیمان پیشانی پر ہاتھ رکھ کے بولا۔ "ماں مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس طرح کا ایک نام میں نے بابا جان کی زبان سے ایک دوبار سنا تھا مگر یہ یاد نہیں پڑتا کہ وہ کون تھا اور بابا کا اس سے کیا تعلق تھا؟

"سردار محمد خاں سوری تمہارے باپ حسن خاں کا شدید مخالف بلکہ جانی دشمن تھا۔"
چاندنی نے ٹھہر ٹھہر کے کہنا شروع کیا۔ سور قبیلہ کا افغان ہونے کی وجہ سے وہ ہندوستان میں سوری افغانوں کا سردار اعلیٰ بننا چاہتا تھا مگر تمہارے باپ نے اس راستے میں قدم قدم پر رکاوٹیں پیدا کیںع اور اپنی زندگی میں سردار محمد خاں کو "سوریوں" کا سردار نہ بننے دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تمہار باپ خود "سوریوں" کی قیادت کے خواب دیکھا کرتا تھا۔"

یہ کہہ کر چاندنی سانس لینے کو ٹھہری تو چھوٹا بیٹا احمد خاں بے چین ہو گیا۔

"ماں تم کیسی الجھی بات کر رہی ہو ایک تو اس بات کا پتہ نہیں کہ سردار محمد خاں اس

وقت زندہ بھی ہے کہ نہیں اور اگر وہ زندہ ہے تو وہ ہماری مدد کیوں کرے گا۔ وہ تو بابا خاں کا جانی دشمن تھا؟"

چاندنی نے نرم لہجہ اختیار کیا۔ "یہی بات تو سمجھنے کی ہے میرے بیٹے جس طرح تمہارے باپ نے سردار محمد خاں کو سوریوں کا سردار بننے سے روکا تھا اسی طرح اب تمہارا دشمن فرید خاں، سردار محمد خاں کو سوریوں کا سردار نہیں بننے دے گا۔"

سلیمان خاں نے چونک کر ماں کو دیکھا۔ پھر خوش ہو کے چلایا۔

"ماں۔ میری ماں۔ تم کس قدر عقلمند ہو۔ میں نے یہ تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ سردار محمد خاں سوری واقعی ہماری مدد کر سکتا ہے؟"

"کس طرح بھائی جان؟" احمد خاں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔

"وہ اس طرح۔" سلیمان خاں نے وضاحت کی۔ "ہم اگر سردار محمد خاں کے پاس پہنچ کے اس سے یہ کہیں کہ ہم اسے سوریوں کا سردار تسلیم کرتے ہیں تو وہ اس کے جواب میں ہماری مدد پر فوراً" آمادہ ہو جائے گا۔"

"شاباش میرے بیٹے۔" اور چاندنی نے فوراً" سلیمان خاں کو کھینچ کر اپنے سینے سے لگایا۔" تم صحیح معنوں میں میرے بیٹے ہو اور اگر قسمت نے یاوری کی تو سہرام کے تم ہی جاگیردار ہو گے۔"

سلیمان خاں نے خوشامدانہ لہجہ اختیار کیا۔

"ماں ہم لوگ خوش قسمت ہیں کہ ہمیں تمہاری جیسی ذہین اور عقلمند ماں ملی ہے۔ مگر اب ہمیں یہ بتاؤ کہ ہمیں اس سلسلہ میں کیا قدم اٹھانا چاہئے؟

"تمہارا کیا خیال ہے ہمارا پہلا قدم کیا ہو سکتا ہے؟" چاندنی نے بیٹے کی ذہانت کو آزمانے کی کوشش کی۔

یہ بڑا نازک اور اہم معاملہ تھا۔ سردار محمد خاں سے گفتگو کے دوران بڑے تحمل اور حوصلہ کی ضرورت تھی۔ اس لئے چاندنی اپنے بیٹے سلیمان خاں کو اس سلسلہ میں اچھی طرح ٹھوک بجا کر دیکھنا چاہتی تھی۔ اس سے یہ سوال اسی وجہ سے کیا گیا تھا۔

"ماں۔ تم بالکل فکر نہ کرو۔ جو بات تم نے بتائی ہے اس کی روشنی میں مجھے سردار محمد خاں کا تعاون ضرور حاصل ہو جائے گا۔ میں گفتگو کر لوں گا ان سے۔"

"مجھے تم پر بھروسہ ہے سلیمان۔" چاندنی نے بیٹے کی تعریف کی۔ "میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم باتیں بنانا بھی خوب جانتے ہو مگر یہ ایک خالص سیاسی اور جنگی مسئلہ ہے تمہیں بہت احتیاط برتنا ہو گی اور سوچ سمجھ کے بات کرنا ہو گی اچھا فرض کرو کہ تم سردار محمد خاں کے دربار میں پہنچ گئے۔ سلام دعا کے بعد تم کس طرح سلسلہ گفتگو کا آغاز کرو گے؟"

سلیمان نے ایک لمحہ سوچا پھر کہا۔ "میں ان سے کہوں گا کہ میرے باپ نے تمام عمر آپ سے جھگڑا کیا اور آپ کو سوریوں کا سردار بننے سے روکا۔ اب جاگیر فرید خاں کو منتقل ہو گئی۔ وہ بھی آپ کا اسی طرح دشمن ہے جس طرح اس کا باپ تھا۔ میں اور میرے تمام بھائی سوائے فرید خاں اور نظام خاں کے آپ کو سوریوں کا سب سے بڑا سردار تسلیم کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم آپ سے ہر طرح کا تعاون کرنے پر آمادہ ہیں اور آپ جو حکم دیں گے اس پر ہم لوگ سر تسلیم خم کریں گے۔"

چاندنی بڑے غور سے سلیمان خاں کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کے خاموش ہونے پر چاندنی نے کہا۔ "سلیمان بیٹے مقصد تو یہی کچھ ہے جو تم نے بیان کیا ہے مگر سیاسی گفتگو میں کوئی بات سیدھی نہیں کہی جاتی اگر تم نے سردار محمد خاں کو فوراً ہی سوریوں کا سردار تسلیم کر لیا انہیں اپنے تعاون کی پیش کش کی تو اس سے دو باتوں کا نقصان پہنچنے کا امکان ہے۔ پہلی بات یہ کہ سردار محمد خاں کو فوراً "سوریوں" کا سردار تسلیم کرنے سے تمہاری اور تمہیں ملنے والی سہرام کی جاگیر کی حیثیت دو کوڑی کی ہو جائے گی۔ دوسری بات یہ کہ تمہارے تعاون پیش کرنے پر سردار محمد خاں ناراض بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ وہ پندرہ سو سواروں کا جاگیردار ہے اور اس وقت تمہاری حیثیت ایک سو سواروں کی بھی نہیں پھر وہ تمہارے تعاون سے کیا فائدہ حاصل کر سکے گا؟"

چاندنی کی دونوں باتیں معقول تھیں۔ سردار محمد خاں جوئند کا (بعض کتب نے جوئند کو چونڈہ لکھا ہے) معروف جاگیردار تھا اس کے مقابلہ میں سلیمان خاں کے محض زبانی تعاون کیا حیثیت رکھتا تھا۔ سلیمان خاں کو اس سلسلے میں بھی چاندنی ہی کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

ماں پھر تم ہی بتاؤ کہ گفتگو کس طرح کی جائے اور اس کا آغاز کیسے ہو؟" چاندنی اس معاملہ کو اٹھانے سے پہلے ہی ایسی تمام باتوں پر کافی سوچ بچار کر چکی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے بیٹے سے کہا۔

"میرے بیٹو دعا کرو کہ میرا سایہ تم پر اس وقت تک قائم رہے جب تک تم سہرام کی جاگیر حاصل نہیں کر لیتے——"

"آمین۔ ثم آمین——" احمد خاں بیچ ہی بول پڑا۔

چاندنی نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "سلیمان بے شک تمہیں سردار محمد خاں کے سامنے خود کو بالکل اس طرح پیش کرنا ہو گا جس طرح ایک فریادی اپنے بادشاہ کے سامنے پیش ہوتا ہے۔ تمہیں سردار محمد خاں سے کہنا ہو گا کہ چونکہ وہ سوریوں کے سب سے سن رسیدہ اور طاقتور سردار ہیں اس لئے وہ سہرام کی جاگیر کا خود فیصلہ کریں وہ یا تو سہرام کی جاگیر فرید خاں سے چھین کے تمہارے اور احمد خاں کے حوالے کریں یا پھر جاگیر کو بھائیوں میں برابر برابر تقسیم کر دیں۔ اس سلسلہ میں تم سردار محمد احمد خاں کو یہ بات زور دے کر بتلاؤ گے کہ فرید خاں جاگیردار ہونے کے بعد اس کے بھی سردار محمد خاں کے اتنا ہی خلاف ہے جتنا تمہارے باپ کا مخالف تھا اور یہ کہ فرید خاں آج کل لشکر جمع کر رہا ہے تاکہ وہ آپ کو شکست دے سوریوں کا سردار اعلیٰ بن جائے۔"

"واہ میری ماں واہ——" سلیمان خاں خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔ اس خوشی میں اس کا بھائی احمد خاں برابر کا شریک تھا۔ چاندنی کو جب بیٹوں کی طرف سے ایسی پذیرائی ملی تو اس کے حوصلے بھی بڑھ گئے اور اس نے پہلے سے زیادہ پرعزم لہجے میں کہا۔

"میرے بیٹو یہ منصوبہ اس قدر مکمل ہے کہ اس میں ناکامی کا رتی بھر امکان نہیں۔ مجھے تو یقین ہے کہ سردار محمد خاں تمہیں سہرام پر حملہ کے لئے خود اپنی فوج دے گا اور اس وقت اس نے پندرہ سو سوار فرید خاں کو پندرہ منٹ سے بھی کم وقفہ میں جاگیر سے نکال باہر کریں گے۔"

اس منصوبہ پر رات کے کھانے پر تھوڑی سی مزید گفتگو ہوئی اور صبح کو سلیمان خاں اپنے پانچ دوست سواروں کے ساتھ جوئند کے حاکم سردار محمد خاں سوری کی طرف ہزاروں ارمان دل میں لئے شاداں و فرحاں چلا جا رہا تھا۔

یہ لوگ بڑی تیز رفتاری سے روانہ ہوئے تھے۔ سب سے زیادہ جلدی سلیمان خاں کو تھی۔ وہ "لیلائے جاگیر" کو جلد سے جلد اپنے سینہ سے لگانے کا خواہش مند تھا۔ چنانچہ وہ جوئند اس طرح پہنچے کہ جب جاگیر کے اندر کئی میل داخل ہو چکے تھے تو انہیں دریافت

کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ "جوئند" کی فضاؤں میں سانس لے رہے ہیں۔ سلیمان خاں نے فوراً اپنا گھوڑا روک لیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ چند گھنٹے آرام کرنے کے بعد جاگیردار سردار محمد خاں کے قصر کا رخ کیا جائے۔

یہ وہ دور تھا کہ ہر بڑا جاگیردار ہی کیا چھوٹے چھوٹے جاگیردار بھی خود کو بادشاہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنی جاگیروں میں کئی کئی محلات تعمیر کر لئے تھے اور بالکل شاہانہ ٹھاٹ باٹ سے زندگی گزارتے تھے۔ وہ ہر بادشاہ کے وفادار ہوتے مگر بادشاہ کی شکست کی صورت میں فوراً نئے تاجدار کے وفادار بن جاتے تھے۔

سلیمان خاں ابھی اپنے گھوڑے سے اترنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اسے دور پر گرد اڑتی دکھائی دی۔ وہ فوراً زین پر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھی بھی ہوشیار ہو گئے اور ان کے ہاتھ قبضہ شمشیر پر پہنچ گئے کیونکہ گرد چھٹنے کے بعد تقریباً آٹھ نو سوار بڑی تیزی سے ان کی طرف آتے دکھائی دے رہے تھے۔

سب کی نظریں اسی طرف لگی تھیں۔ پھر اچانک سلیمان خاں کو محسوس ہوا کہ آنے والے ان کی طرف نہیں آ رہے ہیں بلکہ ان کے آگے آگے ایک ہرن بھاگ رہا ہے اور وہ اس کے تعاقب میں ادھر ادھر بڑھے چلے آ رہے ہیں۔

پھر اچانک سلیمان خاں کے تھکے ہوئے چہرے پر فرحت کی سرخی دوڑ گئی۔ اس نے دوستوں کی طرف پلٹ کے دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا۔

"آنے والے سوار مرد نہیں بلکہ خواتین ہیں اور خواتین بھی نہیں بلکہ دوشیزائیں ہیں ان کے نقاب گردن میں لٹکے ہوئے ہیں۔"

سلیمان کے اس انکشاف پر جیسے تمام جوانوں کی تھکن اک دم دور ہو گئی اور وہ چاق و چوبند ہو کر آنے والیوں کو بڑی دلچسپی اور تجسس سے دیکھنے لگے۔ وہ واقعی آٹھ دوشیزائیں تھیں۔ اس وقت وہ سب کی سب بے نقاب تھیں حقیقت میں وہ ہرن کا تعاقب کر رہی تھیں مگر جب انہوں نے سامنے کی طرف چند سواروں کو کھڑے ہوئے دیکھا تو شکار کا تعاقب چھوڑ کے انہوں نے اپنے گھوڑے ان سواروں کی طرف موڑ دیئے۔

آنے والیوں میں سے صرف ایک نے ان کے قریب آ کے اپنے چہرے پر نقاب کھینچ لیا باقی تمام بے نقاب ہی ان کے قریب پہنچ گئیں۔ سلیمان خاں اپنے دوستوں کے ساتھ ہکا

بکا منہ کھولے اور بوالہوس نظروں سے لڑکیوں کو دیکھ رہا تھا۔

"تم لوگ کون ہو اور تمہیں یہاں آنے کی جرات کس طرح ہوئی؟" یہ سوال اس دوشیزہ نے کیا جو واحد نقاب پوش لڑکی کے پاس کھڑی تھی۔

سلیمان خاں نے اسے پرشوق نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"یہی سوال ہم آنے والی حسین سواروں سے کرتے ہیں۔"

"گستاخی مت کرو۔ ہمارے ساتھ اس سلطنت کی شہزادی بھی موجود ہیں۔" اس لڑکی نے تیوریوں پر بل ڈال کر کہا۔

سلیمان خاں تو سدا کا دل پھینک واقع ہوئے تھے۔ انہوں نے شہزادی کا احترام کرنے کے بجائے خود اس پر رعب ڈالنے کی کوشش کی۔

"اگر ادھر شہزادی ہے تو ادھر بھی سہسرام کے جاگیردار کا ولی عہد شہزادہ سلیمان خاں موجود ہے جو حاکم جوئند سردار محمد خاں سے ملاقات کے لئے آیا ہے۔"

یہ سننا تھا کہ پہلے نقاب پوش دوشیزہ نے جو شہزادی تھی اپنا گھوڑا موڑا۔ ساتھ میں تمام گھوڑے مڑ گئے اور وہ پیار کا جھونکا پریوں کا غول جس سمت سے آیا تھا اسی سمت واپس چلا گیا۔ واپسی میں ان کی رفتار پہلے سے زیادہ تیز تھی اور آناً فاناً میں سلیمان خاں اور اس کے ساتھیوں کو مبہوت کر کے گھوڑے اڑاتی نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔



حاکم پرگنہ جوئند کا پورا نام سردار محمد خاں سور شاہ خیل جاگیردار تھا۔ جتنا لمبا چوڑا نام جاگیردار کا تھا اتنا ہی بڑا نام اس کی اکلوتی بیٹی کا بھی تھا۔ اسے شہزادی دل نواز گل زین کے نام سے پکارتے تھے مگر شہزادی کے اس ایک نام کے کئی نام بن گئے تھے۔ باپ اسے شہزادی دل کہتا تو ماں اسے شہزادی نواز کہہ کر آواز دیتی۔ لونڈی غلاموں اور دوسرے ملازمین میں وہ شہزادی گل' شہزادی زین اور شہزادی گل نواز پکاری جاتی تھی۔

شہزادی گل زین چندے آفتاب اور چندے ماہتاب تھی۔ سرو قامت' کتابی چہرہ' کھلی کھلی ہنستی ہوئی آنکھیں جن میں سے ہر وقت شرارت جھانکتی رہتی تھی وہ مغرور تو نہ تھی مگر اسے اپنے حسن کا احساس تھا اور اپنی توہین برداشت نہ کر سکتی تھی۔

جب سلیمان خاں نے اسے مرعوب کرنے کے لیے کہا۔

"ادھر بھی سہرام کے جاگیردار کا ولی عہد سلیمان خاں ہے"۔

تو یہ سن کر شہزادی حسن پیکر بہت چراغ پا ہوئی یہ اس کے حسن کی سراسر توہین تھی جسے وہ برداشت نہ کر سکی۔ اس نے فوراً" گھوڑا گھمایا اور سہیلیوں کو اشارہ کرتی تیزی سے واپس ہوئی۔ اب وہ آگے تھی اور سہیلیاں اس کے پیچھے گھوڑے اڑائے چلی آ رہی تھیں۔

قلعہ جوئند اگرچہ ایک چھوٹی سے ریاست کا قلعہ تھا مگر سردار محمد خاں سور شاہ خیل نے اس قلعہ کو کافی مضبوط کر لیا تھا۔ اس کے ڈیڑھ ہزار سواروں کے دستے ہروقت ہر قسم کی خدمت کے لیے تیار رہتے تھے سردار محمد خاں کا رکھ رکھاؤ کسی راجہ یا بادشاہ سے کم نہ تھا۔ جاگیر کی آمدنی معقول تھی اور سردار محمد خاں نے بادشاہوں کی طرح اپنے وزیر' شہر کوتوال' قاضی اور مختلف داروغے مقرر کر رکھے تھے۔

قلعہ کا صدر دروازہ ہروقت بند رہتا تھا۔ آمدو رفت کے لیے چھوٹا دروازہ استعمال ہوتا تھا۔ قلعہ کے اوپر کے پہریداروں نے شہزادی اور اس کی سہیلیوں کو واپس آتے دیکھا تو فوراً" صدر دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا۔

صدر دروازہ کھلتے ہی شہزادی حسن پیکر معہ سہیلیوں کے ساتھ بہار کے ایک تیز جھونکے کی طرح قلعہ میں داخل ہوئی اور ان سب کے گھوڑے سردار محمد خاں سور کے سامنے جا کے رکے جو بیٹی کے آنے کی خبر پا کر محل سے نکل آیا تھا۔

شہزادی حسن پیکر نقاب الگ کرتی گھوڑے سے اتری اور باپ کے گلے لگ گئی۔

یہ اس قدر جلد اور اتنی تیزی سے واپس آنے کی کوئی خاص وجہ؟" سردار محمد خاں نے بیٹی کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

شہزادی حسن پیکر نے سنی ان سنی کرتے ہوئے الٹا باپ سے سوال کر دیا۔

"بابا جان۔سہسرام نام کی کوئی جاگیر ہے؟"

سردار محمد خاں چونک پڑا۔ اس نے حسن پیکر کو آہستہ سے الگ کیا "ہاں اس نام کی ایک جاگیر ہے۔ مگر تم نے یہ نام کہاں سے سنا؟"

حسن پیکر نے آنکھیں پٹ پٹا کے باپ کو دیکھا "جاگیر ہے تو پھر اس کا ولی عہد بھی ہو گا؟" حسن پیکر نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"ہاں بھئی سہسرام جاگیر ہے اور اس کا ولی عہد بھی ہے۔" سردار محمد خاں نے حیران نظروں سے بیٹی کو دیکھا "مگر تم یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہی ہو؟"

حسن پیکر مسکرائی۔ بولی۔ "اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ سہسرام کا ولی عہد شہزادہ آپ سے ملاقات کے لیے آ رہا ہے۔

سردار محمد خاں ہکا بکا رہ گیا۔ "کیا کہہ رہی ہو بیٹی۔ حسن خاں اور مجھ سے کبھی اچھے تعلقات نہیں رہے۔ پھر اس کا بیٹا میرے پاس کیوں آنے لگا؟"

"بابا خاں"۔ حسن پیکر ناز سے بولی۔---- "آپ مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں؟"

"نہیں نہیں۔ یہ بات نہیں ہے بیٹی--- مگر-----"

"بابا خاں"۔ حسن پیکر کو قدرے غصہ آ گیا۔ "ولی عہد شہزادہ ابھی ابھی مجھے شکار گاہ میں ملا تھا۔ اس نے مجھے خود بتایا کہ وہ جوئند کے جاگیردار سے ملاقات کے لیے آیا"۔

سردار محمد خاں نے بات ٹالنے کے لیے کہا۔ "اچھا۔ چلو آیا ہے تو آنے دو۔ دیکھ لیں گے وہ کیوں آیا ہے؟"

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے اندر کی طرف چلے۔ حسن پیکر کی سہیلیوں میں سے ایک نے آگے بڑھ کے پوچھا۔ "ہمارے لئے کیا حکم ہے شہزادی؟"

حسن پیکر پلٹ کے بولی "تم لوگ میرے کمرے میں چلو۔ میں بابا جان سے بات کر کے ابھی آتی ہوں"۔

حسن پیکر باپ کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گئی مگر کچھ خاموش خاموش تھی۔ سردار محمد خاں نے پوچھا۔

"کیا بات ہے بیٹی۔ تم آئی تھیں تو خوش خوش تھیں مگر اب کسی سوچ میں الجھ گئی ہو؟"

"نہیں بابا خاں۔ میں نہیں---- ہاں-----" شہزادی گھبرا گئی۔

"کچھ بات ہے ضرور؟" باپ نے تسلی دیتے ہوئے کہا "دیکھو بیٹی دل میں بات رکھنے سے طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟"

"بابا خاں۔ میں سوچ رہی تھی کہ پتہ نہیں ولی عہد شہزادہ سلیمان خاں کس طبیعت کا ہو گا؟ یہ بات حسن پیکر کی زبان سے جیسے پھسل پڑی۔

بوڑھا اور جہاں دیدہ سردار چونک پڑا۔ ادھر شہزادی حسن پیکر دھک سے رہ گئی وہ خود پریشان تھی کہ آخر یہ جملہ اس کے منہ سے اک دم کیسے نکل گیا۔ شہزادی پہلے گھبرائی ہوئی تھی اب اس گھبراہٹ میں اس کی فطری شرم و حیا بھی شامل ہو گئی اور اس کی نظریں جھک کے زمین پر لگ گئیں۔

آخر سردار محمد خاں نے یہ سکوت توڑا۔ "بیٹی حسن پیکر۔ تم نے ولی عہد شہزادے کا کیا نام بتایا؟"

حسن پیکر نے جھرجھری لے کر نظریں اوپر کیں مگر وہ باپ سے نظریں نہ ملا سکی اور گردن جھکا کے بولی۔

"ولی عہد شہزادہ سلیمان خاں۔ یہی نام بتایا تھا انہوں نے" اور پھر شہزادی حسن پیکر خود میں سمٹتی چلی گئی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہے۔ بوڑھے سردار نے واقعی چوری پکڑی تھی۔ اس نے تحقیق کے انداز میں پوچھا۔

"حسن پیکر۔ اچھی طرح یاد کر کے بتاؤ اس نے اپنا نام سلیمان خاں بتایا تھا یا فرید خاں؟"

شہزادی ذہن پر زور دے کر سوچتی رہی پھر بولی "مجھے تو سلیمان خاں نام بتایا تھا مگر ہاں ان کے ساتھ اور بھی کئی آدمی تھے۔ ممکن ہے ان میں فرید خاں بھی ہو"۔

سردار محمد خاں فکر میں پڑ گیا۔ دراصل اسے حسن خاں کے بیٹوں میں سے صرف فرید خاں کا نام معلوم تھا۔ اس نے یہ ضرور سن رکھا تھا کہ حسن خاں بڑی رنگین طبیعت کا انسان ہے اس نے کئی بیویوں کے علاوہ کئی عورتیں بھی گھر میں ڈال رکھی تھیں۔

حسن پیکر نے باپ کو سوچوں میں گم دیکھا تو پوچھا۔

"بابا خاں۔ آپ کیا سوچنے لگے۔ یہ فرید خاں کون ہے؟"

دراصل باپ سے یہ معلوم ہونے کے بعد کہ سہسرام واقعی ایک جاگیر ہے اور اس کا ولی عہد بھی ہے، حسن پیکر کی دلچسپی سلیمان خاں میں بڑھ گئی تھی اور وہ اس کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔ فرید خاں کا ذکر اس نے اس لیے چھیڑا تھا کہ بات پھر سلیمان خاں پر آ جائے۔

سردار محمد خاں نے اسے بتایا "سہسرام کے جاگیردار حسن خان نے کئی شادیاں کی

تھیں اس کے کئی بیٹے ہیں مگر جاگیر کا ولی عہد حسن خاں کا سب سے بڑا بیٹا فرید خاں ہے"۔

"پھر یہ سلیمان خاں کون ہے بابا خاں؟" شہزادی حسن پیکر نے بڑے بے چین انداز میں پوچھا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں بیٹی"۔ سردار نے جواب دیا "ہو سکتا ہے کہ یہ فرید خاں کا کوئی بھائی ہو"۔

"مگر بابا خاں اس نے تو اپنے آپ کو بڑی شان سے ولی عہد شہزادہ کہا ہے۔" حسن پیکر نے کمال دلچسپی سے کہا۔ "اس نے جس انداز سے کہا اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ولی عہد شہزادہ ہے مگر آپ کہہ رہے ہیں کہ ولی عہد فرید خاں ہے؟" سردار محمد خاں بیٹی کی اس گہری دلچسپی پر مسکرایا۔

"پھر اس میں فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر وہ واقعی ولی عہد ہے اور ہم سے ملنے آیا ہے تو اسے آنے دو۔ حقیقت سامنے آ جائے گی"۔

شہزادی حسن پیکر کی بے چینی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا اس نے ایک اور احمقانہ سوال کیا "اگر وہ نہ آیا تو کیا ہو گا بابا خاں؟"

تجربہ کار سردار نے بیٹی کو سمجھانے کے لیے کہا "بیٹی۔ اگر وہ آ گیا تو سچا ہے اور اگر نہ آیا تو سمجھنا کہ جھوٹا تھا"۔

حسن پیکر اور کوئی سوال تو نہ کر سکی مگر اس طرح چپ ہوئی کہ سردار محمد خاں پریشان ہو گیا۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اچھا بیٹی یہ بتاؤ کہ وہ تمہیں کہاں ملا تھا۔ میرا مطلب ہے کہ وہ تمہیں دیکھ کے تمہارے پاس آیا تھا یا تم اس کے پاس گئی تھیں؟"۔

شہزادی حسن پیکر مضمحل انداز میں بولی "بابا خاں۔ نہ وہ میرے پاس آیا تھا اور نہ میں اس کے پاس گئی تھی"۔

"یہ کیا بات ہوئی حسن پیکر؟" بوڑھا سردار چکرا گیا "نہ وہ تمہارے پاس آیا اور نہ تم اس کے پاس گئیں پھر ملاقات کیسے ہوئی؟"

"بابا خان" شہزادی نے لمبی سانس لے کے کہا۔۔۔ "میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ ایک ہرن کا پیچھا کر رہی تھی کہ ایک جگہ کچھ سوار کھڑے دکھائی دیئے۔ یہ جگہ میری شکار

گاہ کے اندر تھی اس لیے میری ایک سہیلی نے گھوڑے روک کر اس سے پوچھا کہ اس نے شہزادی کی شکار گاہ میں آنے کی جرات کیسے کی۔ اس پر اس نے بڑی شان سے بتایا کہ وہ بھی شہزادہ ہے اور سسرام کا ولی عہد ہے یوں ہماری ملاقات ہوئی تھی اس سے"۔

شہزادی حسن پیکر نے یہ وضاحت بڑی سادگی مگر بہت پر جوش انداز میں کی۔ سردار محمد خاں کو یہ اندازہ تو ہو گیا کہ اس کی بیٹی حسن خاں کے اس بیٹے میں دلچسپی رکھتی ہے جس سے اس کی بر سر را ہے ملاقات ہو گئی تھی مگر اس سلسلے میں ابھی وہ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچا تھا سردار محمد خاں کو حسن خاں سے شدید نفرت تھی۔ حسن خاں سور صرف پانچ سو سواروں کا جاگیردار تھا اس کے مقابلہ میں سردار محمد خاں سور شاہ خیل پندرہ سو سواروں کا جاگیردار تھا اور شاہانہ طور طریقے اختیار کئے ہوئے تھے۔ حسن خاں سوُر اور سردار محمد خاں سور شاہ خیل میں اختلاف کی اصل وجہ یہ تھی کہ سردار محمد خاں سور نہ صرف ہند میں سور قبیلہ کا سب سے زیادہ سن رسیدہ جاگیردار تھا بلکہ اس کی حیثیت بھی دیگر سور سرداروں سے بہتر اور اونچی تھی۔ چنانچہ سردار محمد خاں سور چاہتا تھا کہ ہند کے سور قبیلے کے تمام لوگ اسے اپنا سردار تسلیم کریں۔ بظاہر اس کو اس کا حق بھی پہنچتا تھا مگر حسن خاں سور نے بلا وجہ میں سردار محمد خاں کی مخالفت شروع کر رکھی تھی اور خود تمام سوروں کی سرداری کا شوشہ چھوڑ دیا تھا۔

دونوں کے اختلافات اس قدر بڑھ گئے تھے کہ ایک مرتبہ ان دونوں میں کسی محفل میں تلواریں بھی کھینچ گئی تھیں۔ اس دن اگر لوگ بیچ براؤ نہ کرتے تو دو میں سے ایک یا دونوں ہی اپنے آپ کو مردہ یا نیم مردہ کرا لیتے۔ پھر جب حسن خان کا انتقال ہو گیا تو یہ دشمنی خود بخود ختم ہو گئی۔ سردار محمد خاں نے حسن خاں سور کا خیال ہی اپنے دل سے نکال دیا۔

اب یہ ایک بالکل نئی بات اس کے سامنے آئی تھی۔ حسن خاں کے کئی بیٹے تھے مگر ان میں صرف فرید خاں کا نام مشہور تھا۔ وہ بھی اس وجہ سے کہ باپ بیٹوں میں جاگیر کے بارے میں اکثر جھگڑا رہتا اور سور سردار اکثران کے جھگڑے طے کرانے جایا کرتے تھے۔

سردار محمد خاں کے محل میں کہنے کو تو کئی عورتیں رہتی تھیں مگر وہ سب یا تو کنیزیں تھیں یا پھر محمد خاں کی داشتائیں تھیں۔ شہزادی حسن پیکر کی ماں کا عرصہ ہوا انتقال ہو چکا تھا

باپ کو بیٹی سے اس قدر محبت تھی کہ اس نے بیٹی کے ہوتے سوتیلی ماں کو لانے کا خیال ترک کیا مگر اس کی کمی پوری کرنے کے لیے کئی عورتیں گھر میں ڈال لیں جو سب کچھ ہونے کے باوجود کچھ نہ تھیں۔ پورے محل میں سردار محمد خاں کے بعد اگر کسی کا حکم چلتا تھا تو وہ اس کی پیاری بیٹی حسن پیکر تھی اس کی کسی بات میں کسی کو دخل دینے کی جرات نہ تھی۔

شہزادی حسن پیکر کی عمر پندرہ سال ہو چکی تھی مگر سردار محمد خاں یا خود شہزادی کو شادی کا خیال نہ آیا تھا۔ حسن پیکر صبح سے شام تک سہیلیوں کے جھمگٹ میں گھری رہتی۔ تمام دن محل میں ہڑدنگے لگاتا' وہاں طبیعت گھبراتی تو گھوڑا گاڑی یا گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کے سہیلیوں کے ساتھ گھومنے پھرنے اور سیر سپاٹے کو نکل جاتی سردار محمد خاں نے کئی میل طویل و عریض اپنی شکار گاہ بیٹی کو عطا کر دی تھی۔ ہفتہ میں ایک دن شہزادی حسن پیکر شکار کھیلنے جایا کرتی تھی۔ آج اس کے شکار کا دن تھا جس کے دوران ہی سلیمان خاں سے اس کی مڈبھیڑ ہو گئی تھی۔

حسن پیکر رات کو باپ کے ساتھ کھانے پر بیٹھی ہی تھی کہ خادمہ نے آکر اطلاع دی۔

"سرکار۔ شہزادہ سلیمان خاں آپ سے ملاقات کے لیے آئے ہیں"۔

حسین پیکر کے حلق میں نوالہ اٹک گیا اور اسے اچھو ہو گیا سلیمان خان کے نام نے اسے بدحواس کر دیا۔ سردار محمد خاں بھی اس نام پر چونک اٹھا۔ اس نے بیٹی کی طرف دیکھا۔ شہزادی خود کو سنبھال چکی تھی۔ سنبھل کے بولی۔

"دیکھا بابا خاں۔ میں نہ کہتی تھی کہ اس کا نام سلیمان خاں ہے۔ آپ میری بات کا یقین ہی نہیں کرتے تھے"۔

"ٹھیک ہے۔ ابھی ملے لیتے ہیں اس سے" سردار خاں نے کہا۔ "مگر تم نے کھانا کیوں چھوڑ دیا؟"

"بابا خاں"۔ شہزادی مسرت سے بولی۔ گھر مہمان آئے ہیں کھانے کا وقت ہے۔ آپ ان کے ساتھ کھانا نہیں کھائیں گے کیا؟"

"میں ان کے ساتھ بھی کھا لوں گا۔ مگر تم تو کھانا ختم کرو"۔ سردار محمد خاں نے بڑے پیار سے کہا۔

"نہیں بابا خاں"۔ شہزادی اٹھ کے کھڑی ہو گئی۔ "میں دوسرے کمرے میں کھا لوں گی۔ آپ انہیں یہیں بلا لیجیے؟"

"شہزادی بی بی۔ وہ کئی آدمی ہیں"۔ خادمہ نے دخل دیا۔

"کتنے ہیں؟" شہزادی حسن پیکر چڑ گئی۔ "کیا دس بیس آدمی ہیں؟"

"دس بیس تو نہیں"۔ خادمہ ڈرتے ڈرتے بولی۔ "چار پانچ ضرور ہیں" وہ"۔

"پھر انہیں یہیں بلا لاؤ"—— شہزادی حسن پیکر یہ حکم دے کر بغیر انتظار کے لپ جھپ کرتی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

سردار محمد خاں کو مجبوراً حکم دینا پڑا۔ "جاؤ انہیں اپنے ساتھ یہیں لے آؤ——؟"

خادمہ سر جھکائے باہر کی طرف چل دی۔

چند لمحوں بعد سلیمان خاں معہ اپنے پانچوں دوستوں کے کمرے میں داخل ہوا۔

سلیمان خاں آگے تھا اور اس کے دوست اس کے عقب میں آ رہے تھے۔ سردار محمد خاں نے سلیمان خاں کو متجسس اور دلچسپی کی نظروں سے دیکھا۔ سلیمان خاں ڈیل ڈول اور شکل و صورت سے ایک خوبصورت اور وجیہ جوان نظر آ رہا تھا۔

"میں اپنی اور اپنے دوستوں کی طرف سے سوری قبائل کے عظیم سردار کو سلام پیش کرتا ہوں"۔ سلیمان خاں نے قریب پہنچ کے کہا۔

سردار محمد خاں کی نظریں سلیمان پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے سلام پیش کرنے پر سردار محمد خاں کے چہرے پر مسرت کے ہلکے سے آثار نمودار ہوئے۔

"تم شاید سلیمان خاں ہو اور تمہیں حسن خاں جاگیردار سہسرام کے ولی عہد ہونے کا دعویٰ ہے"۔

سلیمان خاں گھبرا گیا۔ اس نے خادمہ کو صرف اپنا نام بتایا تھا۔ سہسرام کے ولی عہد ہونے کا تو اس سے کوئی ذکر نہیں ہوا تھا۔

"سردار عالی مقام کا خیال درست ہے"۔ سلیمان خاں نے سنبھل کے کہا۔ "جہاں تک سہرام کی ولی عہدی کا تعلق ہے——"

"ٹھہرو سلیمان خاں"۔ سردار خاں نے اسے روکا۔ گفتگو ہم بعد میں کریں گے۔ تم لوگ سفر سے آ رہے ہو۔ پہلے تمہارے قیام طعام کا انتظام ہونا چاہیے"۔

پھر سردار محمد خاں نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خادمہ سے اپنے حاجب کو طلب کیا۔ حاجب دراصل دربان یا پہریدار کو کہا جاتا تھا مگر بادشاہوں ' سلطانوں اور رومی شہنشاہوں کے قریب رہنے کی وجہ سے حاجب ' دربان اور پہریدار سے اپنے آقا کی ناک کا بال بن جایا کرتے تھے۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ ایسا ہوا کہ حاجب اپنے آقاؤں پر اس قدر غالب آ گئے کہ وہ خود حکم چلانے اور فرمان جاری کرنے لگے۔

چھوٹے درباروں میں حاجب کے سپرد محل کی دوغگی ہوتی تھی اور شاہی محلات کے جملہ انتظامات اسی افسر کے تحت انجام پاتے تھے۔ وہ ایک طرح کا بادشاہ کا پرائیویٹ سیکرٹری ہوتا تھا۔ مسلمانوں میں جب دور امیہ آیا اور خلافت ' بادشاہت میں تبدیل ہوئی تو سب سے پہلے امیر معاویہ نے اپنے خیمے اور محل پر دربان اور پہریدار مقرر کیا اور اسے حاجب کا نام دیا۔ امیر معاویہ سے پہلے کسی مسلم خلیفہ نے اپنی حفاظت کے لیے کوئی پہریدار یا دربان مقرر نہیں کیا تھا حالانکہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ بغیر محافظ کے رہتے تھے اور دونوں کی شہادت کسی محافظ کے نہ ہونے کی وجہ سے ہوئی تھی۔

حاجب حاضر ہوا تو سردار محمد خاں نے سلیمان خاں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ہمارے ایک دوست کے بیٹے ہیں اور یہ پانچ جوان ان کے دوست ہیں' انہیں ساتھ لے جاؤ۔ پہلے ان کے کھانے کا انتظام کرو پھر انہیں معقول جگہ ٹھہراؤ"۔ پھر سردار محمد خاں نے سلیمان خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کھانے کے بعد ہم تم سے گفتگو کریں گے۔ تم رات کو ہمارے ساتھ رہو گے اپنے دوستوں کو جانے کی اجازت دو؟"

سلیمان خاں نے احباب کو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ باہر چلے گئے تو سلیمان خان نے سردار محمد خاں کا شکریہ ادا کیا۔ "میں اس عزت افزائی کے لیے سوریوں کے عظیم سردار کا شکر گزار ہوں"۔

یہ کہتے ہوئے سلیمان خاں نے کنکھیوں سے سردار محمد خاں کی طرف دیکھا۔ اس نے یہ محسوس کیا کہ جس وقت وہ سردار محمد خاں کو "سوریوں کا عظیم سردار" کہتا ہے تو محمد خاں کا چہرہ خوشی اور مسرت سے کھل اٹھتا ہے۔ سلیمان خاں کی شاطرماں نے اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ جاگیردار سردار محمد خاں سے گفتگو کرتے وقت اسے بڑے ادب سے "سوریوں کا عظیم

سردار" کہہ کے مخاطب کرے اور اگر اسے یہ محسوس ہو کہ محمد خاں اس خطاب سے خوش ہوتا ہے تو وہ اس خطاب کو اپنا تکیہ کلام بنا لے۔

سلیمان خاں کے آنے کی خبر سے سردار محمد خاں کا کھانا چھوٹ گیا تھا۔ شہزادی حسن پیکر دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی اور محمد خاں گفتگو میں لگ گیا تھا۔ اس نے دوبارہ کھانا لگانے کا حکم دیا اس دوران سلیمان خاں اور اس کے درمیان کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ سلیمان خاں بڑے احتیاط سے گفتگو کر رہا تھا سردار محمد خاں نے گو کہ سلیمان خاں کو حسن خاں سور کا بیٹا تسلیم کر لیا تھا مگر اسے اب تک اس کی طرف سے پوری طرح اطمینان نہ ہوا تھا) کھانے کے بعد وہ دونوں برابر کے ایک کمرے میں جا بیٹھے یہ کمرہ بڑے سلیقے سے آراستہ کیا گیا تھا اور وہاں کئی نوادرات بڑے سلیقے سے رکھے گئے تھے۔

"ہاں سلیمان خاں۔ اب تم گفتگو شروع کرو"۔ سردار محمد خاں نے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد کہا۔

سلیمان خاں نے فوراً" اپنے ذہن میں اپنی چالاک ماں چاندنی کا تصور باندھا اور اس نے جس انداز سے بیٹے کو گفتگو کرنے کو کہا تھا سلیمان خاں نے اس پر عمل کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"اے سوریوں کے عظیم سردار۔ میرا یہ منہ کہاں کہ میں آپ کے سامنے لب کشائی کر سکوں۔ یہ تو آپ کی ہمت افزائی ہے کہ آپ نے مجھے اذن گفتگو دیا ہے۔ سردار عالی مقام میں آپ سے گفتگو کرنے نہیں بلکہ آپ کے پاس اپنی فریاد لے کے آیا ہوں آپ سوریوں کے سب سے بڑے سردار ہیں اور صرف آپ ہی کے دربار میں میں اپنی داستان الم بیان کر سکتا ہوں اور اس دربار سے مجھے انصاف اور میرا حق مل سکتا ہے"۔ سردار محمد خاں اس کے انداز کلام اور طرز گفتگو سے بہت خوش ہوا۔ اس نے پوچھا۔

"سلیمان خاں۔ تمہاری گفتگو سے میں بہت خوش ہوں۔ اچھا تم یہ بتاؤ کہ حسن خاں کے بڑے بیٹے کا نام تو فرید خاں کا تھا اور باپ کی وفات کے بعد ولی عہد اسے ہونا تھا مگر مجھے معلوم ہوا ہے کہ ولی عہد کے دعویدار تم ہو۔ یہ تم کس بنا پر دعویٰ کرتے ہو؟" سلیمان خاں نے مسکین صورت بناتے ہوئے کہا۔ "عظیم سردار۔ یہی فریاد لے کر تو میں آپ کے دربار میں حاضر ہوا ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کہ فرید خاں ہم آٹھ بھائیوں میں سب سے بڑا ہے

مگر جب بیٹا نالائق اور نافرمان نکل جائے تو اسے نہ تو والدین قبول کرتے ہیں اور نہ حکومت وقت اس کے حق کی ذمہ داری اٹھاتی ہے۔ فرید خاں اپنے بچپن سے اس وقت تک نافرمان اور آوارہ رہا ہے"۔

سردار محمد خاں کو نہ حسن خاں سے دلچسپی تھی اور نہ فرید خاں یا سلیمان خاں سے اسے کچھ حاصل ہو سکتا تھا اس کا دماغ تو ان خطوط پر سوچ رہا تھا کہ حسن خاں نے اس کی ترقی اور اقبال مندی میں اپنی زندگی میں جو روڑے اٹکائے ہیں اس کا بدلہ اور انتقام وہ اس کی جاگیر یا جاگیر کے وارثوں سے لے۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اسے اس سلسلہ میں خود کوئی کوشش نہ کرنا پڑی بلکہ حسن خاں کا ایک بیٹا اپنے بھائی کے خلاف اس سے مدد مانگنے کو آ گیا تھا۔

سردار محمد خاں نے پورے حالات سے آگاہی کے لیے سلیمان خاں سے سوال کیا۔

"سلیمان خاں۔ مجھے تمہاری بات پر یقین ہے۔ فرید خاں ضرور نالائق اور نافرمان ہو گا مگر اسے جاگیر کے حقوق سے محروم کرنے کے لیے ہمارے پاس اس کی نافرمانی کے ثبوت ہونا بھی تو ضروری ہیں؟"

"آپ نے درست فرمایا سردار معظم" سلیمان خاں ادب سے بولا۔ "اس کی نافرمانی اور والدین سے بدکلامی کے ثبوت میں آپ کے سامنے پیش کروں گا ـــــ"

سردار محمد خاں نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "سلیمان خاں۔ اس بات کا خیال رہے کہ یہ ایک شخص کو اس کے حق سے محروم کرنے کا معاملہ ہے۔ اس کے لیے زبانی کلامی ثبوت قائل قدر نہ ہوں گے۔ تمہیں دستاویزی ثبوت پیش کرنا ہوں گے؟"

"جی ہاں سردار محترم"۔ سلیمان خاں نے جواب دیا۔ "میں آپ کے سامنے تحریری ثبوت پیش کروں گا"۔

سلیمان خان نے فوراً" اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک بند لفافہ نکالا۔ لفافہ کے اندر ایک پرچہ تہہ کیا ہوا رکھا تھا۔ سلیمان خان نے وہ پرچہ سردار محمد خاں کے ہاتھ میں دیدیا۔ یہ تحریر مرحوم حسن خان کی تھی حسن خان نے یہ تحریر اس وقت اپنی بیوی چاندنی کو لکھ کر دی تھی جب اس نے اپنے عشووں' غمزوں اور ناز نخروں سے حسن خاں کو اس بات پر مجبور کیا تھا کہ وہ جاگیر کے انتظام میں اس کے بیٹوں سلیمان خاں اور احمد خاں کو بھی شریک

کرے۔ حسن خان نے اس تحریر میں لکھا تھا۔

"میں خدا کو حاضر ناظر جان کے وعدہ کرتا ہوں کہ
اپنے دونوں بیٹوں سلیمان خاں اور احمد خاں کو اپنی جاگیر
سہسرام اور خواص پور ٹانڈہ کا انتظام وقت آنے پر سپرد کر
دوں گا۔ ان دونوں میں انتظامی اہلیت پوری طرح موجود
ہے۔

"حسن خاں"
(جاگیردار)

سردار محمد خاں نے حسن خاں کی تحریر پڑھنے کے بعد سلیمان خاں سے کہا۔ "حسن خاں کی اس تحریر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے فرید خاں کو ہٹا کر تم دونوں بھائیوں کو جاگیر کا انتظام سپرد کرنے کا فیصلہ کیا تھا"۔

سلیمان خاں خوش ہو گیا۔ اس نے کہا "آپ سوریوں کے عظیم سردار ہی نہیں بلکہ ایک انصاف پسند حکمراں بھی ہیں اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اس کے بعد کیا ہوا۔ فرید خاں کو جب یہ معلوم ہوا کہ سہسرام کی رعیت نے میرے باپ کے پاس پہنچ کے فرید خاں کی بد انتظامیوں اور رقم میں ہیر پھیر کے معاملات کو میرے باپ کو بتا دیا ہے اور اب اسے جلدی بے عزت کر کے جاگیر سے نکالا جائے گا تو وہ اس بے عزتی سے بچنے کے لیے خود ہی سہرام چھوڑ کے آگرہ بھاگ گیا۔ اس نے سہسرام سے جاتے وقت بابا خاں کو جو خط لکھا وہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ وہ اپنے جرائم کا سامنا نہیں کر سکتا تھا اور اسی لیے وہ تحقیقات سے پہلے ہی بغیر کسی سے ملے جلے آگرہ بھاگ کھڑا ہوا"۔

سلیمان خان نے اپنے اس خیال کی تائید میں سردار خاں کے سامنے فرید خاں کا وہ خط پیش کیا جو اس نے اپنے والد کے نام لکھا تھا۔ فرید خان دراصل بدنام ہونے سے پہلے ہی جاگیر کا چارج چھوڑ کے آگرہ چلا گیا تھا مگر سلیمان خاں نے فرید خاں کا خط پیش کر کے سردار محمد خاں کو یہ تاثر دیا کہ فرید خاں اپنے خلاف الزامات کا سامنا نہیں کر سکتا تھا اس لیے وہ آگرہ بھاگ گیا۔

رات زیادہ ہو گئی تھی۔ اس لیے سردار محمد خاں نے گفتگو کا سلسلہ بند کر دیا۔

"سلیمان خاں تم تھکے ہوئے ہو۔ اب سو جاؤ۔ باقی باتیں صبح کو ہوں گی"۔

سلیمان خاں واقعی بہت تھکا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ "سردار معظم۔ میرے تصور میں بھی نہ تھا کہ آپ میری اتنی پذیرائی فرمائیں گے۔ میں تو یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ میں نے آپ کے پاس آنے میں دیر کی ورنہ اگر میں پہلے آ جاتا تو شائد حالات اس قدر نہ بگڑتے"۔

"فکر نہ کرو سلیمان خاں"۔ سردار محمد خاں نے اسے تسلی دی۔ "ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ میں اپنی پوری توانائیاں تمہارے مفاد کے لیے صرف کر دوں گا"۔

سلیمان خاں کو ایک اور نہایت آرام دہ کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ یہ کمرہ کسی زمانہ میں شہزادی حسن پیکر کی والدہ کی شب خوابی کا کمرہ تھا۔ ان کے انتقال کے بعد اسے عرصہ تک جوں کا توں بند رکھا گیا پھر اسے شاہی مہمانوں کی خوابگاہ میں بدل دیا گیا۔

سلیمان خاں کو سردار محمد خاں کے رویہ اور گفتگو سے اس قدر اطمینان ہوا تھا کہ بستر پر لیٹتے ہی ایسا گھوڑے بیچ کے سویا کہ اس کی اس وقت آنکھ کھلی جب اس کے کانوں سے ایک نسوانی سریلی آواز ٹکرائی۔

"شہزادے سلیمان خاں"۔

سلیمان خاں نے سر کو ہلکا سا جھٹکا دے کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کے پائتی ایک خوبصورت چہرہ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ سلیمان خاں کو گمان گزرا کہ شاید وہ خواب دیکھ رہا ہے۔ اس نے زور سے اپنے سر کو جھٹکا دیا۔

"آپ خواب نہیں دیکھ رہے ہیں شہزادے"۔ یہ آواز اس لڑکی کی تھی۔

"اگر میں خواب نہیں دیکھ رہا ہوں تو یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟" سلیمان خاں نے مسہری کی پشت سے ٹیک لگا کے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

میں شربتی ہوں شہزادے" اس نے جواب دیا۔ "شہزادی حسن پیکر نے مجھے کو "صبح بخیر" کہنے کو بھیجا ہے"۔

سلیمان خاں مسکرایا۔ "اچھا تو تم شہزادی کی سہیلی ہو؟"

"جی نہیں شہزادے" شربتی بڑے انداز سے مسکرائی۔ "میں شہزادی کی ایک ادنیٰ کنیز ہوں"۔

"اچھا شہزادی کہاں ہیں؟" سلیمان خاں نے بے چینی سے پوچھا۔

شربتی نے جواب دیا "شہزادی حسن پیکر تیار ہو رہی ہیں۔ انہوں نے آپ کے مزاج پوچھے ہیں اور یہ بھی پوچھا ہے کہ کیا آپ صبح کی سیر کے لیے پائیں باغ میں تشریف نہیں لے جائیں گے؟"

"کیوں نہیں کیوں نہیں"۔ سلیمان خاں مسہری سے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ "مگر میرا لباس۔ میرے پاس تو دوسرا جوڑا بھی نہیں ہے؟"

"لباس کی فکر نہ کیجئے"۔ شربتی نے کہا۔ "آپ حمام میں تشریف لے چلئے وہاں ہر قسم کے لباس موجود ہیں جو پسند آئے وہ پہن لیجئے گا"۔

"حمام!" سلیمان خاں نے زیر لب کہا۔

شربتی نے مڑتے ہوئے کہا "میرے ساتھ تشریف لائیے۔ میں آپ کی رہنمائی کروں گی"۔

حمام میں ایک سے ایک بیش قیمت اور اعلیٰ قسم کے لباس موجود تھے۔ سلیمان خاں نے غسل کے بعد ایک بہترین لباس زیب تن کیا پھر جب وہ باہر آیا تو شربتی اسے دیکھ کے حیران رہ گئی۔ سلیمان خاں ایک خوبصورت اور وجیہہ جوان تھا۔ اس نے جو لباس منتخب کر کے پہنا تھا اس نے اس کی وجاہت میں اور زیادہ اضافہ کر دیا تھا۔

سلیمان خاں ٹہلتا بلکہ اکڑتا ہوا شربتی کی رہبری میں پائیں باغ کی طرف چلا۔ شربتی نے اگرچہ سلیمان خاں کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اسے پائیں باغ میں بلایا گیا ہے مگر اس کی گفتگو سے اس نے یہ ضرور اندازہ کر لیا تھا کہ پائیں باغ میں اس کی شہزادی حسن پیکر سے ملاقات کے واضح امکانات موجود ہیں۔ شاید اسی وجہ سے اس کی چال میں ایک خاص قسم کی تمکنت پیدا ہو گئی تھی۔

یہ پائیں باغ تھا یا کوئی خطہ ارم۔ تاحد نظر پھولوں سے لدی روشیں اور کیاریوں کی قطاریں نظر آ رہی تھیں۔ درختوں پر پرندے خالق حقیقی کی تسبیح پڑھ رہے تھے اور صبح کا دھندلکا آہستہ آہستہ چھٹ رہا۔ شربتی اسے یہاں پہنچا کے واپس جا چکی تھی اور سلیمان خاں ایک کنج کے قریب کھڑا صبح کے قدرتی منظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

سلیمان خاں کو یاد نہیں پڑ رہا تھا کہ اس نے اس سے پہلے کبھی صبح کا ایسا دلفریب منظر دیکھا ہو وہ بھی ایک بڑی حویلی میں رہتا تھا جسے محل کہا جا سکتا تھا۔ نوکر چاکر' لونڈی

غلام' سب کچھ تقریباً" اسی طرح کا اسے میسر تھا۔ حویلی میں پائیں باغ بھی تھا مگر اس نے آج تک صبح دم پائیں باغ میں کبھی قدم نہیں رکھا تھا۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ وہ ہمیشہ دیر سے کیوں اٹھتا ہے اور صبح کے منظر سے لطف اندوز-----

وہ یہیں تک سوچ پایا تھا کہ پشت کی طرف اسے کچھ کھٹکا محسوس ہوا۔ سلیمان خاں نے فوراً" پلٹ کے دیکھا اور پھر جیسے ایک کوندا سا لپک گیا یا جیسے بہت سے چاند ایک ساتھ چمک اٹھے ہوں۔ اس کے جسم میں سنسنی سی پیدا ہو گئی۔ پھر اس کی آنکھیں ایک خنک شعلے سے ٹکرا کر زمین کی طرف جھک گئیں۔

"مجھے یقین ہے کہ تم ہی شہزادے سلیمان خاں ہو؟" اور شعلہ مسکرایا ایسے کہ جیسے بہاروں کے جھکڑ چل پڑے ہوں یا غنچے قہقہا پڑے ہوں۔

"اور مجھے یقین ہے کہ میں شہزادی حسن پیکر کے دربار حسن میں حاضر ہوں"۔

سلیمان خاں نے بھرپور جذبوں کے ساتھ جواب دیا۔

"شہزادے" وہ شعلہ جوالہ تمکنت سے بولی۔ "میں بے باک اور بے غیرت نہیں کہ نا محرم سے بلا واسطہ گفتگو کروں مگر پتہ نہیں میرے دل کو کیا ہو گیا ہے کہ تمام رات اسی خیال میں صبح کر دی کہ شاید دوسری سمت سے بھی کچھ اسی طرح کی بے چینی کا اظہار ہو مگر جب اس خیال میں ناکامی ہوئی تو ہمیں شربتی کا سہارا لینا پڑا"۔

"اے حسن کی دیوی-----" سلیمان خاں نے بڑے جذباتی انداز میں کہا "میں دامن دل میں امیدوں کے پھول سمیٹے کھڑا ہوں۔ مجھے اجازت دے کہ یہ گلہائے آرزو تیرے قدموں پر نچھاور کروں؟"

حسن پیکر متبسم انداز میں بولی۔

"شہزادے سلیمان خاں۔ کیا تمہاری جاگیر میں دلوں' آرزوؤں اور امیدوں کا کوئی چمن کھلا ہوا ہے کہ تم اسے لٹانے پر تیار ہو گئے ہو۔ ابھی تو ہم نے ایک دوسرے کو نظر بھر کے دیکھا بھی نہیں ہے کہ تم اس قدر بے تکلف ہو گئے۔ ہمارے درمیان صدہا پردے اور دیواریں ہیں۔ میرے بابا خاں سوریوں کے سب سے بڑے سردار ہیں جبکہ تم صرف پانچ سو سواروں کے جاگیردار ہو۔ شاہی اور جاگیرداری کے اس بازار میں حیثیت اور مرتبہ کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ تمیں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے"۔

شہزادی حسن پیکر کے آخری جملہ نے سلیمان خاں کی آنکھوں پر پڑے ہوئے پردے کو چاک کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ جیسے اس نے دوسری لڑکیوں کو خوبصورت الفاظ میں اپنی محبت پیش کر کے انہیں فریب دیا ہے ویسے ہی وہ شہزادی حسن پیکر کو بھی اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اپنے جال میں پھانس لے گا مگر شہزادی حسن پیکر نے کم عمر ہوتے ہوئے بھی سلیمان خاں جیسے گھاگ جوان کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیئے۔

سلیمان خاں کی عقل ٹھکانے آگئی اور اس نے فوراً خود کو سنبھال لیا۔ شہزادی حسن پیکر کو کوئی سخت جواب دے کر وہ اپنے پیروں پر کلہاڑا نہیں مارنا چاہتا تھا۔ سردار محمد خاں اس سے بڑی محبت اور اخلاق سے پیش آیا تھا۔ اس کے اس حسن سلوک کا بھی یہ تقاضہ تھا کہ سلیمان خان جوئند میں رہتے ہوئے کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے سردار محمد خاں کی اس کے ساتھ ہمدردیاں ختم ہو جائیں۔

دراصل سلیمان خاں اور اس کے چھوٹے بھائی احمد خاں کی پرورش اس انداز سے ہوئی تھی جس نے انہیں بچپن ہی سے بگاڑ دیا تھا۔ چاندنی ایک ان پڑھ عورت تھی۔ حسن خاں کے گھر آنے کے بعد بھی اس نے خود کو بدلنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ حسن خاں کی بیوی سے زیادہ اس کی محبوبہ تھی۔ حسن خاں اور چاندنی کی عمروں میں اتنا زیادہ فرق تھا کہ چاندنی نے کبھی شوہر کو شوہر نہیں بلکہ ہمیشہ اپنا غلام اور تابعدار سمجھا۔

اوپر تلے اوپر چاندنی کے دو بچے ہو گئے۔ چاندنی چاہتی تو اس وقت بھی ایک برد بار عورت بن سکتی تھی لیکن دو لڑکوں کی پیدائش کے بعد حسن خاں کی محبت میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا اور چاندنی نے شعوری اور غیر شعوری طور پر یہ سمجھ لیا کہ حسن خاں پر سوائے اس کے اور کسی کا حق نہیں۔ چنانچہ وہ خود کو حسن خاں کی باقی تینوں بیویوں سے افضل اور اپنے لڑکوں کو حسن خاں کے دوسرے لڑکوں سے زیادہ عقل مند اور جاگیر کا حقدار سمجھنے لگی تھی۔

ایسی صورت میں سلیمان خاں کی کیا خاک تربیت ہوتی۔ وہ بگڑا اور بگڑتا ہی چلا گیا۔

بے شک سلیمان خاں اپنے آٹھوں بھائیوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اور کڑیل جوان تھا مگر جوانی کی صرف یہی صفات تو نہیں ہوتیں۔ جوانی کی سب سے بڑی خوبی جذبات پر قابو رکھنا اور نیک و بد کی تمیز کرنا ہے۔

سلیمان خاں کا تو یہ حال تھا کہ جہاں کوئی اچھی صورت دیکھی اور ریشہ خطمی ہو گئے موقعہ و محل کو تو دیکھتا ہی نہ تھا۔ ایک دفعہ پہلے بھی سلیمان خاں نے ایسی ہی حرکت کی تھی۔ وہ موقعہ تھا راجہ سکھ دیو کی بیٹی راجکماری نلنی کو دیکھنے کا۔ سلیمان خاں کو اس کی ماں چاندنی نے راجہ کو بلوانے کو بھیجا تھا مگر جب ان کا راجکماری نلنی سے سامنا ہوا تو یہ سب کچھ بھول کے راجکماری کو دیکھتے ہی اسے دل دے بیٹھے اور ٹھنڈی سانسیں بھرنی شروع کر دی تھیں۔

شہزادی حسن پیکر کی تاکید نے سلیمان خاں کی زبان بند کر دی۔ اسے سکتہ سا ہو گیا اور وہ دیر تک گم صم خاموش بیٹھا رہا۔ شہزادی اس کی اس کیفیت سے دل ہی دل میں لطف اندوز ہوتی رہی۔ آخر اس نے سلیمان خاں کو چھیڑا۔

"کہاں کھو گئے سلیمان خاں؟" سلیمان خاں چونک پڑا مگر اس کے کچھ جواب دینے سے پہلے ہی شربتی وارد ہو گئی۔

"شہزادے سلیمان خاں۔ آپ کو سردار یاد فرما رہے ہیں"۔

سلیمان خاں گھبرا گیا۔

"کیا ۔ کیا تم نے سردار کو یہ بتا دیا کہ ہم یہاں ہیں؟" اس نے پریشان انداز میں پوچھا۔

"جی ہاں"۔ شربتی شوخ لہجے میں بولی۔ "میں نے سردار کو بتا دیا ہے کہ شہزادے پائیں باغ میں محو گل گشت ہیں"۔

"اور شہزادی کے بارے میں کیا بتایا تم نے؟"

شوخ لہجہ شربتی نے سلیمان خاں کو شوخ نظروں سے دیکھا۔

"شہزادی کے بارے میں سوال کرنے کا حق آپ کو حاصل نہیں"۔

سلیمان خاں کو شربتی کا یہ تلخ انداز پسند نہ آیا مگر اس نے اس کے اظہار کے بجائے شہزادی حسن پیکر کی طرف دیکھا جو سلیمان خاں کو مسکرا مسکرا کے دیکھ رہی تھی۔

شہزادی نے اس کی نظریں پہچان لیں۔ بولی۔

"شربتی ٹھیک کہہ رہی ہے سلیمان خاں۔ ہم نے ابھی یہ حق آپ کو نہیں دیا"۔

"مجھے اس حق کے لیے دعا کرنے کا تو حق حاصل ہے؟" سلیمان خاں نے برجستہ

جواب دیا۔ پتہ نہیں اس کے موٹے دماغ میں یہ جواب کیسے آیا۔

سلیمان خاں کو کسی اور بات کا سلیقہ ہو یا نہ ہو مگر اس کی باتوں سے یہ پتہ ضرور چلتا تھا کہ وہ بہت چرب زبان ہے اور خاص کر لڑکیوں سے گفتگو کے معاملہ میں وہ ایک کامیاب شاطر تھا۔ شہزادی حسن پیکر اس کے اس جواب پر بہت خوش ہوئی۔

"ضرور دعا کرو سلیمان خاں تمہاری اس دعا میں میں بھی شریک ہوں"۔

سلیمان خاں کی شوخیاں اک دم عود کر آئیں۔ اس نے مسکرا کے کہا۔

"اب تو مجھے ساحل بہت قریب نظر آ رہا ہے"۔

شہزادی حسن پیکر نے سلیمان خاں کو نظرانداز کرتے ہوئے شربتی سے دریافت کیا

"بابا خاں نے مجھے تو نہیں پوچھا؟"

"جی نہیں شہزادی عالیہ" شربتی نے جواب دیا۔ سردار کے خیال میں آپ ابھی اپنی خوابگاہ میں محو خواب ہیں"۔

شربتی نے سلیمان خاں کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور دونوں آگے پیچھے سردار کی طرف روانہ ہو گئے۔ شہزادی حسن پیکر بھی صدہا خیالوں کے بوجھ تلے دبی اٹھی اور اپنی خوابگاہ کی طرف چل پڑی۔



سردار محمد خاں نے سلیمان خاں کا کھڑے ہو کر اس طرح استقبال کیا جیسے وہ ابھی ابھی آیا ہو۔ دراصل سردار نے سلیمان خاں کو پہلی ہی نظر میں شہزادی کے لیے پسند کر لیا تھا۔ جوان ہوتی ہوئی بیٹی کی طرف سے وہ بے حد فکر مند تھا۔ اس کی جاگیر جوئند میں کوئی اس کے برابر کا نہ تھا اور کسی دوسرے جاگیردار کی طرف سے شہزادی کے لیے اب تک کوئی پیغام نہ آیا تھا۔

سلیمان خاں میں بظاہر وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو اس کے خیال میں اس کے داماد کے لیے ضروری تھیں۔ جواں عمر' خوبصورت' با ادب با سلیقہ' حسن کلام سے آراستہ' سلیمان خاں اگرچہ کسی بڑی جاگیر کا مالک نہ تھا مگر تھا تو ایک جاگیردار کی اولاد۔ ان تمام پر وہ تمام رات غور کرتا رہا تھا اور صبح ہوتے ہی سلیمان خاں کو بلوا بھیجا۔

"رات کو آرام سے سوئے۔ کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟" سردار محمد خاں نے رسمی سا سوال کیا۔

"بزرگ محترم اور محسن اعظم جسے آپ کے سائیہ میں جگہ مل جائے اسے تکلیف کیسے ہو سکتی ہے"۔

"تم باتیں خوب کرتے ہو سلیمان ۔ سردار محمد خاں خوش ہو کے بولا۔

"میں کام بھی ایسے ہی سلیقے سے کرتا ہوں سردار محترم" سلیمان خاں نے جواب دیا

"آپ مجھے آزما کے دیکھیے۔ انشاء اللہ ہر امتحان میں پورا اتروں گا"۔

"بے شک ----- ہمیں تم سے ایسی ہی امید ہے"۔ سردار خاں نے اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔ "وقت آنے پر تمہیں ضرور موقعہ دیں گے"۔

کچھ خاموشی طاری رہی۔ پھر سردار محمد خاں نے کہا۔

"میں نے اپنے تمام معتمد اور تجربہ کار سرداروں کو بلوایا ہے۔ ان سب سے تمہارے مسئلہ پر گفتگو ہو گی۔ امید رکھو۔ کوئی اچھا نتیجہ نکلے گا"۔

سلیمان خاں نے پھر چرب زبانی دکھائی۔ کہنے لگا۔

"آپ نے سر پر ہاتھ رکھا ہے پھر نا امید کیسے ہو سکتا ہوں۔ نا امیدی یوں بھی میرے خیال میں کفر ہے"۔ سردار محمد خاں کے دریافت کرنے پر سلیمان خاں نے اپنی تینوں سوتیلی اور ان کی اولادوں کی الگ الگ تفصیل بتائی اور یہ بھی کہا کہ سوائے فرید خاں اور نظام خاں کے اس کے باقی تمام بھائی اسے (سلیمان خاں کو) جاگیر کا وارث سمجھتے ہیں مگر فرید خاں اور اس کا بھائی نظام خاں اس کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں اور جاگیر پر اس کا قبضہ نہیں ہونے دیتے۔

اس تمام تفصیل کے بعد سلیمان خاں نے کہا۔ "اپنے بابا حسن خاں کے انتقال کے بعد میں نے جاگیر پر قبضہ کر کے اپنے جاگیردار ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ اس سلسلہ میں میں نے اپنی دستار بندی کے جشن کا بھی اعلان کیا تھا۔ مجھے ہر طرف سے مبارک باد کے پیغامات ملے تھے مگر عین دستار بندی کے موقع پر فرید خاں کے چھوٹے بھائی نظام خاں نے میرے جشن کی محفل پر مسلح حملہ کر دیا اور مجھ سے دستار چھین لے گیا۔ میرے پاس طاقت نہیں تھی اس لیے سب خاموش ہو گیا اور اپنی ماں اور بھائی کو ساتھ لے کر سہرام سے حاجی پورہ

چلا گیا نظام خاں نے فرید خاں کو بھی آگرہ سے بلوا لیا اور دونوں بھائیوں نے زبردستی جاگیر پر قبضہ کر لیا"۔

سردار محمد خاں بڑی خاموشی اور توجہ سے اپنے دشمن حسن خاں کے خاندانی جھگڑوں کی تفصیل سنتا اور اسے اپنے ذہن میں محفوظ کرتا رہا پھر جب سلیمان خاں خاموش ہوا تو اس نے بڑے پیار سے کہا۔

"سلیمان خاں تم اسے اپنا ہی گھر سمجھو اور یہاں اس وقت تک رہو جب تک تمہیں اپنی جاگیر کا قبضہ واپس نہیں ملتا"۔

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ سلمان خاں کی تو جیسے مراد بن آئی۔ سردار محمد خاں نے اسے اپنے محل میں رہنے کی اس طرح اجازت دیدی جیسے وہ حسن خان کا نہیں بلکہ سردار محمد خاں کا بیٹا ہو۔ سلیمان خاں کو جیسے کھلی چھٹی مل گئی تھی وہ روز صبح کو پائیں باغ میں سیر کے لیے جاتا اور وہاں حسن پیکر کی آمد کا انتظار کرتا مگر شہزادی حسن پیکر بہت محتاط قسم کی لڑکی معلوم ہوتی تھی یا پھر اس کے تجربہ کار باپ نے اسے محتاط رہنے کا مشورہ دیا ہو۔

شہزادی حسن پیکر' سلیمان خاں سے ملتی ضرور مگر ہفتہ میں صرف ایک بار اور یہ ملاقات بھی چند منٹ سے زیادہ نہ ہوتی۔ پھر شہزادی کی کنیز شربتی آ جاتی اور اسے کسی نہ کسی بہانے محل واپس لے جاتی۔ سلیمان شکوہ کرتا تو شہزادی حسن پیکر مسکرا کر کہتی۔

"سلیمان خاں۔ ملاقات کے لیے پوری زندگی پڑی ہے۔ نہ تم یہاں سے جا رہے ہو اور نہ میں کہیں جا رہی ہوں"۔

اس وقت سلیمان خاں بے چین ہو کر کہتا۔ "حسن پیکر کسی دن تو اتنی دیر ٹھہرو کہ میں اپنا دل کھول کے تمہارے سامنے رکھ سکوں؟"

"فکر نہ کرو سلیمان خاں"۔ حسن پیکر اسے تسلی دیتی۔ "تمہیں دل کھولنے کی ضرورت نہیں میں اس کا حال بغیر کھولے ہوئے معلوم کر چکی ہوں"۔

پھر شہزادی اٹھلا کے کہتی "کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ انتظار میں ملاقات سے زیادہ لطف ہوتا ہے؟" اور سلیمان خاں دل پکڑ کے رہ جاتا۔

سردار محمد خاں سے بھی سلیمان خاں کی بہت کم ملاقات ہوتی۔ آتے جاتے کہیں سامنا ہو جاتا تو سردار محمد خاں مسکرا کے پوچھتے۔

"خیریت سے ہو۔ کوئی تکلیف تو نہیں؟"

"کوئی تکلیف نہیں سردار معظم"۔ اس کے سوا سلیمان خاں اور کیا کہتا۔

سلیمان خاں کو وہاں آرام و آسائش سے رہنے کے باوجود کچھ بے اطمینانی سی رہتی تھی۔ جن دوستوں یا سواروں کو وہ اپنے ساتھ لایا تھا ان سے سلیمان خاں کی ہر روز ملاقات ہوتی تھی وہ سب بھی سردار محمد خاں کے بڑے شکر گزار تھے۔ ان پانچوں کو بھی ایک بڑے آرام دہ کمرے میں ٹھہرایا گیا تھا۔ دو ملازم ہمہ وقت دست بستہ تعمیل حکم کے لیے کھڑے رہتے اور جو چیز وہ طلب کرتے فوراً" مہیا کر دی جاتی تھی یہاں تک کہ وہ فرمائش کر کے اپنی مرضی کا کھانا پکواتے تھے۔

سلیمان خاں کو قلعہ جوئند میں رہتے تین ہفتے گذر چکے تھے مگر ابھی اونٹ کسی کروٹ نہیں بیٹھا تھا۔ چوتھے ہفتے میں ایک رات اچانک سردار محمد خاں نے سلیمان خاں کو طلب کیا۔ سلیمان خاں امید و بیم کے عالم میں سردار محمد خاں کے حضور پہنچا۔

"سلیمان خاں" سردار محمد خاں نے اسے پیار سے مخاطب کیا "میں نے تمہارے معاملہ میں اپنے تمام سرداروں سے صلاح مشورہ کیا ہے۔ پھر سہرام اور آگرہ اپنے جاسوس بھیج کر وہاں سے بھی معلومات حاصل کی ہیں"۔ اتنا کہہ کر سردار محمد خاں چپ ہو گیا اور اس کی خاموشی کی ساعتیں اتنی طویل ہو گئیں کہ سلیمان خاں اکتا گیا۔

"سردار معظم ۔ آپ کچھ فرما رہے تھے؟"

سردار محمد خاں کسی خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ سلیمان خاں کے سوال پر وہ خیالوں سے واپس آ گیا۔ "ہاں میں کہہ رہا تھا کہ مجھے آگرہ اور سہرام سے کچھ نئی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ ممکن ہے کہ تمہیں بھی اس کا علم ہو؟"

"کونسی نئی معلومات آپ کو حاصل ہوئی ہیں؟" سلیمان خاں نے کان کھڑے کئے۔

سردار محمد خاں نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تاجدار ہند سلطان ابراہیم لودھی نے فرید خاں کو سہرام کی جاگیر کا پروانہ جاری کر دیا ہے۔ تمہیں اس بارے میں کچھ علم ہے؟"

سلیمان خاں کو سب کچھ معلوم تھا مگر اس نے بے پروائی سے جواب دیا "سردار معظم۔ فرید خاں تو سراسر جھوٹا ہے۔ سہرام میں اس نے یہی افواہ پھیلا رکھی ہے"۔

"یہ افواہ نہیں ہے سلیمان خاں ۔ سردار نے متانت سے کہا "میرے آدمی نے اس بات کی تصدیق آگرہ دربار سے کرائی ہے۔ معلوم یہ ہوا ہے کہ آگرہ کے گورنر دولت خاں لودھی نے سلطان سے سفارش کرکے فرید کو سہرام کی جاگیر کا پروانہ جاری کر دیا تھا ۔

"تو کیا میں بالکل نا امید ہو جاؤں؟" سلیمان خاں نے بڑی مایوسی سے کہا سردار محمد خاں مسکرایا۔

"سلیمان خاں۔ ابھی کچھ دن پہلے تو تم کہتے تھے کہ مایوسی کفر ہے اور اس وقت تم خود مایوسی کا اظہار کر رہے ہو تم نے وہ مثل تو سنی ہو گی کہ اللہ کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں ہے؟"

"جی ہاں۔ سنی ہے اور اس پر یقین بھی ہے" ۔ سلیمان خاں نے کچھ حوصلہ دکھایا۔

"بس تو پھر کچھ انتظار کرو۔ حالات بہت جلد پلٹنے والے ہیں" سردار محمد خاں نے اسے کچھ اور حوصلہ دیا۔

سلیمان خاں نے حوصلہ تو بہت کیا مگر سردار محمد خاں نے انتظار کرنے کو کہا تو وہ ایک بار پھر مایوس ہو گیا۔ اس نے اس کا اظہار تو نہیں کیا مگر خاموش ہو کر سر جھکا لیا۔ سردار محمد خاں نے اس کی اداسی محسوس کر لی۔ وہ سلیمان کی مدد تو کرنا چاہتا تھا مگر کوئی صورت نظر نہ آ رہی تھی۔ آخر اس نے سلیمان خاں کے سامنے وہ حقیقت بیان کر دی جو وہ اسے بتانا نہیں چاہتا تھا۔

سردار محمد خاں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کے کہا۔

"سلیمان خاں تم خود کو تنہا محسوس نہ کرو۔ اب تم میرے گھر کے ایک فرد کے مانند ہو دراصل فرید خاں کو سلطان کی طرف سے تازہ تازہ پروانہ حاصل ہوا ہے اس لیے فی الوقت اس فرمان کی مخالفت کرنا مناسب نہیں کیونکہ فرید خاں ہمارے خلاف بغاوت کا الزام لگوا سکتا ہے۔ مگر تمیں فکر مند ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ حالات بہت جلد ہمارے حق میں ہونے والے ہیں۔

"مجھے آپ کی بات کا یقین ہے سردار معظم" ۔ سلیمان خاں نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا "مگر حالات کے درست ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی ہے؟"

"تم اب بھی مایوس ہو سلیمان خاں" سردار محمد خاں نے کہا "مجھے حالات کے درست

ہونے کی صورت یوں نظر آ رہی ہے کہ سلطان ابراہیم لودھی اور آگرہ کے گورنر دولت خاں لودھی میں چشمک ہو گئی ہے اور سلطان نے دولت خاں سے آگرہ کی گورنری چھین کے اسے لاہور کا گورنر بنا دیا ہے"۔

"اے عالی مقام سردار" سلیمان خان بولا۔ "دولت خاں نے فرید خاں کو سہرام کی جاگیر کا پروانہ دلوا دیا ہے اب وہ خواہ آگرہ کا گورنر رہے یا پنجاب کا۔ اس کا اثر مجھ پر یا آپ پر کیا پڑے گا؟"

"اس کا اثر صرف ہم پر ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان پر پڑے گا سلیمان خاں" سردار محمد خاں نے زور دے کے کہا "یہ افواہ گرم ہے کہ دولت خاں در پردہ سلطان ابراہیم لودھی سے باغی ہو گیا ہے اور اس نے افغانستان کے مغل بادشاہ بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی ہے"۔

اس خبر سے سلیمان خاں چونکا۔

"اچھا۔ یہ بات تو واقعی بہت اہم ہے۔ سنا ہے کہ افغانستان کا بادشاہ بہت طاقتور ہے؟"

"ہاں۔ طاقتور بھی ہے اور دولت خاں نے اسے مدد دینے کی بھی پیش کش کی ہے"۔

سردار محمد خاں نے کہا "امکان اس بات کا ہے کہ مغل بادشاہ ہندوستان پر حملہ کرے گا اگر بابر اور ابراہیم لودھی میں جنگ ہوئی تو دونوں صورتوں میں تمہیں فائدہ ہو گا"۔

"مجھے"۔ سلیمان خاں نے حیران ہو کے سردار محمد خاں کو دیکھا اس جنگ سے مجھے کیا فائدہ ہو گا سردار محترم میں آپ کی بات بالکل نہیں سمجھ سکا؟"

سردار محمد خاں نے اس کی پیٹھ تھپکی اور کہا "دیکھو سلیمان خاں اگر جنگ ہوئی تو دو میں سے ایک تو جیتے ہی گا۔ اگر افغانستان کا بادشاہ بابر فتح یاب ہوا تو یہ نظام حکومت تو رہے گا نہیں۔ اس صورت میں یہ پرگنے میں فرید خاں سے لے کر میں خود تمہیں دیدوں گا۔ دوسری صورت میں اگر موجودہ سلطان جنگ جیت گیا تو یقین رکھو میں تمہیں ساتھ لے کر سلطان کے دربار میں جاؤں گا اور ان سے سفارش کر کے سہرام کی جاگیر تمہیں دلوا دوں گا یعنی دونوں صورتوں میں فائدہ تمہیں پہنچے گا"۔

سردار محمد خاں نے حالات کا صحیح جائزہ لیا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ دولت خاں لودھی

نے ہندوستان کے تاجدار سلطان ابراہیم لودھی کے خلاف درپردہ بغاوت کر دی تھی۔ اس بغاوت کا عبرت انگیز پہلو یہ ہے کہ سلطان ابراہیم لودھی اور دولت خاں لودھی دونوں کا تعلق ایک ہی قبیلہ سے تھا مگر سلطان ابراہیم لودھی بے انتہا مغرور سلطان تھا اور رعایا تو رعایا وہ اپنے سرداروں کی بھی پرواہ نہ کرتا تھا۔ اس وجہ سے رعیت اور سرداران فوج اس کے خلاف ہو گئے تھے۔

سردار محمد خاں کے اس درست بیان کو سلیمان خاں جیسے جلد باز انسان کو اطمینان نہ ہوا اور وہ منہ پھلا کے گفتگو کے دوران ہی اٹھ کر چلا گیا۔ سردار محمد خاں کو اس کا یقیناً دکھ ہوا اسے غصہ بھی آیا مگر اس نے تحمل سے کام لیا اور سلیمان خاں کی غیراخلاقی اور غیر شائستہ حرکت کو نظرانداز کر گیا۔

ادھر شہزادی حسن پیکر پوری طور سے سلیمان خاں میں دلچسپی لے رہی تھی۔ اور اس کی دلچسپی محبت میں تبدیل ہو چکی تھی اس کی اطلاع سردار محمد خاں کو بھی ہو جاتی تھی مگر اس نے شہزادی کو روکنے یا منع کرنے کی کوشش نہیں کی۔

شہزادی حسن پیکر بھی ان حالات سے بے خبر نہ تھی۔ وہ سلیمان خاں سے ملاقات میں محتاط ضرور ہو گئی تھی۔ لیکن سلیمانخاں کے ساتھ اسکی دلچسپی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی تھی۔ سلیمان خاں کے قلعہ جوئند میں آنے کے بعد اب تک سلیمان خاں اور اس کے باپ ہیں سہرام کی جاگیر کے سلسلہ میں جتنی بھی گفتگو ہوئی تھی وہ شہزادی نے یا تو خود اپنے کانوں سے سنی تھی یا پھر اس کی کنیز شربتی نے سن کر اس کے سامنے دہرائی تھی۔

آج کی گفتگو شہزادی حسن پیکر نے خوچد چھپ کر اپنے کانوں سے سنی تھی اور سلیمان خاں کو مایوس اور منہ لٹکائے ہوئے گفتگو ادھوری چھوڑ کر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ سلیمان خاں بہت مایوس اور دل برداشتہ ہوا ہے اور اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں وہ واپس نہ چلا جائے۔ چنانچہ اس گفتگو کے فوراً بعد شہزادی نے سلیمان خاں کو پیغام بھیجا۔

"شہزادی عالیہ آج کسی وقت آپ سے ملاقات کی خواہش مند ہیں؟" شربتی نے سلیمان خاں کے پاس جا کر اسے پیغام دیا۔

سلیمان خاں نے مایوس مایوس نظروں سے شربتی کو دیکھا۔

"شربتی۔ میں خود بھی یہاں سے جانے سے پہلے ایک بار تمہاری شہزادی سے ملنا چاہتا تھا۔ اچھا ہوا کہ انہوں نے بھی اس خواہش کا اظہار کیا"۔

ہوشیار کنیز نے فوراً سوال کیا "شہزادے۔ کیا آپ واپس جا رہے ہیں؟"

"ہاں شربتی۔ اب میرا یہاں ٹھہرنا فضول ہے"۔ سلیمان خاں نے الجھے الجھے لہجے میں کہا۔

"مگر کیوں۔ آپ کو کیا تکلیف ہے یہاں شہزادی نے آپ کے آرام کے لیے خاص طور پر حکم دیا ہے؟" شربتی نے دوسرے انداز میں سوال کیا۔

"شربتی یہ بات تم نہیں سمجھ سکو گی" سلیمان خاں نے ٹالنے کے لیے کہا۔ "ہاں یہ بتاؤ شہزادی کس وقت اور کس جگہ ملاقات کرنا چاہتی ہیں؟"

"یہ تو موقعہ محل پر منحصر ہے"۔ شربتی نے سوال نہیں دہرایا۔ "خان بابا جسوقت بھی قلعہ سے باہر جائیں گے شہزادی آپ سے ملاقات کریں گی"۔

سلیمان خاں نے کہا۔ "شہزادی حسن پیکر کا میری طرف سے شکریہ ادا کرنا کہ انہوں نے واپسی سے پہلے مجھے ملاقات کا موقعہ دیا ہے"۔

شربتی نے واپس جا کر شہزادی حسن پیکر کو بتایا۔

"شہزادی۔ سلیمان خاں واپس جا رہے ہیں"۔ شہزادی گھبرا کے کھڑی ہو گئی۔

"اچھا۔ تمہیں کس نے بتایا؟"

"انہوں نے خود کہا ہے کہ اب ان کا یہاں ٹھہرنا فضول ہے"۔ شربتی نے جواب دیا۔

"سلیمان خاں نے آپ کا شکریہ ادا کیا ہے کہ آپ نے انہیں واپس جانے سے پہلے ملاقات کا موقع دیا"۔

شہزادی حسن پیکر مغموم ہو گئی۔

"شربتی۔ کیا میں انہیں روکنے میں کامیاب ہو جاؤں گی؟" شہزادی کی آواز بھرا گئی تھی اور اس کی آنکھیں چھلک آئی تھیں۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں شہزادی عالیہ"۔ شربتی نے دبے دبے لہجے میں کہا "مگر سلیمان خاں ہیں بہت مایوس"۔

شہزادی حسن پیکر پائیں باغ کے ایک کنج میں سر جھکائے کھڑی تھی۔ آہٹ پا کر وہ چونکی اور پلٹ کر دیکھا۔ سلیمان خاں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اس کے قریب پہنچ رہا تھا۔ آج پہلی بار شہزادی چند قدم چل کے خود شہزادے کے پاس پہنچی۔

سلیمان خاں میں تمہیں بہت بہادر سمجھتی تھی۔ شہزادی کے اس جملہ میں سوال تھا۔ درد کی ایک کسک تھی اور محبت سے بھرا ایک ہلکا سا طنز تھا۔

"شہزادی" سلیمان خاں نے ایک سرد آہ کھینچی۔ "تم حالات کے گرداب میں کبھی نہیں آئیں اس لئے میرا درد سمجھنے سے مجبور ہو۔"

"سلیمان!" شہزادی حسن پیکر نے حجاب کا ایک اور پردہ ہٹا دیا۔ "میں تمہارا درد بانٹنا چاہتی ہوں شہزادے۔ مجھے بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں؟" سلیمان خاں کنج کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

شہزادی میرا درد نہ بانٹا جاسکتا ہے اور نہ اس کا مداوا تمہارے پاس ہے۔" رہی تمہاری ہمدردی تو اس کے لئے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ اب میں یہاں سے جلد از جلد چلا جانا چاہتا ہوں۔

"مگر میں تمہیں اس طرح نہیں جانے دوں گی سلیمان۔" اور شہزادی حسن پیکر نے ہاتھ بڑھا کر سلیمان خاں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ وہ تو اس قدر مغموم تھا کہ شہزادی کے ہاتھ کے لمس کو کچھ زیادہ اہمیت نہ دے سکا۔

"میں یہاں ٹھہر کے کیا کروں گا۔ مجھے کوئی کام بنتا نہیں دکھائی دیتا۔" اور سلیمان خاں نے آہستہ سے حسن پیکر کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

حسن پیکر بے چین ہو گئی۔

"سلیمان خدا کے لئے ابھی نہ جاؤ۔ مجھے بابا خاں سے بات تو کر لینے دو؟"

"تم۔۔۔۔ تم سردار سے بات کرو گی؟" سلیمان خاں نے اسے حیران نظروں سے دیکھا۔ "کیا کہو گی تم ان سے؟"

"میں۔۔۔ میں ان سے کہوں گی کہ وہ تمہارے بھائی سے تمہارا حق دلائیں۔" شہزادی حسن پیکر نے بڑے پرعزم لہجے میں کہا۔

سلیمان خاں نے پوچھا۔ "کیا تمہارا خیال ہے کہ تمہارے بابا خاں تمہاری بات مان

جائیں گے؟"

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔۔۔" شہزادی نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ میں بابا خاں سے کیا کہوں؟"

سلیمان خاں کو امید کی ایک جھلک نظر آئی تو اس نے سنبھل کے کہا۔

"تم بابا خاں سے ضد کرو کہ وہ فرید خاں کو مجبور کریں کہ وہ افغانوں کے دستور کے مطابق سہرام کی جاگیر ہم تمام بھائیوں میں تقسیم کر دے۔"

"اس میں ضد کرنے کی کیا بات ہے؟" حسن پیکر نے کہا۔ "جائیداد میں تمام بھائیوں کا حصہ برابر کا ہوتا ہے۔ تمہارے بھائی کو یہ حق دینا پڑے گا۔"

"دینا تو پڑے گا اس وقت جب فرید خاں مان جائے۔" سلیمان خاں نے اسے سمجھایا۔ "وہ تو مجھے کچھ بھی دینے پر تیار نہیں۔ اس بات کا تو رونا ہے۔"

"میں بابا خاں سے آج ہی بات کروں گی۔" شہزادی نے اسے اطمینان دلایا۔

"بابا خاں نے آج تک میری کسی بات سے انکار نہیں کیا پھر یہ تو تمہارا حق ہے۔"

سلیمان خاں کو شاید زندگی میں پہلی مرتبہ کسی لڑکی سے سچی محبت ہوئی تھی۔ اس کے دل میں حسن پیکر کے لئے پہلے ہی سے جگہ تھی اب اس کی بات سے اس کے دل میں محبت کا کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

پتہ نہیں حسن پیکر نے باپ سے کس طرح گفتگو کی۔ ضد کی یا خوشامد کی مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دوسرے روز شہزادی نے سلیمان خاں کو اسی مقام پر بلا کر اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ دیا۔

حسن پیکر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "پڑھو سلیمان اس خط میں کیا لکھا ہے؟"

لفافہ کھلا ہوا تھا۔ سلیمان خاں نے اندر سے خط نکال کر اسے دھڑکتے دل سے پڑھنا شروع کیا۔ یہ خط سردار محمد خاں نے فرید خاں کے نام لکھا تھا جس میں درج تھا۔

"فرید خاں ولد حسن خاں مرحوم کو معلوم ہو کہ تمہارا بھائی سلیمان خاں میرے پاس آیا ہوا ہے اور اس نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں تم بھائیوں کا جھگڑا نپٹا دوں۔ پس اگر تم میرے پاس آ سکتے ہو تو آ جاؤ اور اگر تم یہاں آنا مناسب نہیں سمجھتے تو میں تمہارے پاس وہاں آ سکتا ہوں۔ اس کا جواب حامل رقعہ ہذا کے ہاتھ بھجوا دو۔"

خط کے آخر میں سردار نے اپنا پورا نام اس طرح لکھا تھا:

(سردار محمد خاں سور۔ جاگیردار جوئند)

خط پڑھنے کے دوران ہی سلیمان خاں کے چہرے پر خوشی کی سرخی دوڑنا شروع ہو گئی تھی پر جب اس نے خط ختم کیا تو وہ خوشی سے پاگل ہو رہا تھا۔ اس نے کچھ عجیب نظروں سے شہزادی حسن پیکر کو دیکھا اور بڑے جذباتی انداز میں بولا۔

"میرا جی چاہتا ہے کہ----" مگر وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

"شہزادی حسن پیکر نے شرما کر گردن جھکا لی۔"

بعض کتب میں لکھا ہے کہ سردار محمد خاں نے فرید خاں کو اپنے ایک نمائندہ کے ذریعہ پیغام بھیجا مگر خط بھیجنا زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے جواب میں فرید خاں نے سردار محمد خاں کو ایک تفصیلی خط لکھا تھا اور اس خط کے ساتھ ہی اپنے چھوٹے بھائی نظام خاں کو سردار محمد خاں کے پاس گفتگو کے لئے بھیجا تھا۔

فرید خاں نے جو خط لکھا تھا وہ تواریخ میں اس طرح درج ہے:

"آپ ہم سوریوں کے بہت بڑے سردار ہیں۔ آپ کے شایان شان نہیں کہ آپ یہاں آنے کی زحمت گوارہ کریں۔ جہاں تک آپ کے پاس میرے آنے کا سوال ہے تو میرے وہاں آنے کی ویسے ہی ضرورت نہیں کیونکہ حقیقت حال آپ سے مخفی نہیں۔ بابا خاں کی موجودگی میں میرے اور سلیمان خاں کے جو تعلقات تھے وہ بھی آپ کو خوب معلوم ہیں۔ ان کی وفات کے بعد میں نے سلیمان سے کہا تھا کہ بابا خاں نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں اضافہ کر دیتا ہوں آؤ ہم پہلی کشیدگی کو بھول جائیں اور اب بھائی بھائی بن کے محبت و اخلاص سے رہیں۔ سب عزیزوں نے بھی اسے سمجھایا مگر اس نے ہماری بات نہ مانی بلکہ آپ کے پاس شکایت لے کر چلا گیا۔ اب وہ آپ کے پاس ہے۔ ہم نادان بچے ہیں۔ آپ تجربہ کار اور صاحب اقتدار ہیں۔ آپ اسے سمجھائیں گے تو سمجھ جائے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ "روہ" کا علاقہ نہیں کہ باپ کی جاگیر بھائیوں میں برابر برابر تقسیم کر دی جائے۔

یہ ہندوستان ہے اور یہاں کے قانون کے مطابق جاگیر صرف بڑے بھائی کو ملتی ہے۔ میں اپنے بھائی نظام خاں کو آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں تاکہ آپ کے سامنے سلیمان کی تسلی کر کے اپنے ساتھ لے آئے۔ میں اس کے گزارہ کا خاطر خواہ بندوبست کر دوں گا لیکن اگر وہ چاہیں کہ جاگیر کی حکومت میں میرا شریک ہو تو ایسا ناممکن ہے۔ میری زندگی میں تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ نہ دو تلواریں ایک نیام میں سما سکتی ہیں اور نہ دو حاکم ایک حکومت پر حکمرانی کر سکتے ہیں۔"

سردار محمد خاں نے فرید خاں کا یہ خط پڑھا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ فرید خاں نے صاف الفاظ میں جاگیر کی تقسیم کا مطالبہ رد کر دیا تھا اور وہ اس سلسلے میں کسی قسم کی گفتگو بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

سردار محمد خاں اپنے غصہ کو پی گیا کیونکہ اس وقت وہاں سلیمان خاں بھی موجود تھا اور سلیمان خاں کی آنکھوں میں نظام خاں کو دیکھ کر خون اتر آیا تھا۔ اس نظام خاں نے اس کے ہاتھ سے اس وقت فرید خاں کی دستار چھین لی تھی جب وہ جشن کے موقعہ پر دستار پہن کر سہرام کا جاگیردار بننا چاہتا تھا۔

سردار محمد خاں بہت ہوشیار تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ نظام خاں اور سلیمان خاں میں اس کے محل میں کوئی جھگڑا ہو۔ اس جھگڑے میں دو میں سے ایک کی جان بھی جا سکتی تھی اور اس کا پورا الزام سردار محمد خاں پر آ سکتا تھا۔ سردار محمد خاں سوریوں کا سردار اعلیٰ بننا چاہتا تھا اس لئے وہ اپنے یہاں کوئی ایسی بات نہیں ہونے دینا چاہتا تھا جس سے اس کے وقار اور بزرگی پر کوئی حرف آ سکتا ہو۔

سردار محمد خاں نے غصہ دباتے ہوئے نظام خاں سے کہا۔

"نظام خاں تمہارے بھائی نے میری تجویز سے صاف انکار کر دیا ہے پھر اس خط کے ساتھ تمہارے آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

نظام خاں نے سپاٹ لہجے میں کہا "سردار اعلیٰ مقام۔ فرید بھائی نے مجھے اس وجہ سے خط کے ساتھ بھیجا ہے کہ شاید کسی بات کی وضاحت کی ضرورت پڑے۔"

"نہیں مجھے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔"

نظام خاں نے کھلا ہوا طنز کیا۔ "میرا آنا بیکار نہیں ہوا سردار معظم۔ مجھے بڑی آرزو تھی کہ میں سوریوں کے سب سے بڑے سردار کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں سو میری یہ آرزو تو پوری ہو گئی۔"

سردار محمد خاں نے کوئی جواب نہ دیا۔

نظام خاں اٹھ کر کھڑا ہو گیا "سردار محترم مجھے واپس جانے کی اجازت دیجئے۔"

سردار محمد خاں نے تکلفاً" کہا "ابھی تو تھکن بھی نہیں اتری کچھ دن آرام کے بعد چلے جانا۔"

"سردار محترم آپ کے غلام کو گھوڑے کی پیٹھ پر زیادہ آرام ملتا ہے۔ مجھے اجازت دی جائے۔"

"اچھا تمہاری مرضی۔" اور سردار محمد خاں نے اسے اجازت دے دی۔

نظام خاں باہر نکلنے لگا تو سلیمان خاں نے بھی اٹھنے کی کوشش کی۔

سردار محمد خاں نے اسے گھور کے دیکھا اور بولا۔ "سلیمان خاں تمہیں یہ لحاظ رکھنا چاہئے کہ یہ سوریوں کے سب سے بڑے سردار محمد خاں کا محل ہے۔ یہاں کوئی ایسی بات نہ ہونا چاہئے جس سے میں سوریوں کی نظروں میں حقیر ہو جاؤں۔"

اور سلیمان خاں اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گیا۔

محفل کی فضا بڑی گھمبیر ہو گئی۔ ایک تو فرید خاں کا جواب اس قدر تلخ تھا کہ سردار خاں کے منہ کا ذائقہ کڑوا ہو گیا اس پر طرہ یہ کہ نظام خاں کا لہجہ بھی حقارت آمیز تھا مگر سردار محمد خاں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ دراصل وہ سوری قبیلہ میں بدنام نہیں ہونا چاہتا تھا۔ سلیمان خاں کا منہ بھی پر لٹک گیا اور وہ سر جھکائے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

رات کے کھانے پر سردار محمد خاں نے سلیمان خاں کو بلوایا تو اس نے طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کر دیا۔ اس سے پہلے شہزادی حسن پیکر نے بھی شربتی کے ذریعہ دو مرتبہ بلوایا مگر اس نے انکار کر دیا تھا۔

سلیمان خاں منہ لپیٹے پڑا تھا کہ ایک غلام نے آ کر کہا۔

"سردار بہادر آپ کی مزاج پرسی کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔"

سلیمان خاں ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا۔ اتنے میں سردار محمد خاں کمرے میں داخل ہوئے۔

سلیمان خاں سنبھل کے بیٹھ گیا۔

سردار محمد خاں نے پہلے غلام کی طرف دیکھا۔ "تم باہر جاؤ۔"

غلام چپ چاپ باہر چلا گیا۔

"کیسے ہو سلیمان خاں---" سردار محمد خاں نے گفتگو شروع کی۔ "مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہاری طبیعت خراب ہے اور تم کھانا بھی نہیں کھاؤ گے۔"

"جی--- آپ کو صحیح اطلاع دی گئی۔" سلیمان خاں نے مضمحل آواز میں جواب دیا--- "کچھ کھانے کو طبیعت نہیں چاہ رہی ہے۔

"خیر میں ابھی طبیب کو تمہارے پاس بھیجوں گا۔" سردار محمد خاں نے اس کا ماتھا چھوا۔" وہ کوئی دوا دے دیں گے۔ صبح تک طبیعت سنبھل جائے گی۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں سردار معظم۔" سلیمان خاں نے کہا۔

"کل تک طبیعت ٹھیک ہو گئی تو اچھا ہو گا ورنہ میں پرسوں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔"

سردار محمد خاں مسکرائے۔

"سلیمان خاں تم نے ہماری بات سننے سے پہلے ہی فیصلہ کر لیا حالانکہ ہم نے تمہارے سلسلہ میں ایک اور فیصلہ کیا ہے۔

"میرے سلسلہ میں۔" سلیمان خاں نے بے دلی سے کہا۔ "فرید خاں کا تلخ جواب اور نظام خاں کا توہین آمیز رویہ۔" اس کے بعد آپ کیا فیصلہ کر سکتے ہیں؟"

"جب گھی سیدھی انگلیوں سے نہ نکلے تو انگلیاں ٹیڑھی کرنا پڑتی ہیں۔" سردار محمد خاں کا چہرہ سخت ہو گیا اور پیشانی پر سلوٹیں گہری ہو گئیں۔ "نظام خاں نے جو انداز اختیار کیا تھا اس کے لئے میں تمہیں بتا دوں کہ میرا ہاتھ کئی بار قبضہ شمشیر کی طرف گیا تھا مگر میں نے انتہائی ضبط کا ثبوت دیا۔ اگر وہ میرے محل پر نہ آیا ہوتا تو میں نے اسے ضرور قتل کر دیا ہوتا۔ خیر اب بات صاف ہو گئی ہے اور ہم فرید خاں سے وہی سلوک کریں گے جس کا وہ مستحق ہے۔"

سلیمان خاں جو سردار محمد خاں کے چہرے پر نظریں لگائے ہوئے تھا۔ اس نے نظریں پھیر کے ذرا تلخ لہجے میں کہا۔

"آپ اس کے ساتھ کیا سلوک کر سکتے ہیں سردار معظم۔ دراصل آپ پر سلطان ابراہیم لودھی کا خوف غالب ہے آپ کو بتایا گیا ہے کہ سلطان نے فرید خاں کو جاگیرداری کا پروانہ دیا ہے۔ آپ ڈرتے ہیں کہ اگر آپ نے فرید خاں کے خلاف کوئی قدم اٹھایا تو سلطان آپ کو معاف نہیں کرے گا۔"

سردار محمد خاں نے اور زیادہ رعب سے کہا۔

"سردار محمد خاں سور شاہ خیل جس وقت کوئی ارادہ کر لیتا ہے تو پھر وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتا چاہے وہ سلطان ہند ہی کیوں نہ ہو۔ میں تمہیں صاف الفاظ میں بتاتا ہوں کہ اب میں فرید خاں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے مجھے خط نہیں بھیجا بلکہ جنگ کا اعلان کیا۔ اس نے مصالحت کے تمام دروازے بند کر کے جنگ کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اب اس کا اور ہمارا فیصلہ تلوار سے ہی ہو گا۔"

"آمین۔ ثم آمین۔" خدا آپ کی زبان مبارک کرے۔" سلیمان خاں نے دبی آواز میں آمین کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔

پھر جب پائیں باغ میں اس کی شہزادی حسن پیکر سے ملاقات ہوئی تو اس نے خلوص دل سے شہزادی کا شکر ادا کیا۔

"شہزادی حسن پیکر۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے تمہارے انتخاب میں غلطی نہیں کی۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم میرے ساتھ تو مخلص ہو اور تمہیں بھی میرا اتنا ہی خیال ہے جتنا خیال میں تمہارا رکھتا ہوں۔"

شہزادی کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ "سلیمان خاں۔" شہزادی نے جذبات سے پر لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے بھی خوشی ہوئی کہ میں نے جس شخص کے لئے بابا خاں کی جھڑکیاں سہیں مگر ضد کر کے اپنی بات منوائی وہ شخص کوئی غیر نہیں بلکہ اپنا ہے۔ مجھے تم پر فخر ہے سلیمان خاں۔"

"اور مجھے اس وقت فخر ہو گا جب سردار محمد خاں تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیں گے پھر اگر مجھے سہرام کی جاگیر نہ بھی ملے تو میں تمہیں جاگیر کا صحیح بدل سمجھوں گا۔"

اس ملاقات میں دونوں طرف سے کھل کے محبت کا اظہار ہو گیا۔ سردار محمد کو یہ رشتہ پہلے ہی منظور تھا مگر وہ شہزادی حسن پیکر اور سلیمان خاں کے خیالات کا الگ الگ تجزیہ کرنا

چاہتا تھا تاکہ اسے بعد میں کوئی پچھتاوا نہ ہو۔ پھر جب شہزادی حسن پیکر نے ضد کر کے اور رو کر سردار محمد خاں کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ سلیمان خاں کو سہرام کی جاگیر دلانے کی کوشش کرے خواہ اس کے لئے اسے جنگ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اس گھڑی سردار محمد خاں کو یقین ہو گیا کہ اس کی بیٹی نے واقعی سلیمان خاں کو پسند کر لیا ہے۔

سردار محمد خاں کو کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہ تھی اس لئے اس نے سلیمان خاں کے لئے سہرام کی جاگیر بزور شمشیر حاصل کرنے کا فیصلہ کیا اور اس فیصلے سے سلیمان خاں کو بھی آگاہ کر دیا۔ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بات یہ تھی کہ شہزادی کی کنیزیں سردار محمد خاں کی جاسوسی اپنی شہزادی کے لئے کرتی تھیں تو شہزادی کی بعض کنیزیں خود شہزادی کی جاسوسی سردار احمد خاں کے لئے کرتی تھیں۔ سردار نے بعض کنیزوں کو جاسوسی پر مامور کر رکھا تھا۔

چنانچہ جب شہزادی حسن پیکر اور شہزادہ سلیمان خاں نے پائیں باغ میں کھل کر ایک دوسرے کی محبت کا اقرار کیا تو اس وقت بھی سردار محمد خاں کی ایک جاسوس کنیز ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے واپس جا کر سردار محمد خاں سے اس بات کی تصدیق کی کہ شہزادی حسن پیکر اور شہزادہ سلیمان خاں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔

اس یقین کے بعد سردار محمد خاں نے اپنے ایک سردار کے ذریعہ سلیمان خاں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ سردار محمد خاں سے شہزادی حسن پیکر کے لئے باقاعدہ طور پر درخواست کرے۔ چنانچہ سلیمان خاں نے جو خود انہی خطوط پر غور کر رہا تھا اسی سردار معرفت سردار محمد خاں کے پاس شہزادی حسن پیکر کے لئے پیغام بھیجا۔

سردار محمد خاں نے اس پیغام پر فوری ردعمل کا اظہار کیا اور سلیمان خاں کو اپنے پاس بلوا کر کہا۔

"سلیمان خاں ہمیں شہزادی حسن پیکر کے لئے تمہارا پیغام ملا۔۔۔" اتنا کہہ کر سردار محمد خاں خاموش ہو گیا۔

سلیمان خاں سمجھا کہ سردار بات آگے بڑھائے گا اور "ہاں یا نہیں" میں جواب دے گا لیکن سردار محمد خاں نے ایسی خاموشی اختیار کی کئی منٹ گزر گئے اور خاموشی دور نہ ہوئی۔ سلیمان خاں بے چین ہو گیا۔ سردار کی خاموشی اس کی سمجھ میں نہ آ رہی تھی۔ اس نے شہزادی حسن پیکر سے اس سلسلہ میں گفتگو کی تھی کہ اگر وہ سردار سے شہزادی کو مانگنے

تو سردار کا کیا رد عمل ہو گا اور شہزادی نے سلیمان خاں کو یقین دلایا تھا کہ اگر اس نے شہزادی کے لئے درخواست کی تو اس کے بابا خاں انکار نہیں کریں گے بلکہ مثبت جواب دیں گے پھر یہ خاموشی کیا معنی۔

آخر سلیمان خاں نے تنگ آ کر خود خاموشی کے اس جانگداز طلسم کو توڑا۔ "سردار معظم آپ کچھ فرما رہے تھے؟"

"ہاں--- ہاں۔" سردار محمد خاں نے چونکتے ہوئے کہا۔

سردار محمد خاں جان بوجھ کے خاموش ہوا تھا وہ خاموش رہ کر سلیمان خاں کی بے چینی کا اندازہ کرنا چاہتا تھا۔ آخر جب سلیمان خاں نے خاموشی سے اکتا کر خود سوال کیا تو اسے یقین آ گیا کہ سلیمان خاں واقعی شادی کے معاملہ میں سنجیدہ ہے۔

سردار محمد خاں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "سلیمان خاں تمہارا پیغام ہمیں ملا اور ہم نے اسے شرف قبولیت بخشا مگر---" اور سردار محمد خاں ایک بار خاموش ہوا۔ سلیمان خاں کی بے چینی پھر بڑھی مگر اس نے انتظار نہیں کیا اور بولا۔

"سردار محترم-- براہ کرم اپنا جملہ مکمل فرمایئے--- مگر کے آگے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

سردار محمد خاں کے چہرے پر مسرت کی روشنی پھیل گئی۔ بڑے اطمینان سے بولے۔

"وہ کوئی خاص بات نہیں ہے میں دراصل یہ چاہتا ہوں کہ تمہاری شادی میں والدہ یا بھائی ضرور شریک ہوں تاکہ لوگوں کو یہ کہنے کا موقع میسر نہ آئے کہ سوریوں کے سب سے بڑے سردار محمد خاں سور شاہ خیل نے اپنی بیٹی ایک معمولی جاگیردار کے بیٹے کے سر منڈھ دی۔"

"آپ کا حکم پورا ہو گا سردار معظم۔" سلیمان خاں کا دل کھل اٹھا تھا۔ "والدہ محترمہ تو شاید نہ آ سکیں مگر میں اپنے بھائی احمد خاں کو ضرور بلوا لوں گا۔"

"بس ٹھیک ہے باقی باتیں کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔"

سردار محمد خاں نے شہزادی حسن پیکر اور سلیمان خاں کی شادی کی اجازت دے دی۔

ایک روایت کے مطابق سلیمان خاں کی ماں تو جوئندہ نہ پہنچ سکی مگر اس کا چھوٹا بھائی احمد خاں کی موجودگی میں تاریخی اعتبار سے ثابت ہوئی ہے اور شاید وہی اس شادی میں

شریک ہوا تھا۔ اس شادی کے بعد دونوں بھائی یعنی سلیمان خاں اور احمد خاں وہاں سے واپس نہیں گئے بلکہ جوئند ہی میں مقیم رہے۔

فرید خاں کو جوئند میں ہونے والے تمام واقعات کا علم ہوتا رہتا تھا۔ وہ اپنے اردگرد کے واقعات سے ہمیشہ باخبر رہتا تھا۔ اور اس کا یہ رویہ اس کی تمام عمر پر محیط رہا۔ فرید خاں کی کامیابی میں اس کی اس روش کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ جب فرید خاں کو علم ہوا کہ اس کے دونوں سوتیلے بھائی ہمیشہ کے لئے سردار محمد خاں کے پاس مقیم ہو گئے ہیں تو اسے یقین ہو گیا کہ اب سردار محمد خاں اسے جاگیر سے بے دخل کرنے کے لئے ضرور جنگ کرے گا۔

فرید خاں نے ایک طرف تو خود کو باخبر رکھنے کے لئے ہر طرف اپنے آدمی بھیج رکھے تھے دوسری طرف اس نے یہ اصول بھی اپنایا تھا کہ وہ ہر اہم قدم اٹھانے سے پہلے اپنے خیر خواہوں سے ضرور مشورہ کرتا تھا۔ اس یقین کے بعد کہ اب سردار محمد خاں سے جنگ ناگزیر ہے اس نے فوراً اپنے بہی خواہوں کو طلب کیا اور سارا معاملہ ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ جانتے ہیں کہ افغانستان میں خاص کر روہ کے علاقہ میں جہاں سوری خاندان آباد تھا یہ طریقہ تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد جاگیر کو اس کے بیٹوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا مگر یہاں ہندوستان میں یہ طریقہ نہیں۔ لودھی خاندان کے عظیم سلطان سکندر لودھی نے اپنے دور حکومت میں افغانوں کے اس طریقہ کو ختم کر دیا اور حکم دیا کہ باپ کے انتقال کے بعد اس کی جاگیر اس کے بڑے بیٹے کو قانوناً منتقل ہو جائے گی اور دوسرے اہل خانہ یعنی بیوی بچوں کو گزارہ کے لئے ضروری ماہانہ مقرر کیا جائے گا تاکہ جاگیر تقسیم ہو کر ختم نہ ہو جائے اور افغانوں کی طاقت برقرار رہے۔

یہ قانون آج بھی جاری ہے اور اس قانون کے مطابق باپ کی جاگیر پر میرا حق ہے۔ سردار محمد خاں سور شاہ خیل جاگیردار جوئند اور میرے باپ میں تمام عمر مخالفت رہی۔ وہ میرے باپ کا تو کچھ نہ بگاڑ سکا مگر اب باپ کا بدلہ وہ مجھ سے لینا چاہتا ہے۔ بدقسمتی سے میرے دو سوتیلے بھائی سلیمان خاں اور احمد خاں دونوں اس کی جاگیر میں مقیم ہیں اور اس کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنے بھائی نظام خاں کے ذریعہ دونوں بھائیوں کو فراخدلانہ پیش کی تھی اور صاف الفاظ میں پیغام بھجوایا تھا کہ میں ان کا گزارہ کی رقم دوگنی کر

دوں گا مگر وہ نہیں مانے اور سردار محمد خاں سور کی شہ پر مجھے بزور شمشیر میرے حق سے محروم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ سردار محمد خاں پندرہ سو سواروں کا جاگیردار ہے اور میرے پاس صرف پانچ سو سوار ہیں جن سے اسے شکست دینا ناممکن ہے۔ اس کے لئے ہمیں یقیناً" کسی طاقتور شخصیت کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کرنا ہوں گے تاکہ وہ ہمیں سردار محمد خاں کے شر سے محفوظ کر سکے۔ اب آپ لوگ بتائیے کہ اس سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

فرید خاں نے اپنا مقدمہ اپنے خیر خواہوں کی عدالت میں اس قدر تفصیل اور دل پذیر انداز میں پیش کیا کہ مجلس کا ہر آدمی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا پھران میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا۔

"فرید خاں ہم نے آپ کو اپنا سردار مانا ہے اس کے بعد اس بات کی ضرورت نہیں رہتی کہ آپ ہم سے کسی بات میں مشورہ کریں ہمیں تو بس آپ کا حکم چاہئیے بہرحال ہم آپ کے شکرگزار ہیں کہ آپ نے ہمیں اپنے مشورہ کے قابل سمجھا۔ ہم آپ سے پوری طرح اتفاق کرتے ہیں اور آپ اس سلسلہ میں جو قدم بھی اٹھائیں گے ہم اس میں آپ کے قدم سے قدم ملا کر چلیں گے۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ مجھ پر اس قدر اعتماد کرتے ہیں۔" فرید خاں نے کہا۔

"ہم مسلمان ہیں اور مسلمانوں کے لئے یہ حکم ہے کہ ہر کام میں مشورہ کر لیا جائے۔ آپ میری رائے سے اتفاق کرتے ہیں تو میں اس سلسلہ میں آپ سے ایک بات اور کہوں گا اور وہ بات یہ ہے کہ ہم اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنانے میں اگر عجلت سے کام نہ لیں اور تھوڑا انتظار کر لیں تو میرے خیال میں یہ زیادہ بہتر ہو گا؟"

"مگر کیوں؟" ایک رکن نے کہا۔ "اگر آپ اس کی وضاحت فرمائیں تو اور زیادہ بہتر ہو گا؟"

"اس کی وضاحت یوں سمجھئے۔" فرید خاں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "خبروں کے مطابق مغل بادشاہ بابر ہندوستان پر حملہ کے لئے افغانستان سے روانہ ہو چکا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ مغلوں اور لودھیوں میں فتح یاب کون ہوتا ہے۔ اگر سلطان

ابراہیم لودھی کامیاب رہتے ہیں تو کوئی شخص مجھ سے میری جاگیر نہیں چھین سکتا اور اگر خدانخواستہ سلطان ابراہیم شکست کھا گئے تو ہم فوراً" بہادر خاں پسر دریا خاں لوحانی والئی بہار سے رجوع کریں گے کیونکہ وہی ایک ایسی شخصیت ہے جو اس آڑے وقت میں ہماری مدد کر سکتا ہے۔"

اس کے تمام خیر خواہوں نے اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا اور سب نے بیک زبان کہا۔

"ہم آپ کی تجویز کی تائید کرتے ہیں۔"



دولت خاں لودھی کے بلاوے پر مغل بادشاہ ظہیرالدین بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ سلطان ہند ابراہیم لودھی ایک لاکھ لشکر کے ساتھ جس میں ہاتھیوں کی کثیر تعداد بھی تھی پانی پت کے میدان میں پہنچا۔ بابر کے پاس بہت کم فوج تھی لیکن ایک تو اسے گھر کے بھیدی دولت خاں لودھی کی حمایت حاصل تھی دوسرے یہ کہ بابر نے پانی پت کے میدان میں پہلی مرتبہ بارود کا استعمال کیا اور توپ کے ایسے گولے برسائے کہ آگے بڑھتے ہوئے ہاتھیوں کے منہ پھر گئے۔ یہ پانی پت کی پہلی جنگ کہلاتی ہے جو 1526ء میں لڑی گئی۔

آخر سلطان براہیم لودھی نے شکست کھائی اور میدان جنگ میں مردانہ وار لڑتا ہوا کام آیا اور یوں ہندوستان کی حکومت افغانوں کے ہاتھوں سے نکل کر مغلوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔ سلطان ابراہیم لودھی کی شکست اور موت کے بعد ہندوستان کے کئی صوبہ داروں نے خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ ان میں بہار کا والی بہادر خاں پسر دریا خاں بھی تھا۔ بہادر خاں نے سلطان کا لقب اختیار کیا اور بہار میں اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کر دیا۔

دوسری طرف فرید خاں اپنی تدبیر کے مطابق بہار کے خودمختار بادشاہ سلطان محمد کے حضور میں حاضر ہوا اور اس کے سامنے اپنی خدمات پیش کیں۔ سلطان محمد کی نئی نئی حکومت تھی اسے وفادار اور پراعتماد منتظموں اور سرداروں کی اشد ضرورت تھی۔ فرید خاں کی قابلیت کا چرچا اس نے سن رکھا تھا۔ چنانچہ سلطان محمد نے فرید خاں کو فوراً" اپنی ملازمت میں لے لیا۔

فرید خاں محنتی اور فرض شناس سردار تھا اور سلطان محمد ویسا ہی قدر دان۔ اس لئے فرید خاں کی اعلیٰ قابلیت اور اخلاص کے پیش نظر سلطان محمد خاں نے اسے چند ہی ماہ بعد اپنے بیٹے ولی عہد شہزادہ جلال خاں کا اتالیق مقرر کر دیا اور پھر فرید خاں اور سلطان محمد خاں میں ایسی گہری چھننے لگی کہ سلطان محمد اسے ایک دن کے لئے بھی اپنے سے جدا نہ کرتا تھا۔

"ان دنوں سہرام کی جاگیر کا انتظام فرید خاں کا بھائی نظام خاں کر رہا تھا۔ فرید خاں کے سہرام سے غائب ہونے کی اطلاع جونند سردار محمد خاں کو بھی ہو گئی تھی اور فرید خاں کے بھائی سلیمان خاں اور احمد خاں بھی اس خبر سے بے خبر نہ تھے۔ ایک دن سلیمان خاں نے سردار محمد خاں سے عرض کیا۔

"کیا آپ کو علم ہے کہ فرید خاں سہرام چھوڑ کر چلا گیا ہے؟؟"

"معلوم ہے۔" سردار محمد خاں نے اسے مختصر سا جواب دیا۔

"کیا اس موقعہ سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا؟" سلیمان خاں نے دوسرا سوال کر دیا۔

"سلیمان خاں۔" سردار محمد خاں نے روکھے پن سے جواب دیا۔ تمہاری نظر سطحی اور تمہیں ملکی حالات کا پوری طرح اندازہ نہیں ورنہ ایسے سوالات نہ کرتے۔ تمہیں یہ تو معلوم ہو گیا کہ فرید خاں سہرام چھوڑ کر چلا گیا ہے مگر تم نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ وہ کس کے پاس گیا ہے؟؟"

"اس کا بھی مجھے علم ہے۔" سلیمان نے بڑے فخر سے کہا۔ "اس نے والی بہار کے پاس ملازمت کر لی ہے۔"

"والئی بہار نہیں۔" سردار محمد خاں نے سخت لہجہ میں کہا۔ "فرید خاں نے بہار کے خودمختار سلطان محمد کے دربار سے خود کو منسلک کر لیا ہے اور سلطان محمد نے اسے اپنے ولی عہد شہزادے جلال خاں کا اتالیق مقرر کر دیا ہے اگر اب بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آیا تو یوں سمجھو کو فرید کی جاگیر اب پہلے سے بھی زیادہ محفوظ ہو گئی ہے اگر کسی نے سہرام کی طرف قدم اٹھانے کی کوشش کی تو سلطان محمد کا لشکر اسے کچل کے رکھ دے گا۔ اب آ گیا تمہاری سمجھ میں؟؟"

"جی میں سمجھ گیا۔" سلیمان خاں نے مایوسی سے کہا۔ سردار محمد خاں کو اس کی مایوسی کا

فوراً" احساس ہوا۔ اس نے فوراً" دلاسہ دیا۔

"دل مت چھوڑنا سلیمان خاں حالات پر نظر رکھو حالات پر کسی کا قابو نہیں ہوتا جس وقت بھی حالات ہمارے موافق ہوئے ہم فوراً" حرکت میں آ جائیں گے۔ پھر تمہیں یہاں کیا تکلیف ہے تم خودمختار ہو اپنی مرضی سے کام کر سکتے ہو۔"

"آپ درست فرماتے ہیں سردار معظم۔" سلیمان خاں نے کہا۔

اس کے بعد سلیمان خاں نے حالات سے بالکل نظریں پھیر لیں بلکہ اس سے بہتر مستقبل کا خیال ہی دل سے نکال دیا اور تقدیر پر شاکر ہو گیا۔

یہ حقیقت ہے کہ حالات پر کسی کا قابو نہیں ہوتا اس وقت حالات فرید خاں کے موافق تھے۔ اس میں اس کی اہلیت اور قابلیت کا بھی ہاتھ تھا چنانچہ اس نے آہستہ آہستہ ترقی کے زینے طے کرنا شروع کر دیئے۔ قدرت نے فرید خاں کو صرف انتظامی قابلیت اور اہلیت ہی عطا نہیں کی تھی بلکہ اسے تمام سپاہیانہ صفات سے بھی نوازا تھا۔ فرید خاں ایک بہترین شہسوار اور اعلیٰ درجہ کا شمشیر زن تھا اور یہ واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ فرید خاں نے اپنی زندگی میں جو مقام پایا اس میں اس کی ذہنی قابلیت کے علاوہ اس کی شجاعت اور جوانمردی کو برابر کا دخل تھا۔

ایک مرتبہ شاہ بہار سلطان محمد شکار پر نکلا۔ اس زمانہ میں بادشاہ شکار پر جاتے تو ان کے ہاتھی گھوڑے اور پورا لاؤ لشکر ساتھ ہوتا تھا۔ سرداران فوج اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ساتھ ہوتے تھے۔ بادشاہ عام طور سے شیر کا شکار کھیلتے تھے۔ اس کے لئے جنگل میں تین اطراف سے ڈھول پیٹ کر اور شور و غل کر کے شیر کو چوتھی سمت یعنی اس طرح جہاں بادشاہ موجود ہوتا بھگا کر لے جانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اس شور و غل اور ڈھول پیٹنے کو "ہکوا" یعنی ہکا کے لے جانے کا نام دیا جاتا تھا۔

شاہ سلطان محمد شکار کے لئے معہ اپنے سرداروں اور دوسرے خواریوں کے جنگل میں پہنچا اور تین طراف سے "ہکوا" شروع ہوا۔ سردار اپنے اپنے گھوڑوں پر ہوشیار ہو کے بیٹھے ہوئے تھے۔ نظریں ادھر ادھر تیزی سے گھوم رہی تھیں کیونکہ شیر سامنے کی طرف کسی سمت سے بھی نکل کر آ سکتا تھا۔

اس وقت "ہوشیار فرید خاں" کی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئیں۔

فرید خاں کی تلوار بے نیام ہو چکی تھی۔
شیر، فرید خاں پر جست لگا چکا تھا۔
فرید خاں کی نظریں اوپر آتے شیر پر لگی ہوئی تھیں۔
شیر، فرید خاں کے سر پر پہنچ چکا تھا۔
دیکھنے والوں میں بعض کی چیخیں نکل گئیں۔
بعض نے خوف کے مارے آنکھیں بند کر لیں۔

فرید خاں نے سر پر آتے ہوئے شیر پر اپنی تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ مارا۔ شیر زخمی ہو کر نیچے گرا اور اس کے ساتھ ہی فرید خاں نے گھوڑے سے جست لگائی اور زمین پر گرے شیر کی طرف لپکا۔ زخمی شیر کی دھاڑوں سے سارا جنگل گونج رہا تھا، کانپ رہا تھا۔ فرید خاں اس کے قریب پہنچ گیا۔

فرید خاں کے ہمراہیوں نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ شیر زمین پر گرا پڑا ہے اور فرید خاں اس پر تلوار کے پے در پے وار کر رہا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ شیر نے فرید خاں کے جسم کے پرزے پرزے کر دیئے ہوں گے لیکن انہوں نے شیر کی خون میں لتھڑی ہوئی لاش کو دیکھا انہیں اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آ رہا تھا۔ فرط حیرت سے ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔

شاہ سلطان محمد نے ہاتھی کو بٹھایا۔ اتر کے فرید خاں کے پاس پہنچا اور اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔ سلطان نے اسی وقت فرید خاں کو "شیر خاں" کا خطاب دیا۔ یہ خطاب اس قدر مقبول ہوا کہ لوگ اس کا اصل نام بھول گئے۔ شیر خاں تقویٰ، فراست اور عدالت کا پہلے ہی پیکر تھا اب اس نے خود کو مجسم شجاعت بھی ثابت کر دکھایا۔ "شیر خاں" کا خطاب دراصل اس کے عروج کی پہلی سیڑھی تھی۔

یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ شیر خاں ایک متقی اور پرہیز گار انسان تھا۔ ایک روز جب شیر خاں سلطان محمد کے محل میں موجود تھا۔ سلطان اندر سے نکلا تو اس نے شیر خاں کو جانماز پر بیٹھا دیکھا۔

سلطان نے ہنس کے کہا "شیر خاں تو نے نمازیں پڑھ پڑھ کر سہسرام اور خواص پور ٹانڈہ کی جاگیر تو پہلے ہی حاصل کر لی ہے اب کیا ہمارا بہار بھی لینے کا ارادہ ہے؟"

شیر خاں نے برجستہ جواب دیا۔ "جب اللہ تعالیٰ حضور کو دہلی کا تخت دے گا تو آپ بہار کو خود ہی مجھے عنایت فرما دیں گے۔"

شیر خاں کو سلطان محمد کی ملازمت میں کئی سال گذر گئے۔ اس دوران اس نے شہزادہ جلال کی نیابت میں کئی مہمات ملکی سرانجام دیں۔ شیر خاں کی اعلیٰ قابلیت نے سلطان اور رعایا دونوں کے دلوں میں اس کے لئے عزت اور محبت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ اس تمام عرصہ میں جوئند کا جاگیردار سردار محمد خاں اور شیر خاں کے سوتیلے بھائی فرید خاں کے زوال کا انتظار کرتے رہے مگر انہیں اس کی کوئی خبر نہ ملی۔ سردار محمد خاں دل ہی دل میں دعائیں مانگتا تھا کہ کسی طرح شیر خاں ذلیل کر کے بہار سے نکالا جائے تو وہ اس سے انتظام لے اور سہرام پر قبضہ کر کے اپنی طاقت میں اضافہ کرے مگر اس کے ارمان اس کے دل ہی میں تڑپ تڑپ کے جاں دیتے تھے۔ جب سے فرید خاں کو شیر خاں کا خطاب ملا تھا اس وقت سے تو اس کے مخالفوں کے سینے پر ہروقت سانپ لوٹتے رہتے تھے۔

پھر کئی سال کے بعد ایک ایسا موقعہ آیا کہ سردار محمد خاں کو شیر خاں کی غیبت اور بدگوئی کرنے کی کھلی چھٹی مل گئی۔ ان دنوں شیر خاں، سلطان سے اجازت لے کر اپنی جاگیر (سہسرام) کے انتظام کے لئے گیا ہوا تھا۔ سردار محمد خاں کو جیسے ہی معلوم ہوا کہ شیر خاں بہار سے سہسرام گیا ہوا ہے وہ فوراً ہی سلطان محمد کے پاس بہار پہنچ گیا۔

سلطان محمد، شیر خاں کی صحبت کا اس قدر دلدادہ ہو گیا کہ اس کی جدائی ایک دن کو بھی برداشت نہ تھی۔ وہ ہر آئے گئے سے شیر خاں کا ذکر کرتا اور شکوہ کرتا کہ شیر خاں کو گئے ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا اور وہ اب تک نہیں پلٹا۔ شیر خاں کو واقعی اس مرتبہ ضرورت سے کہیں زیادہ وقت لگ گیا تھا۔ وہ عام طور پر دو تین دن سے زیادہ سہسرام میں نہیں گزارتا تھا۔ مگر اس بار وہ کچھ ایسے انتظامات میں الجھا کہ اسے وہاں ایک ماہ سے بھی زیادہ ٹھہرنا پڑا۔

سردار محمد خاں، سلطان کے پاس پہنچا تو اس نے سردار محمد خاں کی بہت خاطر و مدارت کی۔ سلطان اس کا اس وجہ سے لحاظ کرتا تھا کہ اور سلطان کے والد دریا خاں لوحانی سے اچھے مراسم تھے۔ سلطان نے حسب عادت سردار محمد خاں سے بھی فرید خاں کا شکوہ کیا۔

"دیکھو سردار محمد خاں دنیا کیسی بے مروت ہو گئی ہے۔ ہم فرید خاں کو سر آنکھوں پر

بٹھایا۔ اپنی صحبت خاص میں رکھا اور ولی عہد شہزادے جلال خاں کا اسے اتالیق مقرر کیا مگر اسے تو ہماری پرواہ ہی نہیں ہے۔ اسے سہسرام گئے ہوئے ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا مگر اس نے پلٹنے کا اب تک نام نہیں لیا۔ میں کہیں آنے جانے سے نہیں روکتا مگر انسان کو خود خیال ہونا چاہئے اگر اسے سہسرام میں کوئی کام پڑ گیا تھا تو کم از کم کوئی اطلاع تو بھجوائی ہوتی۔ آدمی کو اتنا بے مروت اور بد احساس نہیں ہونا چاہئے۔"

جب سلطان اپنے دل کی بھڑاس نکال چکا تو سردار محمد خاں نے جلتی پر تیل انڈیل دیا۔ اس نے کہا "عالی جاہ آپ کس فرید خاں کا ذکر کر رہے ہیں۔ وہ تو پرلے درجہ کا ابن الوقت اور بے مروت انسان ہے۔ وہ کسی کا احساس نہیں مانتا۔ آپ اس کا خیال چھوڑ دیں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ اب آپ کے پاس نہیں آئے گا۔"

سلطان نے سردار محمد خاں کو گھور کے دیکھا۔ "اب کیا ہو گیا ہے۔ وہ کیوں واپس نہیں آئے گا؟"

سردار محمد خاں کو تو اب غیبت کرنے کا موقعہ ملا تھا۔ اس نے جھٹ سے کہا "عالی جاہ بات یہ ہے کہ آج کل سلطان مرحوم (سلطان ہند ابراہیم لودھی) کا بھائی سلطان محمود ہندوستان آیا ہوا ہے۔ شنید یہ ہے کہ اکثر افغان اس سے مل کر مغلوں کو ہندوستان سے نکالنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ فرید خاں بھی ایسے ہی لوگوں میں شامل ہے۔"

سلطان سوچ میں پڑ گیا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ فریب کار سردار محمد خاں جوئند سے آیا ہی اس لئے تھا کہ کسی طرح سلطان کو بہکا کر فرید خاں کے خلاف کر دے پھر جب فرید خاں اکیلا ہو جائے تو اس پر حملہ کر کے اس کا خاتمہ کر دے۔ سردار محمد خاں نے سلطان کو خیالوں میں گم دیکھا تو سمجھا کہ شاید تیر نشانے پر لگا ہے اس لئے اس نے ایک قدم اور بڑھایا۔ اس نے بڑی مکاری سے کہا۔

"عالی جاہ فرید خاں کو واپس بلانے کی ایک تدبیر میرے ذہن میں ہے۔ حکم ہو تو عرض کروں؟"

"کیا تدبیر ہے ہم بھی سنیں؟" سلطان نے دریافت کیا۔

سردار محمد خاں نے کہنا شروع کیا۔ "شاید حضور کو علم ہو کہ شیر خاں کے باپ نے اسے گھر سے نکال دیا تھا۔۔۔"

"سردار محمد خاں پرانی باتیں چھوڑو اور تدبیر بتاؤ؟" سلطان نے اس کی بات کاٹ دی۔

"عالی جاہ اس کا تعلق اس معاملہ سے بہت گہرا ہے۔" سردار محمد خاں فرید خاں کی برائیاں کرنے پر تلا ہوا تھا۔ سلطان خاموش رہا تو اس نے پھر کہنا شروع کیا۔

"گھر سے نکالے جانے پر فرید خاں بھاگ کے آگرہ پہنچا اور اس نے سلطان ابراہیم لودھی سے باپ کی شکایت کی اور درخواست کی باپ سے جاگیر چھین کے اس کے نام کر دی جائے مگر سلطان ابراہیم لودھی نے اسے یہ کہہ کر بھگا دیا کہ یہ عجب بدذات آدمی ہے کہ باپ کی شکایت کرتا ہے۔۔۔"

"یہ داستان کتنی لمبی ہے سردار محمد خاں؟" سلطان نے اسے پھر ٹوکا۔

"بس صرف ایک بات رہ گئی ہے عالی جاہ۔" سردار محمد خاں نے بڑی بے غیرتی سے کہا۔ "پھر جب فرید خاں کے باپ حسن خاں کا انتقال ہوا تو شیر خاں نے دولت خاں کی سفارش سے سہسرام کی جاگیر سلطان ہند سے اپنے نام کرا لی اور اپنے بھائیوں سلیمان خاں اور احمد خاں کو سہسرام سے نکال دیا۔ اب وہ بیچارے میرے پاس پناہ گزین ہیں۔ ان میں سلیمان خاں بڑا زیرک جوان ہے۔ اجازت ہو تو اسے حضور کی خدمت میں پیش کروں اگر حضور حسن خاں کی جاگیر کا فرمان سلیمان خاں کے نام تحریر فرما دیں تو اس کی حق رسی ہو جائے گی اور شیر خاں بھی حضور کے قدموں میں پناہ لینے پر مجبور ہو جائے گا۔"

بہار کا سلطان بڑی خاموشی سے سردار محمد خاں کی شرانگیز گفتگو سن رہا تھا۔ جب وہ خاموش ہوا تو غضبناک لہجے میں بولا۔ "کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں فرید خاں کی وفاداریوں کا اسے یہ صلہ دوں کہ ایک معمولی سی بات پر اس کی جاگیر چھین کر اس کے بھائی کے حوالے کر دوں۔ تمہارا یہ خیال فتنہ انگیز ہے۔ میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔"

سردار محمد خاں نے سلطان کو ناراض ہوتے دیکھا تو فوراً بات پلٹ دی۔ "عالی جاہ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں نے تو شیر خاں کو خود پیش کش کی تھی کہ میں وہاں آکر تم بھائیوں میں صلح کرا دوں تاکہ تمہارے خاندان میں پھیلا ہوا فتنہ و فساد ختم ہو جائے مگر شیر خاں اس بات پر آمادہ ہی نہیں ہوتا۔"

سردار محمد خاں نے بات اس طرح پلٹی کہ سلطان فریب کھا گیا۔ اس نے کہا "ہاں یہ صلح صفائی والی بات ٹھیک ہے۔ مصالحت بہرصورت ضروری ہے۔ سردار محمد خاں تم سور

خاندان کے بزرگ ہو میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم شیر خاں اور اس کے بھائیوں کے درمیان اس طرح صلح کرا دو کہ اس کے خاندان سے فتنہ و فساد ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ یہ کام تو بہت نیکی کا ہے۔"

سردار محمد خاں کا تو اصل مقصد ہی یہ تھا۔ وہ وہاں سے اٹھا تو دل ہی دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔ اس نے سوچا کہ سلطان کے اس حکم یا فرمان کے تحت وہ بزور شمشیر سہسرام کا قبضہ سلیمان خاں کو دلا سکتا ہے۔ اس نے جوئند پہنچتے ہی اپنے ایک معتمد غلام شادی خاں کے ذریعہ فرید خاں کو مندرجہ ذیل پیغام بھیجا۔

"فرید خاں میں نے تمہیں پہلے بھی پیشکش کی تھی کہ میں تمہارے پاس آؤں یا تم میرے پاس آ جاؤ تاکہ تمہارے اور تمہارے بھائیوں سلیمان خاں اور احمد خاں کے درمیان جاگیر کے سلسلہ میں جو جھگڑا پیدا ہوا ہے اسے ختم کیا جائے مگر تم نے میرا مشورہ ماننے سے انکار کر دیا۔

اب میں پھر تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ تم باپ کی چھوڑی ہوئی جاگیر پر تنہا قابض رہو۔ معلوم ہے کہ ہم افغانوں میں یہ رسم ہے کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کی جاگیر بیٹوں میں تقسیم کر دی جاتی ہے اس لئے بہتر ہے کہ تم اس جاگیر کو اپنے اور اپنے بھائیوں سلیمان خاں اور احمد خاں کے درمیان تقسیم کر دو وہ دونوں ایک عرصہ سے میرے پاس پڑے ہوئے ہیں اور میں ان کی دادرسی کرنے پر مجبور ہوں۔"

فرید خاں ایک بار پہلے بھی سردار محمد خاں کی یہ پیش کش یا حکم ٹھکرا چکا تھا اور اس نے سخت جواب دیا تھا مگر اب دوبارہ اس کے پاس یہ پیغام پہنچا تو اس کے کان کھڑے ہوئے۔ فرید خاں نے سردار محمد خاں کے خوف کے تحت ہی سلطان بہار کے یہاں ملازمت اختیار کی تھی۔ اور سردار محمد خاں کو اس کی اس ملازمت کی وجہ سے اس پر حملہ کرنے کی جرات نہ ہوئی تھی اب وہ یہ سوچ کر سخت پریشان تھا کہ وہ اب بھی سلطان بہار کی ملازمت میں ہے پھر سردار محمد خاں کو اسے یہ سخت پیغام بلکہ الٹی میٹم بھیجنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی۔

فرید خاں نے چاہا کہ پیغام لانے والے شادی خاں کو کچھ دن اپنے یہاں ٹھہرا لے تاکہ اس دوران وہ صحیح حالات معلوم کر سکے لیکن شادی خاں نے سردار محمد خاں کے حکم کے ماتحت فوری جواب کا مطالبہ کیا اور فرید خاں کو مجبور ہو کر اس بار بھی کم و بیش پہلے جیسا سخت جواب دینا پڑا۔ اس نے سردار محمد خاں کو لکھا:

"محترم سردار محمد خاں میں آپ کو پہلے تحریر کر چکا ہوں کہ ہندوستان میں افغانوں کی رسم کے مطابق جاگیر تقسیم نہیں ہوتی بلکہ یہاں جاگیر کا فیصلہ سلطان سکندر لودھی کے فرمان کے تحت کیا جاتا ہے۔

سلطان سکندر لودھی کا فرمان ہے کہ اگر کوئی امیر فوت ہو جائے تو اس کا خزانہ اور دیگر مال و اسباب اس کے بیٹوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے مگر جاگیر پر سب سے بڑے بیٹے کا حق ہو گا۔

سلیمان خاں میرے باپ کا خزانہ اور دیگر مال و اسباب لے کر آپ کے پاس پہلے پہنچ چکا ہے اور ہم آپ کی خاطر نہ اسے کچھ کہہ سکتے ہیں اور نہ خزانہ میں اپنا حصہ لے سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ میرے پاس مرحوم سلطان ابراہیم لودھی کا فرمان موجود ہے جس میں دونوں پر گنے میرے نام درج ہیں اس میں کسی اور کا نام نہیں ہے اس لئے میں جاگیر میں تو خوشی سے کسی کو رتی بھر حصہ نہیں دوں ہاں اگر سردار شمشیر کے زور سے حاصل کر لیں تو اور بات ہے۔"

شیر خاں نے اپنا جواب پیغام لانے والے شادی خاں کے حوالے کیا۔ شادی خاں کا رویہ بھی فرید خاں سے بہت سخت اور غیر مناسب تھا کیونکہ شادی خاں کو معلوم تھا کہ جنگ کی صورت میں فرید خاں کے خلاف سردار محمد خاں کے لشکر کی سالاری اس کے سپرد ہو گی۔ چنانچہ اس نے واپس جا کر سردار محمد خاں کو شیر خاں کا یہ تلخ جواب بھی پیش کیا اور یہ بھی کہا کہ فرید خاں نے سردار محمد خاں کو بہت برا بھلا بھی کہا ہے۔

سردار محمد خاں نے جنگ کی تیاری تو کر ہی رکھی تھی شیر خاں کا جواب موصول ہوتے ہی اس نے سلیمان خاں کو بلا کر کہا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہارے لئے کیا کیا ہے؟"

سلیمان خاں نے جواب دیا "مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ آپ نے میرے لئے کیا کیا ہے مگر سردار نے جو کچھ بھی کیا ہو گا وہ میری بہتری میں ہو گا۔"

سردار محمد خاں مسکرایا "اب تم سمجھدار ہو گئے۔ ہم نے فرید خاں کے خلاف جنگ کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ جنگ تمہارے لئے ہو گی اور اس وقت تک جاری رہے گی جب تک سہسرام پر تمہارا قبضہ نہیں ہو جاتا۔"

سلیمان خاں کی خزاں رسید امیدوں میں تو جیسے بہار آ گئی۔ خوش ہو کے بولا۔

"میں آپ کا غلام ہوں سردار میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں آپ کے احسانوں کا بدلہ چکا سکوں۔"

"بہادر الفاظ سے بلکہ اپنی بہادری سے احسانوں کا بدلہ چکاتے ہیں۔" سردار محمد خاں نے زور دے کر کہا۔ "ہم اپنے معتمد خاص شادی خاں کی سرکردگی میں لشکر بھیج رہے ہیں۔ تم بھی جسم پر اسلحہ سجاؤ اور میدان جنگ میں یہ ثابت کرو کہ تم سردار محمد خاں کے صحیح معنوں میں بیٹے ہو۔"

سلیمان خاں نے محل میں پہنچ کے یہ خوشخبری حسن پیکر کو سنائی ان دونوں کی شادی ہو چکی تھی۔ وہ پہلے تو کچھ مغموم ہوئی پھر خوشی خوشی سلیمان خاں کے جسم پر اپنے ہاتھوں سے اسلحہ سجا کر لشکر کے ساتھ رخصت کیا۔

شیر خاں بھی جنگ کے لئے تیار تھا۔ اس نے اپنے باپ کے ایک پرانے غلام ملک سکھ خاں کو فوج دے کر شادی خاں کے مقابلہ پر بھیجا۔ سکھ خاں کی فوج شادی خاں کے لشکر کے نصف کے قریب تھی۔ دونوں کا مقابلہ خواص پور ٹانڈہ کے قریب ہوا۔ ملک سکھ خاں کا لشکر اگرچہ کم تھا پھر بھی بہت بہادری سے لڑا مگر اس نے شکست کھائی اور میدان جنگ ہی لڑتا ہوا کام آیا۔

شکست کی خبر پاتے ہی شیر خاں اپنی ماں اور دوسرے عزیزوں کے ساتھ سہسرام چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد سلیمان خاں اور احمد خاں فوج کا ایک دستہ لے کر سہسرام پہنچے تاکہ شیر خاں کو گرفتار کر کے اسے خوفناک سزا سے دوچار کریں۔ ان کا یہ ارمان ان کے دل میں ہی رہ گیا۔ شیر خاں ان کی پہنچ سے بہت دور نکل چکا تھا۔

سلیمان خاں نے سہسرام کے دس معززین کو اس لئے قتل کرا دیا کہ ان پر شیر خاں کے حلیف ہونے کا شبہ تھا۔ اس کے بعد اس نے حاجی پور سے اپنی ماں چاندنی کو بلوایا جب چاندنی ایک بند گاڑی میں مسلح سواروں کی حفاظت میں سہسرام پہنچی تو سلیمان خاں نے اس کا پرتپاک استقبال کیا اور اسے اسی محل میں اتارا جس میں اب تک شیر خاں مقیم تھا۔

چاندنی کے سہسرام پہنچنے پر سلیمان خاں نے سردار محمد خاں کی طرف جانے کا ارادہ کیا چونکہ ابھی سہسرام پر قبضہ کو چند ہی روز گزرے تھے اس لئے سلیمان خاں نے فاتح لشکر کو کچھ دن کے لئے وہیں روک لیا اور احمد خاں کو بہت سی احتیاطی ہدایات دے کر خود تنہا جوئند روانہ ہوا۔

حسن پیکر کو فتح کی اطلاع پہنچ چکی تھی اور وہ پھولے نہ سماتی تھی۔ پھر جب اسے سلیمان خاں کے آنے کی خبر ملی تو وہ فاتح شوہر کے استقبال کے لئے ایک منزل آگے پہنچ گئی۔ سلیمان خاں اور حسن پیکر اتنے جذباتی انداز میں ملے جیسے مدتوں بعد ملے ہوں۔ وہاں سے چل کر سلیمان خاں اور حسن پیکر جوئند پہنچے اور سردار محمد خاں کے حضور میں سلام پیش کیا۔

سلیمان خاں کا سر احسان سے جھکا جا رہا تھا۔ اس نے بڑے جذباتی انداز میں کہا۔

"آپ واقعی سوریوں کے سب سے بڑے سردار ہیں۔ آپ نے مجھ پر جو احسان کیا ہے اس کا بدلہ میں عمر بھر نہ اتار سکوں گا۔"

سردار محمد خاں کا سر غرور سے اکڑا ہوا تھا۔ اس نے سلیمان خاں کے سر پر ہاتھ رکھا پھر بیٹی حسن پیکر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"سلیمان خاں کس کا احسان اور کیسا احسان۔ احسان تو غیروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ تم تو اپنے ہو۔ ہمیں تمہاری بہادری پر فخر ہے۔ ہم سمجھتے تھے کہ تم صرف باتیں بنانا جانتے ہو مگر اس جنگ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد میدان ہو۔"

"یہ سب آپ کے زیر سایہ رہنے کا اثر ہے سردار اعظم۔" سلیمان خاں نے بڑے خوشامدانہ انداز میں کہا۔ "ہمارے لشکر نے فرید خاں جو اب اپنے آپ کو شیر خاں کہلواتا ہے کے سالار فوج ملک سکھ خاں کو تو گھیر کر قتل کر دیا مگر فرید خاں بچ کے نکل گیا۔ اس بزدل نے سامنے آنے کی کوشش ہی نہیں کی۔"

"ہاں سلیمان خاں---" سردار محمد خاں قدرے فکر مند لہجے میں بولا۔ "جب تک شیر خاں ہاتھ نہیں آتا تمہاری یہ فتح نامکمل ہے۔ تمہیں بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے وہ کسی وقت بھی واپس آ سکتا ہے۔"

ادھر تو یہ کھچڑی پک رہی تھی اور شیر خاں کو زندہ یا مردہ پکڑنے کی تدبیریں ہو رہی تھیں اور دوسری طرف شیر خاں شکست خوردہ لشکر کے بچے کھچے لشکری' شیر خاں اور اس کا بھائی نظام خاں ایک ویرانے میں ٹھہرے ہوئے تھے اور اس بات پر غور ہو رہا تھا کہ اب ان کا اگلا قدم کیا ہونا چاہئے۔

شیر خاں کے ایک ہمدرد نے رائے پیش کی۔ "سردار شیر خاں آپ نے سلطان بہادر خاں والئی بہار کی کئی سال تک خدمت کی ہے۔ آپ اس کے ولی عہد جلال خاں کے اتالیق بھی ہیں اگر آپ اس کے پاس تشریف لے جائیں اور اسے بتائیں کہ سردار محمد خاں نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے تو وہ آپ کی مدد پر ضرور آمادہ ہو جائے گا۔ آپ اس سے فوجی مدد لے کر اپنی جاگیر واپس لے سکتے ہیں۔"

شیر خاں نے مغموم لہجے میں کہا "تم نے جو رائے دی وہ اپنی جگہ درست ہے میں نے واقعی سلطان کی بہت خدمت کی ہے اور جلال خاں کا اتالیق بھی ہوں مگر تمہیں یہ نہیں معلوم کہ سردار محمد خاں سور شاہ خیل کس قدر چالاک اور شاطر انسان ہے۔ اس کے علاوہ سردار محمد خاں' سلطان بہادر خاں اور ان کے والد دریا خاں کے قدیم امیروں میں ہے۔ اس نے سلطان ابراہیم لودھی کے زمانہ میں دریا خاں کی ایک موقعہ پر مدد بھی کی تھی۔ اس صورت حال میں سلطان اس کی مخالفت پر کسی طرح بھی آمادہ نہ ہو گا۔ اگر ہم نے سلطان کے سامنے اپنا مقدمہ پیش بھی کیا تو زیادہ سے زیادہ یہ کہے گا کہ جاگیر کو بھائیوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ یہ ہم چاہتے نہیں۔"

شیر خاں کے خیر خواہ کی رائے درست تھی تو شیر خاں کا جواب اس سے بھی زیادہ حقائق پر مبنی تھا چنانچہ اب پھر سب سر جوڑ کے بیٹھے اور غور کرنا شروع کیا۔ اس غور و فکر کے دوران اچانک نظام خاں کے دماغ میں ایک خیال آیا۔

اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "شیر خاں کیوں نہ ہم کڑامانک پور کے گورنر جنید برلاس کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کریں جب اپنوں سے امید نہ رہ جائے تو غیروں کو

ضرور آزمانا چاہئے؟"

شیر خاں بھائی کی اس تجویز پر پھڑک اٹھا۔ "نظام خاں تم نے بڑا معقول مشورہ دیا ہے۔ جنید برلاس کو مغل بادشاہ بابر نے کڑامانک پور کی گورنری پر لگایا ہے۔ پھر یہ علاقہ سردار محمد خاں سور کی جاگیر جوئند کے قریب ہی واقع ہے۔ جنید برلاس نیا نیا گورنر ہوا ہے۔ اسے متعمد سرداروں کی یقیناً" ضرورت ہو گی۔ اگر ہم اسے اپنی خدمات پیش کریں تو وہ نہ صرف اسے خوشی خوشی قبول کرے گا بلکہ ہماری مدد پر بھی آمادہ ہو سکتا ہے۔"

نظام خاں نے مزید کہا "شیر بھائی سردار محمد خاں کی طاقت میں سہسرام پر قبضہ ہو جانے کے بعد اضافہ ہوا ہے۔ اس کا علم جنید برلاس کو ہو چکا ہو گا میرے خیال میں مغلوں کا گورنر اس بات سے ضرو خائف ہو گا کہ اس کے پڑوس میں سردار محمد خاں جیسا افغان سردار طاقتور ہوتا جائے اس لئے بھی وہ ہماری خدمات ضرور قبول کرے گا۔"

"بالکل ٹھیک---" شیر خاں نے تائید کی--- "بس یہ طے ہو گیا کہ میں کڑامانک پور جا کر جنید برلاس کو اپنی خدمات پیش کروں مجھے امید ہے کہ ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔ بالفرض اس نے انکار کر دیا تو پھر ہم کوئی اور گھر دیکھیں گے۔"

جب شیر خاں کڑامانک پور کے گورنر جنید برلاس کے پاس پہنچا تو اس نے شیر خاں کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور سر آنکھوں پر بٹھایا۔

غلام نے سلطان جنید برلاس کو اطلاع دی۔ "افغان سردار شیر خاں سور باریابی کا خواستگار ہے؟"

جنید برلاس چونکا۔ اس نے ذہن پر زور ڈالا تو یاد آیا کہ کچھ دن پہلے کسی شخص نے اس کے حضور عرض کیا تھا کہ اپنے علاقہ کے قریب کے جاگیردار جوئند کی فوج نے شیر شاہ پر حملہ کیا اور دونوں میں خوب جنگ ہوئی ہے۔ چونکہ یہ افغانوں کی آپس کی لڑائی تھی اس لیے سلطان جنید برلاس نے اس پر زیادہ توجہ نہ دی تھی مگر اب شیر خاں اس کے حضور باریابی کا خواہش مند تھا۔ جنید برلاس نے غلام سے دریافت کیا۔

"شیر خاں تنہا ہے؟"

"جی حضور"۔ غلام نے جواب دیا۔ "شیر خاں' اس کا بھائی اور صرف تین سوار اور ہیں"۔

"ٹھیک ہے۔ اسے احترام سے لے کے آؤ"۔ جنید برلاس نے حکم دیا۔

غلام نے باہر پہنچ کے شیر خاں سے عرض کیا "سرکار آپ کے منتظر ہیں۔ آپ میرے ساتھ چلئے۔ ساتھیوں کو میں مہمان خانہ میں پہنچواتا ہوں"۔ غلام نے ایک دوسرے غلام کو بلایا اور شیر خاں کے بھائی اور ساتھیوں کو مہمان خانہ میں بھیج دیا۔

شیر خاں اور اس کے ساتھیوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ سلطان جنید برلاس نے باعزت مہمان سمجھ کر اندر بلوایا ہے۔ اس سے ان کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔

غلام اور شیر خاں آگے پیچھے سلطان جنید برلاس کے سامنے پہنچے۔

"کڑا مانک پور کے مغل گورنر سلطان جنید برلاس کی خدمت میں سلام نیاز پیش کرتا ہوں" سلطان جنید برلاس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ہم سہسرام کے جاگیردار شیر خاں سور کو خوش آمدید کہتے ہیں"۔

"گورنر بہادر-----" شیر خاں نے فوراً جواب دیا۔ "مجھے جاگیردار سہسرام کہہ کر شرمندہ نہ کیجئے۔ سہسرام پر سردار محمد خاں جاگیردار جوئندہ کا قبضہ ہو چکا ہے اور اب میں ایک دربدر انسان ہوں"۔

"شیر خاں۔ بہادر مایوس نہیں ہوا کرتے"۔ جنید برلاس نے جواب میں کہا "تمہاری جاگیر پر تمہارے ہی قبیلہ کے جاگیردار نے قبضہ کیا ہے۔ اب تم ہمارے پاس کس لیے آئے۔

"اعلیٰ مقام گورنر"۔ شیر خاں بولا۔ "شدید گرمی اور دھوپ میں انسان سائے کی طرف دوڑتا ہے۔ آپ میرے لئے سایہ دار درخت ہیں۔ آپ چاہیں تو مجھے اپنی ملازمت میں لے کر مجھے سردار محمد خاں کے جور و ستم سے محفوظ کر سکتے ہیں؟"

گورنر جنید برلاس چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔ "شیر خاں۔ ہم بہادروں کے قدردان ہیں۔ بہادری مغل اور افغان میں تمیز نہیں کرتی یہ تو قدرت کی دین ہے۔ ہم تمہیں اپنی ملازمت میں قبول کرتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ تمہاری جاگیر تمہیں بہت جلد واپس مل جائے گی"۔

شیر خاں کے لیے جنید برلاس' ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بن گیا۔ وہ اسی مقصد کے لیے کڑا مانک پور آیا تھا۔ چنانچہ وہ جنید برلاس کی ملازمت میں آ گیا۔ شیر خاں کے عادات و

اطوار اور حسن سلیقہ سے جنید برلاس اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے چند ہی ماہ بعد شیر خاں سے کہا۔

"شیر خاں ہم نے تمہیں جاگیر واپس دلانے کا وعدہ کیا تھا۔ بتاؤ تمہیں اس مقصد کے لیے کتنے سوار درکار ہوں گے؟"

"گورنر بہادر----- میں آپ ۔ کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔ جہاں تک لشکر کی تعداد کا تعلق ہے تو اس کے لیے عرض ہے کہ سردار محمد خاں ڈیڑھ ہزار سواروں کا جاگیردار ہے۔ اگر مجھے صرف ایک ہزار سواروں کا لشکر مل جائے تو میں سہسرام پر قبضہ کر کے سردار محمد خاں کو بھی اس کی جاگیر جوئند سے بے دخل کر دوں گا"۔

"شاباش۔ بہادروں کے یہی انداز ہوتے ہیں"۔ جنید برلاس نے اس کی تعریف کی۔

"تمہیں ایک ہزار سوال مل جائیں گے۔ تم جب چاہو اپنی مہم پر جا سکتے ہو"۔

شیر خاں نے اپنے بھائی نظام اور دوسرے ساتھیوں سے مشورہ کیا پھر بغیر وقت ضائع کئے جنید برلاس کا لشکر لے کر سہسرام کی طرف بڑھا۔ سہسرام پر قبضہ کرنے کے بعد سلیمان خاں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ شیر خاں کی طاقت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا ہے اور اب وہ کبھی سر نہ اٹھا سکے گا۔

وہ اسی خواب خرگوش میں مبتلا تھا کہ اسے شیر خاں کے آندھی اور طوفان کی طرح سہسرام کی طرف آنے کی خبر ملی تو وہ بدحواس ہو گیا اور اپنی بیوی حسن پیکر' والدہ چاندنی اور بھائی احمد خاں کو ساتھ لے کر رات کے اندھیرے میں جوئند کی طرف نکل بھاگا۔

شیر خاں کو سہسرام پر قبضہ میں کوئی دقت نہ ہوئی بلکہ سہسرام کے عوام نے اسے خوش آمدید کہا۔ سہسرام پر قبضہ اور انتظام کے بعد شیر خاں نے آگے قدم بڑھائے خالصہ شاہی کے دو پرگنوں پر قبضہ کیا اور اب اس کا رخ سردار محمد خاں کی جاگیر جوئند کی طرف تھا۔

سردار محمد خاں کو معلوم ہو چکا تھا کہ شیر خاں کے پاس جنید برلاس کا دیا ہوا ایک ہزار سواروں کا لشکر ہے اس کے پاس اگرچہ اپنا ڈیڑھ ہزار سواروں کا لشکر تھا مگر اس نے بزدلی دکھائی اور اپنے تمام متعلقین کے ساتھ جس میں حسن پیکر' سلیمان خاں' احمد خاں اور اس کی والدہ چاندنی بھی تھی۔ رہتاس کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گیا۔ شیر خاں اس کی جاگیر

جوئند پر بے خوف و خطر واپس آ گیا۔ اب شیر خاں نے تمام اطراف سے اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب کو بلکہ اپنی جاگیر میں آباد کیا پھر اس نے اپنے طور پر فوجی بھرتی کی۔ اس طرح اس نے ایک ہزار سواروں کی اپنی نئی فوج تیار کر لی اور مغل امدادی فوج کو انعام و اکرام دے کر واپس کر دیا۔ سلطان جنید برلاس کے لیے اس نے بے شمار تحفے تحائف بھجوائے اور انہیں شکریہ کا ایک طویل خط لکھا۔

اس سلسلے میں شیر خاں نے اپنے دشمن سردار محمد خاں سور شاہ خیل کو ایک دوستانہ خط لکھا جس میں اس نے تحریر کیا۔

"آپ ہم سوریوں کے معتبر سرداروں میں سے
ہیں۔ ہم آپ کو ایسی حالت میں نہیں دیکھ سکتے۔ آپ بلا
خوف و خطر واپس تشریف لائیے اور اپنی جاگیر سنبھالئے ۔
مجھے آپ کی جاگیر کی ہوس نہیں۔ میں نے صرف سلطان
ابراہیم لودھی کے خالصہ علاقوں پر قبضہ کیا ہے۔
یہ فتنہ و آشوب کا زمانہ ہے۔ ہم افغانوں کو آپس
میں لڑ کر ضائع کرنے کے بجائے اسے محفوظ رکھنا چاہیے
اور باہمی محبت و اخلاص کے ذریعہ اسے بڑھانا چاہیے۔

شیر خاں کا یہ اقدام ایک طرف تو اس کی وسعت قلبی کا پتہ دیتا ہے کہ اس نے اپنے بدترین دشمن کی جاگیر پر قبضہ کرنے کے بعد اسے واپس دینے کی پیش کش کی۔

سردار محمد خاں والی جوئند' شیر خاں کی اس یقین دہانی کے بعد رہتاس کی پہاڑیوں سے واپس آ گیا اور شیر خاں نے حسب وعدہ اس کی جاگیر اس کے حوالے کر دی۔ اس کے حسن سلوک سے سردار محمد خاں اس قدر متاثر اور احسان مند ہوا کہ اس کے آئندہ کبھی اس کے خلاف نہ تو خود کوئی قدم اٹھایا نہ سلیمان کو اجازت دی کہ وہ شیر خاں کی مخالفت کرے۔

شیر خاں کے دل و دماغ میں مستقبل کے بڑے بڑے منصوبے تھے اس لیے وہ چاہتا تھا کہ ہند میں آباد افغانوں کا جس قدر بھی تعاون اسے حاصل ہو سکے تو اس کے حق میں بہتر ہو گا۔ سردار محمد خاں کے ساتھ اس کے اس احسان نے دوسرے افغانوں کو بھی شیر خاں کی طرف متوجہ کر دیا اور وہ دور دور سے سمٹ کے اس کے پاس آنے لگے۔

اپنی جاگیر کے انتظام سے فارغ ہونے کے بعد شیر خاں مزید تحفے تحائف کے ساتھ کڑا مانگ پور کے گورنر کی خدمت میں پہنچا اور اس نے اس کی ملازمت اختیار کر لی۔



مغل بادشاہ ظہیر الدین محمد بابر نے ابراہیم لودھی کو شکست دے کر ہندوستان کی بادشاہت حاصل کر لی تھی اس وقت ہند کا دارالسلطنت آگرہ تھا اور دہلی میں ایک گورنر رہا کرتا تھا۔ آگرہ کا قلعہ سکندر لودھی نے تعمیر کیا تھا اور بابر وہیں مقیم تھا۔ افغان شہنشاہ کی شکست کے بعد مغل لشکر نے ہندوؤں کے سب سے بڑے راجہ سنگرام کو بھی کنواہہ کی جنگ میں شکست دے کر اس کا خاتمہ کر دیا تھا۔

ظہیر الدین بابر نے سلطان ابراہیم لودھی کے بھائی سلطان محمود لودھی کو بھی دوبار شکست دے کر افغانوں کا زور ہمیشہ کے لیے توڑ دیا تھا۔ اسی زمانہ میں بابر نے سلطان جنید برلاس کو کڑا مانک پور کا گورنر بنایا تھا۔

شیر خاں کو سلطان جنید برلاس کے دربار میں رہتے ہوئے ایک زمانہ گزر چکا تھا۔ اس وقت اس کی عمر چالیس سے اوپر ہو چکی تھی ۔ شیر خاں نے ایک متقی مسلمان کی طرح شادی کی تاریخ میں اس کے دو بیٹے قطب خاں اور جلال خاں مشہور ہوئے ایک بہن کا بھی تھوڑا سا ذکر ملتا ہے۔

مشہور ہے کہ انسان کا چہرہ اس کے دل کا آئینہ ہوتا ہے اور قیافہ شناس چہرے کی لکیروں سے تقدیر کا حال پڑھ لیتے ہیں۔ شیر خاں کے سلسلہ میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا جو تاریخ کا حصہ بن گیا۔ اس واقعہ کو مورخین نے مختلف انداز سے لکھا ہے یہ واقعہ اس وقت ظہور پذیر ہوا جب مغل بادشاہ بابر نے پہلی بار شیر شاہ کو ایک دعوت کے دوران دور سے دیکھا تھا۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب شیر خاں اپنے ولی نعمت سلطان جنید برلاس کا شکریہ ادا کرنے آگرہ گیا ہوا تھا۔ دوسرا بیان یہ ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب مغل بادشاہ بابر' راجہ میدنی رائے کی سرکوبی کے لیے اطراف چندیری میں ٹھہرا ہوا تھا۔ یہی بیان صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس وقت تک مغل بادشاہ ہندوستان کے بہت سے علاقے فتح کر چکا تھا اور باقی علاقوں کی فتوحات میں مصروف تھا۔ جس زمانہ میں شہنشاہ بابر اطراف چندیری

میں آیا تو سلطان جنید برلاس اپنے لشکر کے ساتھ شہنشاہ کی خیمہ گاہ میں حاضر ہوا اور اسے سلامی پیش کی۔ شیر خاں چونکہ جنید برلاس کا ملازم تھا اس لیے وہ بھی اپنے ایک مختصر دستے کے ساتھ اس خیمہ گاہ میں پہنچا۔ شیر خاں کے عزائم چونکہ بہت بلند تھے اور وہ اپنے احباب میں برملا کہتا تھا کہ اگر اس کی تقدیر نے یاوری کی تو وہ ایک دن مغلوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرے گا۔

چنانچہ شیر خاں اپنے ارادوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے مغل شہنشاہ کو قریب سے دیکھنا چاہتا تھا پھر جب سلطان جنید برلاس' شہنشاہ بابر کے پاس جانے لگا تو شیر خاں خود درخواست کر کے جنید برلاس کے ساتھ محاذ پر چلا گیا اسی دوران کسی کھانے کے دوران شہنشاہ بابر کی اچانک نظر شیر خاں پر پڑی تو یہ نظر اس پر اٹک کے رہ گئی۔

شہنشاہ بابر' شیر خاں کو نہیں پہچانتا تھا۔ اس نے اپنے وزیر میر خلیفہ کو مخاطب کیا۔

"میر خلیفہ ذرا اس افغان بچہ کو تو دیکھنا جو------ وہ دور پر بیٹھا ہے؟"

میر خلیفہ نے شہنشاہ کے اشارے پر ادھر دیکھا میر خلیفہ چونکہ جنید برلاس کا بھائی تھا اور شیر خاں کو پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ اس لیے دل ہی دل میں مسکرایا اور بولا۔

"جی ہاں۔ شہنشاہ معظم۔ میں دیکھ رہا ہوں اس افغان بچہ کو"۔

شہنشاہ نے شیر خاں پر اسی طرح نظریں جمائے ہوئے کہا۔

"اس افغان بچہ نے بڑی عجیب حرکت کی ہے"۔

"کیا حرکت کی ہے اس نے عالی جاہ؟" میر خلیفہ نے پوچھا۔

شہنشاہ بابر نے کہا "اس کے سامنے آش ماہیچہ تھا۔ شاید اس نے اسے پہلے کبھی نہیں کھایا تھا۔ اس لیے بے جھجک اس نے کمر سے خنجر کھینچا اور اس سے آش ماہیچہ کو ٹکڑے کیا اور اب قاشق سے بے تکلف کھا رہا ہے۔ تم دیکھ رہے ہو نا میر خلیفہ؟"

"جی جہاں پناہ بالکل دیکھ رہا ہوں" شہنشاہ نے تجسس کا اظہار کیا۔

"ہمیں اس افغان کی پیشانی پر تاج کی علامت محسوس ہوتی ہے۔ اس سے پہلے ہم نے یہ سطوت کسی بڑے سے بڑے افغان کی پیشانی پر نہیں دیکھی۔ اسے دیکھ کے ہمیں خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ کیوں نہ اسے گرفتار کر لیا جائے۔ میر خلیفہ یہ شخص کون ہے؟"

"عالی جاہ۔ یہ ایک معمولی سا سردار ہے"۔ میر خلیفہ نے جواب دیا۔ "اس کا نام شیر

خاں ہے یہ میرے بھائی سلطان جنید برلاس صوبہ دار کڑامانک پور کے پاس ملازم ہے۔ اس سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے جہاں پناہ؟"

شہنشاہ بابر مطمئن نہ ہوا۔ اس نے پھر کہا۔ "نہیں میر خلیفہ یہ کوئی معمولی افغان نہیں ہے کسی بڑے سے بڑے افغان کو دیکھ کر ہمارے دل میں ایسا خطرہ پیدا نہیں ہوا جو اسے دیکھ کر ہو رہا ہے۔ اسے ضرور گرفتار کر لینا چاہیے؟"

"جہاں پناہ کے حکم کی ابھی تعمیل ہوئی جاتی ہے لیکن اس کی گرفتاری سے دوسرے افغانوں میں بے چینی کی لہر دوڑ سکتی ہے"۔ میر خلیفہ نے شہنشاہ کو ایک بڑے خطرہ سے آگاہ کیا۔

"وہ کس طرح۔ اس کی وضاحت کرو میر خلیفہ؟" شہنشاہ نے وضاحت طلب کر لی۔

"جہاں پناہ-----" میر خلیفہ نے بڑی دیانتداری سے وضاحت کی۔ "شیر خاں سوری خاندان کا فرد ہے اور مغل لشکر میں سوری افغانوں کے بہت سے دستے شامل ہیں۔ جب انہیں معلوم ہو گا شیر خاں کو محض ایک شبہ کی بنا پر گرفتار کر لیا گیا ہے تو ان کا اعتماد مغلوں پر سے اٹھ جائے گا اور اس وقت جو مغل اور افغان اتحاد کی صورت پیدا ہو رہی ہے اس سلسلے میں شک و شبہ پیدا ہو گا جس سے نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ ویسے شہنشاہ کے حکم کی ابھی تعمیل ہو سکتی ہے؟"

شہنشاہ بابر نے شیر خاں کی گرفتاری پر زور تو نہیں دیا مگر وہ سوچ میں ضرور پڑ گیا پھر اسی کھانے کے دوران ہی اس نے میر خلیفہ سے کہا۔

"اس افغان کو کھانے کے بعد ہمارے حضور پیش کیا جائے"۔

میر خلیفہ نے تعمیل حکم کے لیے سر جھکا دیا۔ دستر خوان اٹھنے کے بعد جب میر خلیفہ نے شیر خاں کو بلانے کے لیے اس کی قیام گاہ پر سپاہی بھیجا ہے تو اس نے واپس آ کر شہنشاہ بابر کے سامنے میر خلیفہ کو اطلاع دی۔

"حضور۔ شیر خاں اپنے دستہ کے ساتھ قیام گاہ سے روانہ ہو چکا ہے"۔

میر خلیفہ یہ سن کر سناٹے میں آ گیا۔ اس وقت شہنشاہ بابر نے کہا۔

"میر خلیفہ آپ نے اس وقت ایک خطرناک انسان کو نکل جانے کا موقعہ دیا۔ اگر آپ سفارش نہ کرتے تو ہم شیر خاں کو گرفتار کر کے اس کی طرف سے مطمئن ہو جاتے"۔

میر خلیفہ بہت شرمندہ ہوا۔ اس نے فوراً" معذرت پیش کی۔

"جہاں پناہ۔ میں معذرت خواہ ہوں کہ عالی جاہ کی عقل رسا کو نہیں پہنچ سکا۔ امید ہے کہ اعلیٰ حضرت مجھے معاف فرمائیں گے"۔

شیر خاں کے دعوت سے اٹھ جانے پر قیام گاہ کو چھوڑنے کی وجہ کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے۔ جس وقت شہنشاہ بابر نے اپنے وزیر میر خلیفہ سے شیر خاں کی طرف اشارہ کیا تھا اس وقت اتفاقاً" شیر خاں کی نظر شہنشاہ بابر کی طرف اٹھ گئی تھی اور ذہین "شیر خاں نے شہنشاہ کی گفتگو نہ سننے کے باوجود اس کے ہلتے ہوئے ہونٹوں اور آنکھ اور ہاتھ کے اشاروں سے اندازہ لگا لیا کہ شہنشاہ بابر اپنے وزیر سے اسی کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے اور یہ کہ شہنشاہ اس کے لیے اچھے خیالات کا اظہار نہیں کر رہا ہے۔ یہ اندازہ ہوتے ہی شیر خاں چپکے چپکے مہمانوں کی نظریں بچاتا دسترخوان سے اٹھ کے باہر آیا اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنی قیام گاہ پر پہنچا اس نے اپنے دستہ کو فوراً" حکم دیا۔

"فوراً" اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ اور یہاں سے نکل چلو"۔

اس کا حکم پاتے ہی اس کے دستے کے تمام سوار گھوڑوں کی پشت پر پہنچ گئے۔ ٹھیک اسی وقت ایک عورت اپنے ساتھ بارہ تیرہ سال کے ایک لڑکے کو لے کر شیر خاں کے پاس پہنچی اور اس نے پھولی پھولی سانسوں کے درمیان شیر خاں سے کہا۔

"شیر خاں ـــــ تم بہت عقلمند ہو۔ شاید تم نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے؟"

"ہاں ـــ مگر تم ـــــ" شیر خاں آگے کہنا چاہتا تھا مگر خاتون نے اس کی بات کاٹ دی۔

وہ جلدی سے بولی۔ "اس کی تفصیل بتانے کا وقت نہیں۔ یہ میرا لڑکا ہے۔ تم اسے سہسرام لیتے جاؤ اور اسے حاجی پور پہنچا دینا۔ اچھا خدا حافظ"۔

اس کے ساتھ ہی وہ عورت تیزی سے واپس چلی گئی۔ شیر خاں نے اس لڑکے کو ایک سوار کے پیچھے بٹھا دیا اور سب نے ایک ساتھ باگیں اٹھا دیں پھر ان کے پیچھے سوائے ایک غبار کے گولے کے اور کچھ نہ تھا۔

شیر خاں کی روانگی کے کچھ ہی دیر بعد میر خلیفہ کا سپاہی اس کی قیام گاہ پر پہنچا تو وہاں

کے خادم نے بتایا۔

"شیر خاں کو اپنی جاگیر سے ایک اہم پیغام پہنچا تھا اس کے پاتے ہی شیر خاں اپنے آدمیوں کے ساتھ اپنی جاگیر کو واپس چلا گیا ہے"۔

سہسرام پہنچ کر شیر خاں نے سلطان جنید برلاس کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا جس میں اس نے چندیری کے محاذ سے واپس آنے کی اس طرح وضاحت کی۔

جاگیر کے حالات بگڑ جانے کی وجہ سے مجھے چندیری سے فوراً" واپس آنا پڑا۔ میں جلدی میں آپ کے بھائی میر خلیفہ کے پاس پہنچ کر ان سے اجازت بھی نہیں حاصل کر سکا۔ اس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں۔

دراصل مجھے یہ اطلاع اپنے بھائی نظام خاں کی طرف سے موصول ہوئی تھی جس میں اس نے لکھا تھا کہ محمد خاں سور جاگیردار جوئند اور ہمارے سوتیلے بھائیوں نے سلطان محمد والی بہار کو عریضہ لکھا کہ شیر خاں چونکہ مغلوں سے مل گیا ہے اس لیے آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم اس کے پرگنوں پر بزور شمشیر قبضہ کر لیں۔ یہ وجہ تھی میرے لشکر گاہ سے فوراً" چلے آنے کی۔ اسے بے ادبی یا گستاخی پر محول نہ کیا جائے میں آپ کا بندۂ احسان۔ جو خدمت آپ میرے سپرد کریں گے میں اسے فوراً" بجا لاؤں گا"۔

دراصل شیر خاں نے اپنے مربی سلطان جنید برلاس کو اپنی وفاداری ثابت کرنے کے لیے یہ خط لکھا تھا مگر اصل حقیقت یہ تھی کہ شیر خاں کا مغلوں سے اعتماد اٹھ گیا تھا اسی طرح مغلوں کا شیر خاں پر سے اعتبار اٹھ گیا تھا۔

جن دنوں شیر خاں، مغل لشکر گاہ سے واپس آنے کے بعد اپنی جاگیر سہسرام کے انتظام و انصرام میں مصروف تھا۔ اس زمانہ میں ایک رات ایک عجیب واقعہ پیش آیا جب شیر خاں، جونپور میں تعلیم و تربیت حاصل کر رہا تھا تو ایک دفعہ ان کے استاد نے اپنے شاگردوں سے کہا تھا۔

"فرید بادشاہ آ رہا ہے۔ اسے لے کے آؤ"۔

استاد کے اس کہنے پر لڑکے حیران ہوئے تھے کیونکہ جب وہ باہر نکلے تو انہیں جو شخص ملا تھا اس کا نام "فرید خاں" تھا مگر استاد نے اسے فرید بادشاہ کہا تھا۔ اس طرح کا ایک واقعہ اب سہسرام میں پیش آیا تھا جو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

شیر خاں اپنے چند ساتھیوں کو لئے ہوئے رات کے وقت سہسرام کے گلی کوچوں میں گھوم رہا تھا۔ یہ شیر خاں کی عادت بنیں بلکہ اس کے طریق حکومت کا ایک حصہ تھا۔ راتوں کو گھوم پھر کر وہ رعیت کے حالات سے براہ راست واقفیت حاصل کرتا ایسے موقعہ پر وہ نقد رقم کے علاوہ کپڑے بھی اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ وہ کسی غریب کے گھر میں چاندی سونے کے سکے پھینک دیتا تو کسی سوتے ہوئے آدمی کی چارپائی پر کپڑے رکھ دیتا۔ اس طرح وہ مجبوروں اور ضرورت مندوں کی پوشیدہ طور پر مدد کرتا تھا۔

اس رات شیر خاں اپنے وفاداروں کے ساتھ اپنی حویلی سے نکل کر کچھ ہی دور پہنچا تھا کہ گلی کی نکڑ سے آواز بلند ہوئی۔

"واہ وا۔۔۔۔ سلطان دہلی آ رہا ہے"۔

اس غیر معمولی اور کڑک دار آواز پر شیر خاں اور اس کے ساتھی ٹھٹھک کے کھڑے ہو گئے شیر خاں تو وہیں ٹھہرا رہا مگر اس کا ایک ساتھی گھوڑا بڑھا کر آواز کے رخ پر چلا۔ وہاں پہنچ کے اس نے دیکھا کہ ایک درویش گدڑی سے سر نکالے بیٹھا ہے۔

شیر خاں کے وفادار نے درویش سے کہا "بابا۔ تم نے ابھی کیا کہا تھا؟"

"جو کہا تھا وہ ٹھیک کہا تھا۔" درویش نے تلخ لہجے میں جواب دیا اور گدڑی اوڑھ کے لیٹ گیا۔

شیر خاں ان دنوں متفکر تھا۔ مغلوں سے اس کے تعلقات بگڑ گئے تھے۔ اس نے سلطان جنید برلاس کو معذرت کا خط لکھ دیا تھا مگر اب اس کے پاس جانا خطرے سے خالی نہ تھا۔ دوسری طرف بنگال کا سلطان محمود جو مرحوم ابراہیم لودھی کا بھائی تھا وہ بھی شیر خاں کے خلاف تھا اور اسے راستے سے ہٹانے کی کوشش میں تھا۔ ایسے حالات میں ایک درویش کا اسے "سلطان دہلی" کہنا نہ صرف اچھا لگا بلکہ اس نے اسے تائید غیبی خیال کیا اور اسے اس سے تقویت حاصل ہوئی۔

ایسے پر آشوب دور میں شیر خاں جیسے امیر کا اکیلے رہنا خطرے سے خالی نہ تھا پس وہ اپنے پرانے مربی سلطان محمد خاں والئ بہار کے دربار میں پہنچا۔ سلطان کا دل شیر خاں کی طرف سے صاف تھا چنانچہ اس نے شیر خاں کی واپسی پر مسرت کا اظہار کیا اور شہزادے جلال خاں کو پھر اس کی شاگردی میں دیدیا۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ کچھ ہی عرصہ بعد سلطان محمد خاں کا انتقال ہو گیا۔ شیر خاں کے لیے یہ بہترین موقعہ تھا کہ وہ بہار پر قبضہ کر کے اپنے سلطان ہونے کا اعلان کر دے مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ اپنے ہمدرد اور مربی کی بیوی اور یتیم بچہ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔ شیر خاں نے خود شہزادے جلال خاں کو بہار کے تخت پر بٹھا دیا اور اس کی نیابت میں انتظام سلطنت سنبھال لیا۔ سلطان محمد خاں کے مرنے کی اطلاع جب بنگال کے سلطان محمود کو پہنچی تو اس نے یہ خیال کرتے ہوئے بہار کا بادشاہ خورد سال ہے' اپنے سالار قطب خاں کو بہار پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کر دیا۔

شیر خاں نے بہار اور بنگال کی جنگ کو ٹالنے کی بہت کوشش کی۔ اس سلسلہ میں اس نے سلطان محمود کو ایک خط لکھا جس میں اس بات کا اظہار کیا کہ بہار اور بنگال دونوں کے حاکم افغان ہیں۔ اس لیے آپس میں لڑ کے کمزور ہونے کے بجائے یہ بہتر ہو گا کہ دونوں طاقتیں مغلوں کے خلاف اعلان جنگ کریں اور اس نئی طاقت کو ہندوستان سے نکالنے کی کوشش کریں۔

مگر سلطان محمود نے شیر خاں کے اس صائب مشورہ پر غور کرنے کے بجائے اسے شیر خاں کی کمزوری پر محمول کیا اور اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ اس کے سالار قطب خاں نے بہار پر حملہ کیا۔ شیر خاں نے اس کا مقابلہ کیا اور شدید جنگ کے بعد قطب خاں مارا گیا اور بنگالی لشکر میدان چھوڑ بھاگا۔ سلطان محمود کا بہار کی فتح کا خواب' خواب ہی رہا اور فتح کے بجائے اسے اپنے ہاتھیوں' گھوڑوں' اسلحہ اور خزانہ سے ہاتھ دھونا پڑے۔

شیر خاں کے ہاتھ خزانہ آیا تو اس نے فوراً فوجی بھرتی شروع کر دی اس کا خیال تھا کہ بنگال کا سلطان محمود اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے بہار پر دوبارہ حملہ کرے گا اس لیے اس نے خزانہ لشکریوں میں تقسیم کرنے کے بجائے فوجی ضروریات پر خرچ کر دیا۔ بہار کے لشکری جو جلال خاں کے لوہانی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے وہ شیر خاں کو پسند نہ کرتے تھے

کیونکہ شیر خاں کے خلاف محاذ قائم کر لیا اور اس میں شہزادے جلال خاں کو بھی بھلا پھسلا کے شامل کر لیا۔ ان سب نے مل کے شیر خاں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا جس کی اطلاع شیر خاں کو مل گئی۔ اس میں ناکام ہونے کے بعد جلال خاں نے لوہانیوں کے کہنے پر بنگال کے سلطان محمود لودھی سے ساز باز شروع کر دیا۔

ان حالات سے شیر خاں اس قدر بد دل ہوا کہ وہ بہار چھوڑ کے اپنی جاگیر سہسرام واپس چلا گیا۔ ادھر جلال خاں نے اپنی فوج کو بنگال کی فوج میں غم کر دیا اس طرح بنگال اور بہار کی ایک ریاست اور بادشاہی بن گئی۔

شیر خاں کے لیے اب اور زیادہ خطرہ بڑھ گیا تھا۔ اس پر سلطان محمود انتقام لینے کے لیے کسی وقت بھی حملہ کر سکتا تھا اس لیے اس نے دھڑا دھڑ فوجی بھرتی شروع کی اور اسلحہ جمع کرنے میں لگ گیا۔ شیر خاں کا اندازہ اور اندیشہ درست ثابت ہوا۔ سلطان محمود نے شیر خاں کے خلاف لشکر روانہ کیا۔ شہزادہ جلال خاں اس لشکر کے ساتھ تھا۔ اس لشکر کے مقابلہ پر شیر خاں کے پاس بہت کم فوج تھی۔ سلطان محمود کے لشکر کو کسی خاص حکمت عملی کے تحت ہی شکست دی جا سکتی تھی۔ چنانچہ شیر خاں نے بہت سوچ بچار کے بعد یہ منصوبہ بنایا کہ جس وقت فوجوں کا مقابلہ ہو تو آغاز ہی میں دشمن پر زبردست دباؤ ڈال کر اسے پسپا کر دیا جائے جب بنگالی لشکر حملہ آور ہوا تو شیر خاں نے اتنا زبردست جوابی حملہ کیا کہ بنگالی پیدل فوج پسپا ہونے پر مجبور ہو گئی یہی نہیں بلکہ بنگالی لشکر کو اپنے ہاتھی بھی پیچھے ہٹانا پڑے۔

پیدل فوج کے پسپا ہوتے ہی شیر خاں نے بنگال کے ریزرو دستوں پر حملہ کر کے ان کا قلعہ قمع کرنا شروع کر دیا۔ اسی دوران بنگالی لشکر کا کمانڈر ابراہیم مارا گیا۔ اس کے قتل ہوتے ہی بنگالی لشکر میدان چھوڑ گیا۔ جلال خاں بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کے بنگال پہنچا مگر اس کا خزانہ اور تمام ہاتھی گھوڑے شیر خاں کے ہاتھ گئے اور شیر خاں کا بہار پر قبضہ ہو گیا۔ اس طرح اسے بنگال پر دوسری فتح نصیب ہوئی۔

بہار پر قبضہ کے بعد شیر خاں وہاں کی تجارت اور زراعت کو فروغ دینے میں لگ گیا اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی فوجی طاقت بڑھانا بھی شروع کر دی۔ شیر خاں تمام انتظامی امور میں براہ راست دلچسپی لیتا تھا انہیں اپنے امیروں پر نہیں چھوڑتا تھا اس کے علاوہ اس

کا محکمہ جاسوسی بڑا زبردست تھا۔ وہ ملکی اور غیر ملکی حالات سے پوری طرح باخبر رہتا تھا اور اسے کوئی گمراہ نہ کر سکتا تھا۔ تیسری اور آخری خوبی شیر خاں میں یہ تھی کہ عدل و انصاف اس کی طبیعت کا ایک جزو بن گیا تھا۔ وہ کسی کی رو رعایت نہ کرتا اور چھوٹے بڑے سب کے ساتھ انصاف کرتا تھا۔

شیر خاں جس شخص کو ملازم رکھتا۔ اس سے صاف الفاظ میں کہہ دیتا۔

"یہ تمہیں تنخواہ اور الاؤنس باقاعدگی سے ملے گا۔ اس میں کوئی کمی نہ ہو گی لیکن اگر تم نے کسی پر ظلم کر کے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کی تو تمہیں ایسی سزا ملے گی جسے دیکھ کر دوسروں کو عبرت ہو گی"۔ اس کے اس اصول کا یہ اثر تھا کہ اس کے تمام ملازم اپنا کام دیانتداری سے کرتے۔ نہ وہ غبن کرتے نہ کسی پر ظلم ڈھاتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک چند ہی دنوں میں برائیوں سے پاک ہو گیا اور وہاں خوشحالی پیدا ہو گئی۔

انہی دنوں ایک دن شیر خاں کے سامنے ایک نوجوان جوڑا پیش کیا گیا۔ شیر خاں کے ملازم خاص نے اس جوڑے کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"حضور یہ میاں بیوی حاجی پور سے آئے ہیں۔ اس کی بیوی کہتی ہے کہ وہ آپ کو اچھی طرح جانتی ہے اور چندیری سے سہسرام تک سفر میں آپ کے ساتھ رہی ہے"۔

شیر خاں بڑا حیران ہوا۔ اس نے عورت کی طرف دیکھا جو لمبا سا گھونگھٹ نکالے کھڑی تھی۔ شیر خاں نے اس سے کہا۔

"اے عورت اگر یہ ثابت ہوا کہ تو جھوٹ بول رہی ہے تو جانتی ہے اس کی کیا سزا ہو گی؟"

گھونگھٹ والی نے اطمینان سے جواب دیا۔ "اے عادل سردار۔ میں شاہی محلات اور قلعوں میں رہ چکی ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ بادشاہ کے سامنے جھوٹ بولنے کی سزا موت ہوا کرتی ہے"۔

"اور اس کے باوجود تو دروغ بیانی سے کام لے رہی ہے؟" شیر خاں نے ذرا تلخ لہجے میں کہا۔ "ہم چندیری ضرور گئے تھے اور وہاں سے سہسرام واپس بھی آئے تھے مگر کوئی عورت ہمارے قریب سے بھی نہیں گزری۔ پھر تو یہ الزام کیسے لگا رہی ہے۔ تیرے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟"

اس کے جواب میں اس عورت نے اپنا گھونگھٹ الٹ دیا اور پورے استقلال سے بولی۔

"اے عادل سردار۔ مجھے غور سے دیکھئے اور پہچانئے۔ کیا ایک لڑکے کو چندیری کے محاذ پر ایک عورت نے آپ کے حوالے نہیں کیا تھا۔ جسے آپ ایک سوار کے پیچھے بٹھا کر چندیری سے سہسرام لائے تھے اور پھر آپ نے اسے حفاظت سے حاجی پور بھجوا دیا تھا"۔
"ہاں - مجھے یاد آیا"۔ شیر خاں سوچتے ہوئے بولا--- "مگر اس لڑکے سے تمہارا کیا تعلق؟"

"اے عادل سردار----" لڑکی ادب سے بولی۔ "مجھے پھر غور سے دیکھئے۔ کیا میں وہی لڑکا نہیں ہوں؟"

شیر خاں نے اسے غور سے دیکھا پھر بولا "تمہاری شکل و صورت اس سے بہت ملتی ہے۔ مگر----- مگر یہ سب کیا ہے؟"

"عادل سردار----" عورت نے کہا۔ میں دراصل وہی لڑکا ہوں جسے میری ماں نے آپ کے حوالے چندیری کے محاذ پر کیا تھا۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ دو سال پہلے مجھے میری ماں حاجی پور سے اپنے ساتھ آگرہ لے گئی تھی۔ میری ماں مغل بادشاہ کی خاص کنیزوں میں شامل ہے۔ میرے ساتھ جو یہ آدمی ہے یہ میرا منگیتر تھا اور اب میرا شور ہے۔ میری ماں اس رشتہ کے خلاف تھی اور مجھے آگرہ اس لیے لے گئی تھی کہ وہاں میری کسی اور جگہ شادی کر دے گی مگر میں نے اس کی مخالفت کی اور میری ماں کو مجبور ہو کے مجھے آپ کے ساتھ واپس بھیجنا پڑا"۔ عورت نے شیر خاں کو مزید بتایا۔ "اے عادل سردار۔ میری ماں کو معلوم ہو گیا تھا کہ مغل بادشاہ آپ کو گرفتار کر کے قید کرنا چاہتا ہے۔ یہ معلوم ہوتے ہی میری ماں مجھے ایک غلام کے کپڑے پہنا کے آپ کے پاس لے گئی تھی تاکہ آپ کو یہ خبر پہنچا دے اور مجھے بھی آپ کے ساتھ بھیج دے۔ ماں نے مجھے لڑکا اس لیے بنا دیا تھا تاکہ آپ کو مجھے ساتھ لے جانے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ ہو۔ حاجی پور پہنچتے ہی میری میرے منگیتر سے شادی کر دی گئی اور اب میں آپ کے سلام اور شکریہ کو حاضر ہوئی ہوں"۔

شیر خاں نے اس کی داستان دلچسپی سے سنی پھر کہا۔

"بہرحال میں تمہاری والدہ کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے خطرے سے آگاہ کرنے کی کوشش کی۔ اب تم گھر پہنچ گئی ہو۔ اب تمہیں وہاں کوئی تکلیف ہو تو مجھے بتاؤ؟"
اس کا نام زرد تھا شیر خاں کو مہربان پایا تو کہا۔
"اے عادل سردار۔ مجھے وہاں تکلیف تو کوئی نہیں لیکن حاجی پور سے سہسرام آنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ ان کے لیے کوئی انتظام کر دیجئے تو ہم تمام عمر آپ کے احسان مند رہیں گے؟" شیر خاں نے اس کے شوہر سے دریافت کیا۔
"تم کام کیا کرتے ہو؟"
"سردار---- میں اب تک ہل چلاتا تھا مگر اب تلوار چلانا چاہتا ہوں"۔ زرد کے شوہر نے بڑے جوش سے کہا۔ "میرا باپ فوج میں تھا اس لیے میں بھی فوجی بننا چاہتا ہوں"۔

شیر خاں نے زرد کے شوہر کو سپاہیوں میں بھرتی کر لیا پھر جب اس نے اس کے عادات و اطوار اچھے دیکھے تو اسے اپنے محافظ دستے میں لے لیا۔ آئندہ کئی مواقع پر زرد کے شوہر زوار نے کئی بہادری کے کام کئے اور ترقی پا کر بیس سواروں کا سردار بن گیا۔
شیر خاں کے دو سرداروں میں زبردست بحث چھڑی ہوئی تھی اس بحث نے اتنا طول کھینچا اور ایسی گرما گرمی پیدا ہوئی کہ شیر خاں کے تمام امراء دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ دولت کا پرستار تھا اور خدا کے بعد دولت کو سب سے بڑی طاقت مانتا تھا۔ اس کے مقابلہ میں دوسرا گروہ "حسن" کا شیدائی تھا اور حسن کے سامنے دولت کو حقیر سمجھتا تھا۔

اس بحث و مباحثہ میں صرف ایک شخص شامل نہ تھا اور وہ تھا زوار۔ زوار اگرچہ کوئی بڑا امیر یا اہم سردار نہ تھا مگر شیر خاں کے محافظ دستے میں بیس سواروں کا سردار ہونے کی وجہ سے اسے بڑا سردار اور ایک امیر کا درجہ بھی دیا جاتا تھا۔ چنانچہ جب یہ بحث بہت طول کھینچ گئی تو دونوں گروہ' دور بیٹھ کے تماشہ دیکھنے والے زوار کو پکڑ کے لے آئے اور اسے درمیان میں بٹھا کر سوال کیا۔
"زوار۔ تم بتاؤ دولت میں زیادہ طاقت ہے یا حسن میں؟"
زوار بے چارہ ان پڑھ اور اسی لیے وہ ان سے دور بیٹھا تھا۔ اس کی سمجھ میں ان کی

باتیں بالکل نہیں آ رہی تھیں۔ اس نے اپنی بے علمی کا برملا اعلان کر دیا۔

"معزز سردارو۔ میں آپ لوگوں کی طرح پڑھا لکھا نہیں اس لئے کوئی جواب نہیں دے سکتا لیکن یہ ضرور بتا سکتا ہوں کہ آپ کی باتوں کا فیصلہ کون کر سکتا ہے؟"

"اچھا بتاؤ ہمارا کون فیصلہ کر سکتا ہے؟" ایک سردار نے زوار سے پوچھا۔

زوار نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ کا فیصلہ وہ کر سکتا ہے جس کے ہم نمک خوار ہیں۔ یعنی ہمارا سردار اعلیٰ شیر خاں سوری۔ وہ ہم سب سے زیادہ عقلمند ہے۔ بلکہ وہ تو دنیا میں سب سے زیادہ عقلمند ہے۔ وہی آپ کا فیصلہ کر سکتا ہے"۔

ایک دوسرا سردار بولا۔ "زوار ٹھیک تو کہتا ہے۔ ہمارا سردار ہی اس کا فیصلہ کر سکتا ہے"۔

"مگر انہیں بلانے کون جائے گا؟" ایک طرف سے آواز آئی۔

"میں سردار کو بلا کے لاؤں گا"۔ زوار نے سینہ تان کے کہا۔

ایک دوسرے سردار نے کہا۔ "تو پھر ٹھیک ہے۔ تم سردار کو بلا کے لے آؤ۔ ہم اپنا معاملہ ان کے سامنے پیش کریں گے"۔

زوار اور اس کی بیوی زرد دونوں ہی شیر خاں کے بہت قریب تھے۔ زوار اس کے حفاظتی دستہ میں شامل تھا تو زرد کا شیر خاں کی حویلی میں ہر وقت کا آنا جانا تھا زوار نے حویلی کے احاطہ میں ملازمین کے مکانوں میں سے ایک مکان حاصل کر لیا تھا اور وہیں اپنی بیوی کو لے آیا تھا۔ اس لیے زرد کا ہر وقت حویلی میں آنا جانا رہتا تھا۔

سردار کے کہنے پر جب زوار حویلی پر پہنچا تو اسے معلوم ہوا شیر خاں ابھی ابھی حویلی کے اندر گئے ہیں اور ان کے فوری واپس آنے کا کوئی امکان نہیں۔ اب زوار مشکل میں پھنس گیا وہ سرداروں سے وعدہ کر آیا تھا کہ وہ ابھی سردار کو لے کے آتا ہے۔ زوار بہادر اور وفادار قسم کا انسان تھا مگر تعلیم یافتہ نہ ہونے کی وجہ سے عقل کا ذرا کھوٹا تھا۔ یہ بھی نہیں کہ وہ بالکل بدھو ہو مگر عقل کی بات ذرا دیر سے اس کے دماغ میں آتی تھی۔

شیر خاں کے حویلی میں جانے کی وجہ سے وہ پریشان ہو گیا۔ آخر سوچتے سوچتے اس کے دماغ میں ایک بات آ ہی گئی وہ بھاگا بھاگا اپنے گھر پہنچا۔ زرد اسے پریشان دیکھ کے گھبرا گئی۔

"کیا ہوا تمہیں زوار؟" اس نے پوچھا۔

زوار نے گھبراہٹ میں بتایا "سردار حویلی میں چلے گئے ہیں۔ پتہ نہیں وہ کب باہر آئیں گے؟"

"تم کیوں پریشان ہو۔ تمہیں کیا کام پڑ گیا ان سے؟" زرد نے تنک کے پوچھا۔

زوار نے بتانا شروع کیا۔ "بات بہت بڑھ گئی ہے۔ تمام چھوٹے سردار آپس میں لڑ رہے ہیں۔ خون خرابہ ہونے کا خطرہ ہے"۔

"ہائے اللہ ۔ کیا کہہ رہے ہو تم" زرد بھی گھبرا گئی۔ "خطرے کی بات تھی تو پھر تم نے اندر خبر بھیج کے سردار کو بلوا کیوں نہیں لیا؟"

"مجھے ڈر لگتا ہے زرد"۔ زوار نے کہا---- "اگر سردار بگڑ گئے تو کیا ہو گا؟"

"تم تو بس یونہی ہو----" زرد کھڑی ہو گئی۔ "چلو میرے ساتھ۔ میں سردار کو بلا کے لاتی ہوں"۔

زوار تو چاہتا ہی یہی تھا۔ وہ زرد کے پیچھے پیچھے چلنے لگا ۔ زرد شوہر کو باہر چھوڑ کے سیدھی اندر پہنچی اور شیر خاں سے کہا۔

"آقا۔ آپ کے چھوٹے سردار آپس میں لڑ رہے ہیں۔ زوار کہتا ہے کہ خون خرابہ ہو جائے گا۔ آپ جلدی سے چلئے"۔

شیر خاں بھی پریشان ہو گیا۔ وہ فوراً باہر آ گیا۔ وہاں زوار منہ بنائے کھڑا تھا۔

"کیا ہوا انہیں۔ تلواریں تو نہیں نکل آئیں؟" شیر خاں نے زوار سے پوچھا۔

"سردار--- آپ جلدی سے تشریف لے چلئے۔ پتہ نہیں اب تک کیا ہو گیا ہو گا"۔ زوار نے جواب دیا اور تیز تیز قدموں سے آگے آگے چلنے لگا۔

زرد گھر واپس ہو گئی۔

شیر خاں، زوار کے ساتھ اس بڑے ہال میں پہنچا جہاں اس کے سردار خالی اوقات میں ادھر ادھر کی گفتگو سے دل بہلاتے تھے۔ شیر خاں کو دیکھ کے وہ سب کھڑے ہو گئے۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں---- کیوں لڑ رہے ہو آپس میں؟" شیر خاں نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"سردار بہادر۔ ہم لوگ ایک بات پر بحث کر رہے ہیں اور فیصلہ نہیں ہو پاتا۔

"ایک سردار نے کہا۔ "زوار کہتا ہے کہ آپ ہم سب کے سردار اعلیٰ ہیں آپ فیصلہ کر سکتے ہیں اس مسئلے کا"۔

شیر خاں نے ایک ایک کر کے سب سرداروں کے چہرے غور سے دیکھے مگر ان کے چہروں یا آنکھوں سے کوئی خطرے کی بات ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ اس طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے کہا۔

"غور سے سنو میرے ہمدردو اور وفادارو۔ بحث ضرور کیا کرو مگر جب یہ دیکھو کہ اس سے دل میلے ہونے اور تلواریں نکل آنے کا خطرہ ہے تو اس بحث کو فوراً ختم کر دو۔ سن لیا تم نے؟"

"جی ہاں سن لیا سردار بہادر-----" کئی آوازیں بیک وقت بلند ہوئیں۔

شیر خاں نے پر سکون لہجے میں پوچھا "اچھا اب بتاؤ۔ کس بات پر بحث ہو رہی تھی؟"

ایک سردار نے سنبھل کے کہا۔ "سردار بہادر۔ ہم میں سے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ دنیا میں "دولت" سے بڑی اور کوئی طاقت نہیں مگر کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ دنیا میں "حسن" کی طاقت سب سے بڑی ہے اور دولت' حسن کی لونڈی ہے"۔

بحث کا موضوع بہت دلچسپ اور پر کشش تھا۔ شیر خاں نے بھی اس بحث میں دلچسپی کا اظہار کیا۔ اس نے پوچھا۔

"اچھا یہ بتاؤ جو لوگ کہتے ہیں کہ دولت سب سے بڑی طاقت ہے انہوں نے اس کی کیا دلیل پیش کی؟"

ایک سردار نے بڑے ادب سے کہا۔ "سردار معظم۔ میں کہتا ہوں کہ دولت سب سے بڑی طاقت ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ قلعہ چنار گڑھ میں جو قدیم خزانہ موجود ہے اس پر آس پاس کے تمام بڑے بڑے سرداروں اور بادشاہوں کی نظریں ہیں اور ہر ایک اس پر قبضہ کی تدبیریں کر رہا ہے"۔

شیر خاں چونک پڑا۔ قلعہ چنارگڑھ اور وہاں جمع خزانہ کی خبر اس نے اڑتے اڑتے سنی تھی اور اب وہ دوسری مرتبہ سن رہا تھا۔ چنانچہ اس نے دریافت کیا۔

"چنار گڑھ کی دولت کی افواہ ہم نے بھی سنی ہے۔ کسی کو اس کی تفصیل معلوم

ہے؟"

"کیوں نہیں سردار بہادر۔ میں اس کی تفصیل بیان کر سکتا ہوں"۔ یہ جواب اسی سردار نے دیا جو یہ کہتا تھا کہ دنیا میں دولت سب سے بڑی طاقت ہے۔

"اچھا تو کچھ تفصیل بیان کی جا ئے؟" شیر خاں نے اپنی دلی کیفیت چھپاتے ہوئے حکم دیا۔

بات یہ تھی کہ وائی بنگال سے دوسری جنگ جیتنے کے بعد شیر خاں پہلے سے بھی زیادہ متفکر اور پریشان ہو رہا تھا۔ اسے اندیشہ ہی نہیں بلکہ پورا یقین تھا کہ وائی بنگال جو زخمی شیر کی طرح اپنے زخم چاٹ رہا ہے ایک بار پھر اس پر حملہ آور ہو گا اور یہ حملہ شاید اس قدر زبردست ہو کہ شیر خاں اسے نہ سنبھال سکے۔ اس خیال کے پیش نظر وہ زیادہ سے زیادہ فوج تیار کرنا چاہتا تھا۔ اس جنگ میں اسے کچھ خزانہ اور اسلحہ ہاتھ آیا تھا مگر وہ اتنا نہ تھا کہ اس سے کوئی بڑا لشکر تیار کیا جاسکے اور بالفرض اگر وہ لشکر تیار بھی کرے تو اس کے اخراجات وہ کس طرح برداشت کر رہا تھا اسی لیے آج کل اس کی نظریں ہر طرف پڑ رہی تھیں پھر جب اس کے کان میں چنار گڑھ کی لاڈو ملکہ کی بھنک پڑی تو اس نے اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کیا۔ مگر مشکل یہ تھی کہ اس کی عمر چالیس کے ارد گرد تھی اس وقت اگر وہ چنار گڑھ کا رخ کرتا تو شاید اس کے سواروں کو یہ خیال گزرتا کہ وہ لاڈو ملکہ کے حسن سے متاثر ہو کر قلعہ پر قبضہ چاہتا ہے اس لیے اس نے اپنے قدم روک لئے تھے۔

"چنار گڑھ کا قلعہ ایک بہت قدیم اور مضبوط قلعہ ہے۔ عقلمند بادشاہ اپنے شاہی خزانہ کا بیشتر حصہ اپنی دارالسلطنت سے ہٹا کر کہیں دور کسی محفوظ مقام پر رکھا دیتے ہیں تاکہ اگر خدانخواستہ انہیں کسی کے ہاتھوں شکست ہو یاکوئی اور افتاد پڑے تو وہ محفوظ خزانہ ان کے کام آ سکے۔ شاید اسی خیال کے تحت دہلی کے مرحوم تاجدار سلطان ابراہیم لودھی نے اپنا خزانہ آگرہ اور دہلی سے دور چنارگڑھ کے قلعہ میں محفوظ کر دیا تھا اور اس قلعہ پر اپنے سب سے زیادہ معتمد سردار تاج خاں سارنگ خانی کو قلعدار مقرر کیا تھا۔ پھر مغلوں نے ہندوستان پر حملہ کر کے ابراہیم لودھی کو شکست دی اور وہ میدان جنگ میں لڑتا ہوا کام آیا۔ یوں چنار گڑھ کا محفوظ خزانہ اس کے کام نہ آ سکا اور وہ بدستور تاج خاں سارنگ خانی

کے قبضہ میں رہا۔

ایک اور روایت کے مطابق تاج خاں سارنگ خانی نے ڈھلتی عمر میں چنار گڑھ کے علاقہ کی ایک دوشیزاہ سے شادی رچا لی۔ اس کا نام لاڈو ملکہ تھا اور صورت و شکل سے بھی ملکہ ہی معلوم ہوتی تھی۔ تاج خاں اپنی اس بیوی کو بہت چاہتا تھا یہ بات تاج خاں کے بیٹوں کو جواب جوان ہو رہے تھے بہت ناگوار گزرتی تھی اور آئے دن دانتا کل کل ہوتی تھی۔

پھر ایک دن ایسا ہوا کہ تاج خاں کے بڑے بیٹے اور لاڈو ملکہ میں ایسی چھڑپ کی نوبت گالی گلوچ اور ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔

لاڈو ملکہ نے طیش میں آکر سوتیلے بیٹے کی ماں یعنی اپنی سوکن کو کوئی ایسی غلیظ گالی دی کہ جوان بیٹا برداشت نہ کر سکا اس وقت ہر شخص ہر وقت مسلح رہتا تھا۔ بیٹے کی کمر میں ایک طرف تلوار اور دوسری جانب خنجر لگا تھا اس نے غصہ سے بلبلا کے خنجر کھینچا اور لاڈو ملکہ کی طرف بڑھا۔

ٹھیک اسی وقت تاج خاں موقعہ پر پہنچا۔ اس نے بیٹے کو لاڈو ملکہ پر خنجر تانے دیکھا تو دور ہی سے چلایا۔

"بدبخت ۔ ماں پر حملہ کرتا ہے"۔

یہ کہتے ہوئے تاج خاں نے کمر سے تلوار کھینچ کر بیٹے پر حملہ کر دیا بیٹا غصہ میں بھرا ہوا تھا۔ پھر باپ نے تلوار سنبھال لی تھی۔ اس نے بھی خنجر کمر میں لگا لیا اور خود بھی تلوار کھینچ کے باپ کے مقابلہ میں آ گیا۔ لاڈو ملکہ دور کھڑی چیختی چلاتی رہی مگر باپ بیٹے کی لڑائی میں کون آتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بوڑھا باپ تاج خاں' بیٹے کی تلوار کا ایک گہرا زخم کھا کر زمین پر گرا اور اپنے ہی خون نہا گیا۔

بیٹا یہ منظر دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ اپنے ساتھ دوسرے بھائیوں کو بھی بھگا لے گیا کہ کہیں عوام انہیں مار نہ ڈالیں۔ آخر اس گہرے زخم نے تاج خاں سارنگ خانی کی جان لے لی اور لاڈو ملکہ بیوہ ہو گئی۔ مرحوم تاج خاں کے ماتحت سردار' تاج خاں کے بیٹوں کے اس قدر خلاف ہوئے کہ انہوں نے اعلان کر دیا کہ اگر تاج خاں کے کسی بیٹے نے بھی قلعہ میں قدم رکھا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔

جب سے اب تک لاڈو ملکہ قلعدار کی حیثیت سے چنار گڑھ کے قلعہ پر قابض ہے

اور اس کے ساتھ ہی سلطان ابراہیم کا تمام محفوظ خزانہ بھی اس کے قبضہ میں ہے"۔

تھوڑی دیر خاموشی طاری رہی پھر شیر خاں نے بات آگے بڑھائی۔

"اچھا۔ اب جو لوگ دولت کو طاقت تسلیم نہیں کرتے ان کے پاس کیا دلیل ہے؟"

ایک دوسرے سردار نے کھڑے ہو کر جواب دیا "سردار محترم۔ ہم لوگوں کے خیال میں آس پاس کے بڑے بڑے سردار قلعہ چنار گڑھ پر خزانہ کی وجہ سے قبضہ نہیں کرنا چاہتے بلکہ وہ لاڈو ملکہ کا حسن و جمال ہے جس نے سب کو چنار گڑھ کی طرف متوجہ کیا ہے۔ ہم نے تو یہاں تک سنا ہے کہ لاڈو ملکہ جیسی خوبصورت عورت اسوقت پورے ہندوستان میں موجود نہیں"۔

اس بیان کے بعد شیر خاں کے سرداروں کی نظریں اس پر لگ گئیں کہ دیکھیں اب ان کا سردار اس مسئلہ کا کیا فیصلہ کرتا ہے۔ شیر خاں کے لیے بھی یہ مسئلہ بہت اہمیت حاصل کر گیا تھا۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد شیر خاں نے کہا۔

"جہاں تک دولت" کے طاقت ہونے کا سوال ہے تو اسے بڑے بڑے دانشوروں نے تسلیم کیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ قول بہت مشہور ہے"۔

اے زر تو خدا نیست ولے بجائے خدا است

(اے دولت تو خدا نہیں مگر خدا جیسی طاقت ہے)

مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی مشہور ہے کہ حسن کے آگے بڑے بڑے بادشاہ بھی سر جھکا دیتے ہیں۔

شیر خاں نے اپنے طور پر دولت اور حسن کی طاقت کی پوری طرح وضاحت کر دی تھی مگر اپنا فیصلہ نہیں سنایا تھا۔ چنانچہ ایک سردار نے عرض کیا۔

"سردار ۔ آپ نے جو کچھ فرمایا وہ ہم نے غور سے سنا مگر آپ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ ہم لوگ چاہتے ہیں کہ آپ دو ٹوک یہ فیصلہ صادر فرمایئے کہ دولت اور حسن میں کون زیادہ طاقتور ہے؟"

شیر خاں جو سر جھکائے سوچ رہا تھا' سر اٹھا کر بولا۔ "میرے خیال میں دولت کی طاقت سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ پھر دولت بھی اتنی کہ جسے "تاجدار ہند" کا خزانہ بتایا جاتا ہے لیکن اس کے مقابلہ میں لاڈو ملکہ کا حسن بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا"۔ یہ کہہ کر

شیر خاں پھر خاموش ہو گیا۔ وہی سردار پھر کھڑا ہوا اور بولا۔

"سردار محترم۔ ہمیں آپ کا فیصلہ چاہیے۔ دو ٹوک فیصلہ؟"

شیر خاں نے جواب دیا۔ "فیصلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ بات تو سب تسلیم کرتے ہیں کہ چنار گڑھ میں ہندوستان کا خزانہ موجود ہے مگر یہ بات کون کہہ سکتا ہے کہ "لاڈو ملکہ" جیسی حسین خاتون پورے ہندوستان میں نہیں۔ اس کے ثبوت اور شہادت کی ضرورت ہے۔ جب تک ملکہ کو دیکھا نہ جائے اس وقت تک فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

سردار نے کہا۔ "مگر سردار معظم۔ لاڈو ملکہ کو کون دیکھ سکتا ہے۔ نہ ہم وہاں جا سکتے ہیں اور نہ وہ یہاں آ سکتی ہے؟"

"تمہاوا یہ خیال درست نہیں"--- شیر خاں نے اس کی بات کو رد کرتے ہوئے کہا۔ "آخر سفارت" کس لئے ہوتی ہے۔ دو بادشاہوں میں گفتگو بھی تو سفارت ہی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ لاڈو ملکہ اگر ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے تو اسے دوسرے کی آنکھوں سے تو دیکھا جا سکتا ہے؟"

بات اب بھی الجھی ہوئی تھی۔ سردار نے کہا۔

"سردار محترم۔ میرے خیال میں لاڈو ملکہ کو دیکھنے کے لیے چنار گڑھ سفارت بھیجنا کچھ اچھی بات نہیں معلوم ہوتی۔ دوسرے یہ کہ اگر ہم نے وہاں سفارت بھیجی بھی اور لاڈو ملکہ نے سفارت کے سامنے پیش ہونے سے انکار کر دیا تو کیا ہو گا؟"

"اس کو اس انداز سے کیوں سوچتے ہو---" شیر خاں نے کہا۔ "اس کا یہ طریقہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم چنار گڑھ "امن اور دوستی" کی سفارت بھیجیں۔ اس سفارت میں مردوں کے ساتھ خواتین بھی شامل کر دی جائیں۔ مرد حضرات دربار میں گفتگو کریں اور خواتین زنانخانہ میں لاڈو ملکہ کے پاس سلام کے لیے چلی جائیں-----"

"واہ سردار واہ----- کیا ترکیب بتائی ہے آپ نے"۔

شیر خاں کے تمام سردار اس کی یہ بات سن کر پھڑک اٹھے۔

دوسرے ہی دن چنار گڑھ جانے کے لیے ایک سفارت ترتیب دی گئی جس میں شیر خاں کے تین معتمد سرداروں کے ساتھ اس کے محافظ دستہ کے سردار زدار اور اس کی بیوی زرد کو بھی شامل کیا گیا۔ زرد کو اس لیے شامل کیا گیا کہ وہ لاڈو ملکہ کے پاس سلام کرنے

کے بہانے جائے اور "حسن" جہانتاب کو دیکھے۔

پانچ اشخاص کا یہ مختصر سفارتی وفد جس میں ایک خاتون بھی شامل تھی، گھوڑوں پر سفید پرچم چنار گڑھ کے قلعہ کے سامنے پہنچی۔ قلعہ کا چھوٹا دروازہ کھلا اور محافظ نے باہر نکل کے سفارت سے دریافت کیا۔

"آپ لوگ کس لیے تشریف لائے ہیں؟"

وفد کے سردار نے جواب دیا "ہم لوگ امن کے پیغامبر ہیں اور دوستی کا پیغام لے کر آئے ہیں"۔

"آپ کا تعلق کس بادشاہ یا سردار سے ہے؟" محافظ نے دوسرا سوال کیا۔

"ہمارے بادشاہ کا نام شیر خاں ہے جو بہار کے حاکم ہیں"۔

شیر خاں کا نام سن کے محافظ کا چہرہ فق ہو گیا اور اس کا حلق خشک ہونے لگا۔

"میں ابھی ابھی اطلاع دیتا ہوں۔ آپ لوگ ذرا دیر یہاں توقف فرمایئے یہ کہہ کر محافظ اندر گیا۔ کچھ دیر واپس آ کر بولا۔

"آپ کا آنا مبارک ہو۔ سردار میر احمد آپ کو خوش آمدید کہتے یں"۔

یہ کہہ کر محافظ نے دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا۔ قلعہ کا صدر دروازہ کھل گیا اور پانچوں سوار قلعہ میں داخل ہو گئے۔ قلعہ کے اندر کی طرف تین آدمی سفارتی وفد کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ محافظ نے ان کا تعارف کرایا۔

"ان سے ملئے"۔ محافظ نے تین میں سے ایک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ہیں میر احمد۔ قلعہ چنارگڑھ کے سب سے بڑے سردار اور لاڈو ملکہ کے ایجنٹ"۔

میر سفارت نے آگے بڑھ کے میر احمد سے مصافحہ کیا۔ اس کے بعد میر احمد نے خود باقی دو آدمیوں کا تعارف کرایا۔

"یہ ہیں میر اسحاق اور یہ میر داد ہیں"۔

میر سفارت نے دونوں سے ہاتھ ملانے کے بعد مسکراتے ہوئے کہا۔

آپ تینوں کے نام میر سے شروع ہوتے ہیں۔ کیا آپ تینوں آپس میں بھائی تو نہیں ہیں؟"

میر احمد نے جواب دیا۔ "میر سفارت کا خیال درست ہے مگر میر سفارت ہمارے بھائی نہیں۔ حالانکہ ان کے نام سے پہلے بھی "میر" کا لفظ لگا ہوا ہے۔

پھر میر احمد ان سب کو ایک سجے ہوئے بڑے ہال میں لے گیا۔ اس کے دونوں بھائی بھی اس کے ساتھ تھے۔ جب سب اطمینان سے بیٹھ گئے تو میر احمد نے گفتگو شروع کی۔

آپ کے بادشاہ شیر خاں کے مزاج کیسے ہیں؟"

"ان کے مزاج بالکل درست ہیں اور وہ آپ لوگوں کی خیریت کے خواستگار ہیں" میر سفارت نے کہا۔ پھر وہ ذرا رک کے بولا۔ "کیا ہمیں قلعہ کی مالکہ کے سامنے نہیں پیش کیا جائے گا؟"

میر احمد نے جواب دیا۔ "ضرور پیش کیا جائے گا۔ بشرطیکہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ ان کے حضور آپ کو پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ شاہ شیر خاں نے آپ کو یہاں کس لئے بھیجا ہے؟"

"اس کا جواب بعد میں دیا جائے گا"۔ میر سفارت نے کہا۔ "پہلے آپ ہماری خاتون سفارت کار کو لاڈو ملکہ کے پاس جانے کی اجازت دیں؟"

"ٹھیک ہے"۔ میر احمد نے سر ہلایا پھر اپنے بھائی میر داد سے کہا۔ "تم خاتون کو لاڈو ملکہ کے پاس لے جاؤ"۔

میر داد زرد کو لے کے چلا گیا تو میر داد نے کہا "میر سفارت۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کے بادشاہ شیر خاں بہت بہادر ہیں اور ان کے پاس بہت بڑا لشکر بھی ہے؟"

"آپ کی دونوں باتیں ٹھیک ہیں"۔ میر سفارت نے جواب دیا۔

مگر آپ کو فکر نہ کرنا چاہیے۔ اس لشکر کا رخ اس قلعہ کی طرف کبھی نہیں ہو گا۔

"پھر آپ کے یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟" میر احمد نے پوچھا۔ "آپ کے بادشاہ شیر خاں نے لاڈو ملکہ کے پاس کیا پیغام بھیجا ہے؟"

"کوئی پیغام نہیں میر احمد۔۔۔۔" میر سفارت نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "ہمارے بادشاہ کی صرف یہ خواہش ہے کہ اگر خدانخواستہ ملکہ پر کوئی وقت آ پڑے تو وہ بے تکلف شیر خانی لشکر کو آواز دے سکتی ہیں"۔

ادھر محل کے اندر لاڈو ملکہ نے دھڑکتے دل مگر پرجوش انداز میں زرد کا استقبال کیا۔

"میں سوری بادشاہ شیر خان کے وفد کو خوش آمدید کہتی ہوں"۔

زرد نے جھک کے لاڈو ملکہ کو مجرا پیش کیا اور مسکراتے ہوئے بولی۔

"سوری بادشاہ کی کنیز لاڈو ملکہ کے حضور ہزاروں سلام پیش کرتی ہے"۔

اس کے بعد دونوں طرف خاموشی طاری ہو گئی مگر زرد کی نظریں تھیں کہ لاڈو ملکہ کے چہرے پر نثار ہوئی جا رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ لاڈو ملکہ کو اس دنیا کی مخلوق سمجھے یا کسی جنت کی حور یا پرستان کی کوئی دلفریب پری۔ سنگ مرمر سے تراشا ہوا بدن، پور پور سے ٹپکتی ہوئی نزاکت، چہرے پر برستی ہوئی صباحت یوں محسوس ہوتا تھا جیسے قدرت نے اپنے فراغت کے اوقات میں لاڈو ملکہ کا پیکر تخلیق کیا تھا۔

"تمہارے بادشاہ تو بڑے شاندار انسان ہوں گے؟" لاڈو ملکہ نے اک دم سوال کیا تو زرد چونک پڑی۔

"جی۔۔۔۔ جی" آپ نے ٹھیک فرمایا ملکہ"۔ زرد نے کہا "ایسا شاندار چہرہ پایا ہے میرے آقا نے کہ دشمن ان کی صورت دیکھتے ہی موم ہو جاتے ہیں۔ عدل و انصاف تو ان کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ کسی کو مصیبت میں نہیں دیکھ سکتے"۔

"کیا شاہ شیر خاں بہت رحمدل ہیں؟" لاڈو نے سوال کیا۔

"ایسے رحمدل کے اگر بچے کو روتا دیکھیں تو اسے فوراً گود میں اٹھا لیتے ہیں اور اگر بچہ خوبصورت ہو تو اسے دیر تک سینے سے لگائے رکھتے ہیں"۔

"اس کا مطلب ہے کہ شاہ کو خوبصورت چیزیں پسند ہیں؟" لاڈو ملکہ نے جیسے خود کلامی کی۔

"کیوں نہیں ملکہ چنار گڑھ"۔ زرد نے زور دے کے کہا۔ "حسن و خوبصورتی کسے پسند نہیں"۔ ہمارا خدا بھی تو حسن ہے، نور ہے"۔

اس کے بعد پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ ملکہ کا خیال تھا کہ شاہی کنیز کوئی پیغام لائی ہو گی اور وہ پیش کرے گی مگر زرد کے پاس کوئی پیغام نہ تھا۔ اسے تو شیر خاں نے صرف یہ حکم دیا تھا کہ وہ لاڈو ملکہ کو صرف آنکھوں سے دیکھے اور اپنی زبان پر قابو رکھے۔ پس اس نے لاڈو کو آنکھوں سے دیکھا ہی نہیں بلکہ اس کی تصویر اپنے دل میں اتار لی۔ ملکہ تھی ہی اس قدر خوبصورت کہ جو بھی اسے دیکھتا وہ اسے پسند کرنے پر آمادہ ہو سکتا تھا۔

قلعہ کے ناظم اعلیٰ اور بڑے سردار میر احمد کے اشارہ پر شیر خاں کے وفد کو چنار گڑھ میں دو روز تک ٹھہرایا گیا۔ خوب خاطر و مدارات ہوئی۔ زنانے اور مردانے میں ارکان وفد سے ہر قسم کی گفتگو ہوئی مگر وفد نے تمام قسم کی گفتگو کرنے کے باوجود کوئی جملہ ایسا نہیں کہا جس سے شیر خاں کے آئندہ کے ارادوں کے بارے میں کوئی بات معلوم ہو سکتی۔

مرحوم تاج خاں کے اصل کرتا دھرتا تین بھائی تھے۔ ان میں میر احمد بڑا اور میر اسحاق اور میرداد چھوٹے تھے۔ ان تینوں بھائیوں کو تاج خاں نے پورے اختیارات دے دیئے تھے اور وہ خود نئی اور کمسن بیوی کے نخروں میں ہروقت لگا رہتا تھا تاج خاں کے مرنے کے بعد یہ تینوں بھائی اپنے آقا کی بیوہ یعنی لاڈو ملکہ کے وفادار رہے۔ انہوں نے لاڈو ملکہ کو قلعدار کی حیثیت سے تسلیم کر لیا اور پہلے ہی طرح ملکہ کا نظم و نسق سنبھالتے رہے۔

بنگال کو دوسری مرتبہ شکست دینے پر شیر خاں اس قدر مشہور اور افغانوں میں اتنا مقبول ہو گیا تھا کہ وہ شیر خاں کو افغانوں کا ہیرو سمجھنے لگے تھے۔ انہوں نے بعض افغانوں سے یہ سنا تھا کہ شیر خاں اپنے دوستوں اور ساتھیوں میں بیٹھ کر اس طرح کی ڈینگیں مارتا ہے کہ اگر اسے طاقت حاصل ہو جائے تو وہ مغلوں کو ہندوستان سے باہر نکال کر افغانوں کی دوبارہ حکومت و سلطنت قائم کر سکتا ہے۔

مگر شیر خاں کی یہ باتیں جنہیں عام افغان شیر خاں کی لاف زنی اور ڈینگیں سمجھتے تھے۔ اب حقیقت کا روپ دھارتی جاتی تھیں اور اب شیر خاں کے بہار پر قبضہ کے بعد تو اس کے وفاداروں کو اس بات کا پورا یقین ہو گیا تھا کہ شیر خاں ایک نہ ایک دن ہند کا تاجدار ضرور بنے گا۔

سفارت کے واپس جاتے ہی میر احمد سیدھا لاڈو ملکہ کے حضور میں پہنچا۔ وہ کچھ پوچھتے ہچکچا رہا تھا کہ ملکہ نے اس کی مشکل آسان کر دی۔

"اچھا ہوا کہ میر احمد آپ خود ہی آ گئے ورنہ میں آپ کو بلوانے والی تھی"۔

"ملکہ محترم" میر احمد بولا۔۔۔ "میں تو گزشتہ تین دن سے آپ کے سلام کو حاضر ہونے کی کوشش میں تھا مگر اس لئے نہ آیا کہ کہیں شیر خاں کی سفارت اس کا کوئی اور مطلب نہ نکالے۔ اب آپ فرمایئے کہ اس سفارت سے آپ نے کیا اندازہ لگایا۔ کیا سفارتی خاتون نے آپ کو کوئی خاص پیغام پہنچایا ہے؟"

"یہی بات میں آپ سے پوچھنا چاہتی تھی"۔ لاڈو ملکہ شگفتگی سے بولی۔ "سفارتی خاتون نے باتیں تو بہت سی کیں مگر اس نے ایسی کوئی خاص بات منہ سے نہیں نکالی جس کا ذکر کیا جائے"۔

میر احمد نے بتایا۔ "کچھ ایسی ہی کیفیت سفارت کاروں کی تھی۔ انہوں نے ادھر ادھر کی تو ہزاروں باتیں کیں مگر آپ کے بارے میں انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ میں نے سفارت سے پوچھا تھا کہ آیا شیرخاں نے ملکہ کو کوئی پیغام بھیجا ہے۔ اس کے جواب میں اس نے انکار کرتے ہوئے صرف کہا کہ شیر خاں کی یہ خواہش ہے کہ اگر ملکہ پر خدانخواستہ کوئی برا وقت آ پڑے تو وہ شیر خاں کے لشکر کو آواز دے سکتی ہیں"۔

ملکہ مسرت بھرے لہجے میں بولی "اس کا مطلب ہے کہ اس کی نظریں ہمارے قلعہ پر نہیں ہیں؟"

"بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے"۔ میر احمد نے کہا "بہرحال شیرخاں کے جو بھی ارادے ہوں گے وہ جلد ہی سامنے آ جائیں گے۔ یہ بات تو ضرور ہے کہ شیر خاں نے یہ سفارت اپنے کسی منصوبہ کے تحت ہی بھیجی ہو گی ورنہ اسے ایسا قدم اٹھانے کی کیا ضرورت تھی"۔

لاڈو ملکہ اور تینوں بھائی اس سفارت پر روزانہ مختلف زاویوں سے گفتگو کرتے مگر کسی نتیجے پر نہ پہنچ پائے۔ آخر ایک ہفتہ کے بعد میر احمد کو شیر خاں کی طرف سے ایک بند لفافہ ملا جسے شیر خاں کا خاص آدمی زوار لے کر آیا تھا۔

میر احمد تم اپنے بھائی میرداد کو میرے پاس بھیج دو۔
مجھے اس سے کچھ ضروری گفتگو کرنی ہے۔

یہ مختصر پیغام اور میرداد کی شیر خاں کی طرف سے طلبی دونوں باتیں بیک معنی خیز تھیں۔ میر احمد نے زوار قاصد کو مہمان خانہ میں ٹھہرایا پھر اس نے اس خط کے سلسلے میں اپنے تینوں بھائیوں سے تفصیلی گفتگو کی۔ اس کے بعد صلاح یہ ٹھہری کی اب لاڈو ملکہ سے اس بارے میں گفتگو کر کے شیر خاں کو کوئی جواب بھیجا جائے۔

زرو نے لاڈو ملکہ کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے۔

ملکہ کی سرو قامتی، اس کی نازک بدنی، اس کی گلابی شہابی رنگت، ہنستی ہوئی آنکھیں، کمر تک لٹکی ہوئی دو سیاہ چوٹیاں جیسے کالے ناگ لہراتے ہوں۔ زرو نے لاڈو ملکہ کی ایسی تعریف اور تفصیل بیان کی کہ شیر خاں جیسے بردبار اور تجربہ کار انسان کا سر چکرا گیا۔

شیر خاں کو جب کبھی اپنا دل کسی طرف ڈولتا یا بھٹکتا محسوس ہوتا تو وہ فوراً اپنے باپ کی چوتھی بیوی چاندنی کا خیال اپنے سامنے لے آتا۔ مسلمان کو خدا اور رسولؐ کی طرف سے چار شادیوں کی اجازت کسی مصلحت کے تحت ہی دی گئی تھی۔ اب یہ کام اس کا تھا جسے ایک سے زیادہ شادی کی ضرورت ہوتی کہ وہ یہ دیکھتا کہ آیا وہ مختلف بیویوں اور ان سے پیدا ہونے والی اولادوں میں مساوات برقرار رکھ سکے گا کہ نہیں۔

شیر خاں ایک شادی شدہ، سنجیدہ اور پرہیز گار انسان تھا۔ اس کے دو بیٹے جوان تو نہیں مگر جوان ہو رہے تھے۔ اس نے اس مسئلہ پر بہت غور کیا اپنے دل کو بھی اچھی طرح ٹٹولا پھر جب اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ اگر وہ لاڈو ملکہ سے شادی کرے تو اسے نہ صرف ایک خوبصورت اور ضرورت مند رفیقہ حیات مل جائے بلکہ اس کا خزانہ اس کے مستقبل کے ارادوں کو تقویت پہنچائیں گے۔

اس وقت ہندوستان میں موجود تقریباً تمام افغان خواہ وہ سردار ہوں یا سپاہی، سب کی نظریں شیر خاں پر لگی ہوئی تھیں اور ان کے دماغوں میں یہ خیال بیٹھ گیا تھا کہ صرف اور صرف شیر خاں ہی ایک ایسا افغان ہے جو مغلوں کو شکست دے کر ان کی عظمت پارینہ اور اقتدار رفتہ کو واپس لا سکتا ہے۔ چنانچہ ہندوستان کے کونے کونے سے افغان اس کی طرف کھنچے چلے آ رہے تھے اور یہ تمام حالات اسے مجبور کر رہے تھے کہ وہ کوئی بڑا قدم اٹھائے۔

شیر خاں نے قلعہ چنار گڑھ کے کرتا دھرتا میر احمد کو ایک مختصر تحریری پیغام روانہ کیا۔

شیر کے اس مختصر پیغام نے قلعہ چنار گڑھ کی فضا میں ایک تلاطم پیدا کر دیا تھا میر احمد، میر سرتاج اور میر داد تینوں بھائی سر جوڑ کے بیٹھے اور شیر خاں کے خط پر غور شروع کیا۔ میر احمد ہی تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ معاملہ فہم تھا۔ اس نے بھائیوں سے کہا۔

"تم دیکھ رہے ہو کہ زمانہ کیسا پر آشوب ہے۔ ہر طرف خانہ جنگیوں کا دور دورہ ہے۔ قلعہ چنار گڑھ اور یہاں کا خزانہ جس کا تھا وہ اب نہیں رہا۔ ہر امیر وزیر اور بادشاہ کی نظریں چنار گڑھ پر لگی ہوئی ہیں اور سب ہی لاڈو ملکہ اور یہاں کی دولت کو للچائی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ لاڈو ملکہ اگرچہ ایک سمجھدار عورت ہے ہمارے ساتھ اس کا سلوک ہمارے مرتبہ سے بھی زیادہ اچھا ہے مگر لاڈو ملکہ عورت ہے اور عورت تو آخر عورت ہی ہوتی ہے۔ کسی نے حملہ کر دیا تو پھر بنائے نہ بنے گی"۔

دونوں بھائیوں نے بیک زبان ہو کے کہا۔ "بھائی میر احمد۔ آپ ہم سے زیادہ سمجھدار ہیں۔ آپ جو بھی فیصلہ کریں گے وہ ہمیں قبول ہو گا"۔

میر احمد بھائیوں کی طرف سے مطمئن ہوا تو اس نے کہا "جہاں تک میں نے اس مسئلہ پر غور کیا ہے شیر خاں نے میرداد کو اس لیے بلایا ہے کہ وہ قلعہ چنار گڑھ پر قبضہ کے لیے ہمارا تعاون چاہتا ہے۔ اگر اسے قلعہ پر فوج کشی کرنی ہوتی تو وہ نہ تو اپنی سفارت بھیجتا اور نہ میرداد کو بلواتا۔ ظاہر ہے کہ اگر شیر خاں قلعہ پر حملہ کر دے تو دو چار دن سے زیادہ مدافعت نہیں کر سکتے۔ شیر خاں کے اس نرم رویہ سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ لاڈو ملکہ اور قلعہ پر بغیر جنگ کے قبضہ چاہتا ہے"۔

میر اسحاق نے کہا "اگر یہ معاملہ ہے تو آپ لاڈو ملکہ سے گفتگو کیجئے اگر وہ آسانی سے مان جائیں تو اچھا ہے ورنہ آپ خود اپنے طور پر شیر خاں کو قلعہ کا قبضہ دیدیجئے"۔

"میرا بھی یہی خیال ہے"۔ میر احمد نے تائید کی۔ اس وقت شیر خاں کا طوطی بول رہا ہے۔ اگر ہم خود قلعہ اس کے حوالے کر دیں تو قلعہ بھی بچ جائے گا اور اس کے صلہ میں شیر خاں ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرے گا"۔ پھر یہ تینوں بھائی لاڈو ملکہ کے پاس پہنچے۔ ملکہ کو شیر خاں کے قاصد کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی۔ میر احمد نے لاڈو ملکہ کے سامنے شیر خاں کا مختصر تحریری پیغام رکھ دیا اور کہا۔

"ملکہ ہم آپ کے ہمیشہ تابعدار اور وفادار رہے ہیں مگر اب حالات بہت خراب ہو گئے ہیں۔ سب کی نظریں چنار گڑھ کے خزانہ پر لگی ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قلعہ اور خزانہ بھی ہاتھ سے جائے اور ہماری عزت و آبرو بھی خاک میں مل جائے۔ اب جو مشورہ آپ کا ہو اس پر عمل کیا جائے"۔

"لاڈو ملکہ بھی بہت متفکر تھی"۔ اس نے کہا۔

"دیکھیے۔ میں آپ لوگوں کو اپنے باپ کے برابر سمجھتی ہوں۔ یہ قلعہ اور خزانہ اس وقت تک آپ کی وفاداریوں ہی کی وجہ سے سلامت ہے۔ آپ حالات کو مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ آپ آخر اس مسئلہ کا کیا حل سمجھتے ہیں؟"

میر احمد نے دبے لفظوں میں کہا۔ "اس کا ایک بہت مناسب حل ہے مگر اسے پیش کرتے ہوئے مجھے خوف ہے کہ کہیں آپ آزردہ خاطر نہ ہو جائیں؟"

"میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں آپ کی کسی بات کا برا نہ مانوں گی"۔ ملکہ نے واضح الفاظ میں کہا۔ "آپ اس کا حل پیش کیجئے۔ میں ضرور غور کروں گی؟"

میر احمد نے پہلے دونوں بھائیوں کو دیکھا پھر بولا۔ "لاڈو ملکہ۔ ہماری وفاداری پر شبہ نہ کیجئے گا کہ اگر ہم یہ کہیں کہ آپ عورت ہیں اور عورت بھی صرف تنہا۔ اگر آپ کے کوئی بیٹا ہوتا تو بھی غنیمت تھا مگر اس پر آشوب دور میں آپ کا تنہا رہنا اور پھر اتنے بڑے خزانے کو محفوظ رکھنا میرے خیال میں نا ممکن ہے۔ آپ کی عزت و آبرو اور خزانہ کی حفاظت کے لیے ہمیں کسی مضبوط سہارے کی ضرورت ہے۔ شیر خاں اس وقت بڑی تیزی سے اقتدار کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ اس کا سفارت بھیجنا' سفارت میں ایک خاتون کو شامل کرنا پھر اب میر داد کو گفتگو کے لئے بلوانا۔ یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ وہ آپ کی طرف مائل ہے اور شادی کا خیال رکھتا ہے۔ شیر خاں شجاع' ذہین اور سمجھدار سردار ہے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو پھر اس سلسلہ میں بات آگے بڑھائی جائے؟"

لاڈو ملکہ نے بلا توقف جواب دیا "آپ میرداد کو بھیج کے تو دیکھیے۔ آخر شیر خاں کہتا کیا ہے؟"

"میر احمد' لاڈو ملکہ کے جواب نہ سمجھ سکا' باقی دونوں بھائی بھی ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر رہ گئے۔ ملکہ نے انہیں خاموش دیکھا تو خود ہی بولی۔ "آپ لوگ خاموش کیوں ہو گئے۔ کیا میں نے کوئی غلط بات کہی ہے؟" میر احمد نے مضمحل لہجہ کہا۔ "آپ نے کوئی غلط بات نہیں کہی لیکن بات صاف نہیں ہو سکی۔ اگر آپ کی مرضی نہیں تو ہم خوامخواہ میرداد کو شیر خاں کے پاس کیوں بھیجیں۔ ہندوستان میں اور بھی بہت سے سردار ہیں جن سے ہم مدد طلب کر سکتے ہیں"۔

"یہ بات نہیں ہے میر احمد"۔ لاڈو ملکہ نے وضاحت کی۔ "میرا مطلب یہ تھا کہ پہلے شیر خاں کا اصل عندیہ تو معلوم کیا جائے۔ ایک تو وہی خیال ہے جس کا آپ نے ذکر کیا ہے مگر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے ارادے اور کچھ ہوں۔ اس لئے میرداد کا اس کے پاس جانا ضروری ہے۔ جہاں قلعہ چنار گڑھ کی دولت اور ہماری عزتوں کا سوال ہے تو میں خود یہ محسوس کرتی ہوں کہ ہمارا اس طرح بے سہارا رہنا کسی طرح درست نہیں۔ ہمیں آج یا کل کسی مضبوط سردار کا سہارا لینا پڑے گا"۔

اب بات صاف ہو گئی تھی۔ تینوں بھائیوں کے چہرے خوشی سے چمکنے لگے۔ اسی دن میر احمد نے چھوٹے بھائی کو سمجھا بجھا کے شیر خاں کی طرف روانہ کر دیا۔ میرداد کو تمام متوقع سوالات کے جوابات رٹا دیئے گئے۔ سب سے بڑی بات اسے یہ سمجھائی گئی کہ شیر خاں کے کسی سوال کا بھی آخری جواب یعنی دو ٹوک جواب نہ دینا بلکہ ادھورا اور الجھا ہوا جواب دینا تاکہ آئے گفتگو کا راستہ کھلا رہے۔

میرداد جب پہنچا تو شیر خاں کے ان سرداروں کے کان کھڑے ہو گئے جنہوں نے دولت اور حسن کا چکر چلا کر شیر خاں کو لاڈو ملکہ اور اس کے قبضہ میں عظیم خزانہ کی طرف متوجہ کیا تھا۔ سرداروں کو مال غنیمت سے اچھا خاصا حصہ ملنا تھا اس لیے وہ چاہتے تھے کہ شیر خاں قلعہ چنار گڑھ پر قبضہ کر لے تاکہ انہیں بھی حصہ مل سکے۔ لیکن شیر خاں نے میر داد کو فوراً اپنے پاس طلب کر لیا شیر خاں نے اس کی بڑی عزت افزائی کی۔ اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا کے کھانا کھلایا۔ پھر اس نے بڑے صاف اور واضح الفاظ میں اپنا مطلب بیان کیا۔

"میرداد ہم جانتے ہیں کہ قلعہ چنار گڑھ میں سلطان ابراہیم لودھی کا خزانہ موجود ہے اس کے علاوہ لوگوں کے بقول چنار گڑھ میں اس دور کا سب سے قیمتی ہیرا بھی جگمگا رہا ہے-----"

"جی - میں شاہ کا مطلب نہیں سمجھ سکا"۔ میرداد نے گھبرا کے پوچھا۔

شیر خاں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرا مطلب ہے تمہاری لاڈو ملکہ۔ میں دراصل لاڈو ملکہ سے عقد کا خواہش مند ہوں۔ شادی بیاہ کے معاملہ میں' میں جنگ و جدل اور خون خرابہ کا قائل نہیں۔ اس شادی سے میرے جو مقاصد ہیں اس سے تم اور تمہارے بھائی

اچھی طرح واقف ہیں۔ میں قلعہ پر زبردستی قبضہ بھی نہیں کرنا چاہتا اس لیے کہ میں لہو لعب کا قائل نہیں اور حسن کو سرنگوں نہیں دیکھ سکتا۔ مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ قلعہ دار تاج خاں کی بیوی کی تذلیل ہو"۔

اتنا کہہ کر شیر خاں خاموش ہوگیا اور اس نے سوالیہ نظروں سے میرداد کو دیکھا میر داد کو کچھ نہ کچھ تو جواب دینا ہی تھا۔ اس نے کہا۔

"اے افغانوں کے بادشاہ۔ مجھے آپ کی ہربات سے اتفاق ہے مگر یہ فرمایئے کہ میں یا میرے بھائی اس سلسلے میں کیا کرسکتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ لاڈو ملکہ' تاج خاں کی بیوہ اور اپنے معاملات میں خود مختار ہے۔ ہماری بہن یا بیٹی نہیں کہ ہم اس پر زور دے سکیں"۔

"زور دینے یا دباؤ ڈالنے کی ضرورت نہیں۔" شیر خاں نے کہا ہمیں معلوم ہے کہ لاڈو ملکہ ہرمعاملہ میں تم بھائیوں سے مشورہ کرتی ہے۔ پس تم ہماری خواہش اس کے سامنے رکھو۔ وہ ضرور تم سے مشورہ طلب کرے گی۔ اس وقت تم پر آشوب زمانہ کے حوالے سے ملکہ کو ہماری خواہش کی طرف راغب کرسکتے ہو"۔

"ہم شاہ کے تابعدار ہیں"۔ میرداد نے فوراً" کہا۔ "اگرچہ یہ کام بہت مشکل ہے مگر ہم سب بھائی پوری کوشش کریں گے کہ آپ کی خواہش کو حقیقت کا جامہ پہنایا جائے مگر ایک بات کا ضرور خیال رکھئے گا کہ اگر کام آپ کی حسب مرضی ہوگیا تو ہمیں ذلیل و خوار کرکے قلعہ سے نہ نکال دیجئے گا"۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو میرداد؟" شیر خاں نے قدرے ناگوار انداز میں کہا "بہادر اور شریف احسان فراموش نہیں ہوتے۔ ہم جانتے ہیں اور تم بھی جان لو کہ اس کارگاہ شیشہ گری میں ہاتھ کو ہاتھ پہچانتا ہے۔ تم ہمارے ساتھ سلوک کرو اور ہم تمہاری طرف سے تغافل برتیں یہ کسطرح ممکن ہے تم ہماری عنائتوں کے تصور سے زیادہ حقدار ہو گے"۔

میرداد کو پوری طرح اطمینان ہوگیا تھا پھر بھی بڑے بھائی میراحمد کے کہنے کے مطابق اس نے بات دو ٹوک نہیں کی اور یہ کہتا ہوا کھڑا ہوا "شاہ اب مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اس کام کی کوشش میں لگ جاؤں اور خدا کرے میں آپ کے سامنے سرخرو ہوں۔"

یہاں ایک بات کا اظہار ضروری ہے۔ وہ یہ کہ لاڈو ملکہ نے میراحمد کے سامنے شیر خاں سے شادی کے معاملہ میں ایک شرط رکھی تھی اس نے میرداد سے کہا تھا کہ شیر خاں سے اس بات کا قول لیا جائے کہ وہ تاج خاں (لاڈو ملکہ کا شوہر) کے اس بیٹے کو گرفتار کرے جس نے اس پر (لاڈو پر) خنجر تانا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس کی ناک کان کاٹے جائیں تاکہ دوسرے لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔ میراحمد نے لاڈو ملکہ سے تو وعدہ کرلیا تھا کہ وہ شیر خاں سے قول لے لے گا مگر اس نے یہ مناسب نہ سمجھا اور نہ میرداد کو اس سلسلے میں کسی قسم کی گفتگو کی اجازت دی۔

میرداد کے قلعہ چنارگڑھ میں پہنچتے ہی لاڈو ملکہ نے اسے فوراً" طلب کرلیا۔ میراحمد ابھی میرداد سے پوری گفتگو سن بھی نہ سکا تھا کہ لاڈو ملکہ کی کنیز میرداد کو بلانے آگئی۔ میر احمد نے میرداد کے لاڈو ملکہ کے پاس جاتے جاتے اس کے کان میں کہہ دیا۔

"اگر ملکہ پوچھے تو کہہ دینا کہ شیر خاں نے اس کے سوتیلے بیٹے کی ناک کان کاٹنے کا وعدہ کیا ہے"۔

میرداد' لاڈو ملکہ کی کنیز کے ساتھ ملکہ کے حضور پہنچا تو لاڈو نے کنیز کو ڈانٹ پلائی۔

"کمبخت تو صرف سردار میرداد کو ساتھ لائی ہے۔ ہم نے تمام سرداروں کو مشورہ کے بلوایا تھا"۔ سمجھدار ہانپتی کانپتی واپس گئی اور باقی بھائیوں کو بھی ساتھ لے کے آگئی۔ اس کنیز کا نام سمجھدار تھا۔ میراحمد اور میرتاج ملکہ کے پاس پہنچے تو لاڈو ملکہ نے ان سے معذرت کی۔

"مجھے افسوس ہے کہ سمجھدار غلطی سے صرف سردار میرداد کو لے کے آگئی جبکہ میں نے آپ تمام سرداروں کو مشورہ اور گفتگو کے لیے بلوایا تھا"۔

میراحمد نے ہنس کے کہا "ملکہ نے اپنی کنیز کا نام سمجھدار بیگم رکھا ہے اس لئے وہ اپنی سمجھ کے مطابق ہی کام کرتی ہے"۔

ملکہ بھی ہنس پڑی۔

"ٹھیک ہے آج سے اس کا نام "ناسمجھ" ہے۔ اب یہ اسی نام سے پکاری جائے گی۔" پھر لاڈو ملکہ نے کنیز سے پوچھا۔ "بتا تیرا کیا نام ہے؟"

"جی میرا نام سمجھدار بیگم ہے"۔ کنیز نے بوکھلا کے جواب دیا۔

اس کی اس بوکھلاہٹ پر لاڈو ملکہ اور تمام سردار ہنس پڑے۔

میراحمد نے کہا "ملکہ۔ آپ اس کا نام تبدیل نہ کیجئے ورنہ اس میں جوکچھ "سمجھ" ہے وہ بھی جاتی رہے گی"۔

ماحول بہت خوشگوار ہو گیا تھا۔ اسی ماحول میں لاڈو ملکہ نے میراحمد کو مخاطب کیا۔

"سردار میرداد نے آپ کو تو بتایا ہو گا کہ شیر خاں نے انہیں کس لئے بلایا تھا؟"

"جی ہاں۔ مجھے بتایا ہے میرداد نے"۔ میراحمد مسکراتے ہوئے بولا۔ "آپ میرداد کی زبان سے خود سن سکتی ہیں؟"

"سردار میرداد اور آپ جدا جدا تو نہیں؟" لاڈو ملکہ بظاہر اطمینان سے بولی "آپ ہی فرمایئے شیر خاں کیا چاہتا ہے"۔ اس وقت لاڈو ملکہ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

لاڈو ملکہ کو مبارک ہو۔ شیر خاں نے آپ کے لیے پیغام بھیجا ہے"۔ میراحمد کی زبان سے یہ جملہ ادا ہوا تھا کہ ملکہ کا چہرہ گلاب کی طرح کھل گیا۔

لاڈو ملکہ اس قدر خوش ہوئی کہ اس کی زبان سے الفاظ نہ نکل رہے تھے۔ جب سے اس کا شوہر تاج خاں سارنگ خانی بیٹے کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا وہ بے انتہا خوفزدہ رہنے لگی تھی۔ میر برادران نے اگرا پنی وفاداری کی قسمیں کھائی تھیں اور اس کی حفاظت کا بیڑہ اٹھایا تھا مگر لاڈو ملکہ کا دل کسی طرح نہ ٹھہرتا تھا۔ قلعہ میں اتنا بڑا خزانہ موجود تھا جس کے لیے بڑی سے بڑی جنگ لڑی جا سکتی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا اس کا اعتبار میر برادران پر سے اٹھتا جارہا تھا۔

میر برادران اس کے وفادار اور تابعدار ضرور تھے مگر ان کا دل بھی ہر دم دھڑکتا تھا کہ دولت حاصل کرنے کے لیے کہیں کوئی چنار گڑھ پر حملہ نہ کر دے اور ان کی عزت اور وقار خاک میں مل جائے۔ وہ دل سے یہ چاہتے تھے کہ لاڈو ملکہ کسی بڑے سردار سے شادی کر لے تاکہ قلعہ محفوظ ہو جائے مگر ان کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ وہ لاڈو ملکہ سے ایسی بات کہیں۔

لاڈو ملکہ اسی دن سے شیر خاں پر "ان دیکھے" فریفتہ ہو گئی تھی۔ بیوگی کا کرب اسے کھائے جا رہا تھا۔ وہ چنار گڑھ کے قلعہ میں اس طرح بند تھی جیسے پرندہ قفس میں قید ہوتا ہے۔

لاڈو ملکہ نے اپنی خوشی دباتے ہوئے کہا۔

"خیر شیر خاں کے پیغام کا جواب دینا تو آپ لوگوں کا کام ہے۔ آپ مجھ سے زیادہ دور اندیشن اور سمجھدار ہیں پھر میں آپ کو اپنے باپ کی جگہ سمجھتی ہوں۔ آپ کو مناسب خیال فرمائیں وہ فیصلہ کریں لیکن میں نے میرداد اور آپ لوگوں سے اپنی ایک خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس کے متعلق آپ کا کیا جواب ہے؟"

میر برادرز کی سمجھ میں نہ آیا کہ لاڈو ملکہ کا کس بات کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ میر احمد نے کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں ملکہ کی بات نہیں سمجھ سکا۔ غور کرنے پر بھی مجھے یاد نہیں آتا کہ ملکہ نے کونسی ایسی خواہش کی تھی جسے ہم لوگ پورا نہیں کر سکے۔ جبکہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ ملکہ کی ہر خواہش پوری کرنا ہمارا فرض اولین ہے۔ ہم اپنی اس کوتاہی کے لیے ملکہ سے معذرت کے خواستگار ہیں"۔

"میرے وفاداروں کو معذرت کی قطعی ضرورت نہیں اس لیے کہ میری خواہش کا تعلق ان سے نہیں تھا" یہ کہتے وقت ملکہ کی خوشیاں اس کی چمکتی آنکھوں سے جھانک رہی تھیں۔

لاڈو ملکہ نے سانس لے کر کہا "میں نے آپ لوگوں کے سامنے اس خدشہ کا اظہار کیا تھا کہ تاج خان کے نافرمان بیٹے نے میرے ساتھ جو کمینی حرکت کی تھی اس کی سزا اسے ملنا چاہیے ورنہ وہ آئندہ بھی اس طرح کا حوصلہ کر سکتا ہے اسی لیے میں نے یہ کہا تھا کہ شیر خاں کو اس بات کا پابند کیا جائے کہ وہ شادی کی صورت میں اس نافرمان کے کان ناک کٹوا دیں تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو"۔

بعض تواریخ یہ بیان کرتی ہیں کہ لاڈو ملکہ پر اس کے سوتیلے بیٹے نے خنجر کا وار کیا تھا جس سے لاڈو زخمی ہوئی تھی اور اس کا یہ زخم بہت عرصہ میں بھرا تھا۔

میراحمد نے فوراً جواب دیا۔ "آپ کی یہ خواہش میں نے میرداد کے ذریعہ شیر خاں تک پہنچا دی تھی۔ شیر خاں نے جو جواب دیا ہے وہ میرداد خود اپنی زبان سے بیان کرے گا"۔

ملکہ لاڈو نے مسکراتے ہوئے میرداد کی طرف دیکھا۔ میرداد خود کو جواب کے لیے تیار کر چکا تھا۔ اس نے کہا "جس وقت میں نے شیر خاں کے سامنے ملکہ کی اس خواہش کا

اظہار کیا تو وہ مسکرا دیئے اور بولے کہ شادی کی صورت میں شیر خاں اور لاڈو ملکہ کے تمام مصائب اور تمام مسرتیں مشترک ہو جائیں گی اس لیے وہ ملکہ کا ہر دکھ اپنا دکھ سمجھ کر اس کا خاتمہ کریں گے اور لاڈو ملکہ کے چہرہ پر کبھی کوئی ناگوار شکن نہ پیدا ہونے دیں گے"۔

میرداد کے اس نپے تلے جواب سے لاڈو ملکہ کی مسرتوں میں کچھ اور اضافہ ہو گیا اور وہ مستقبل کے خوش آئندہ خوابوں کے جھولے میں جھولنے لگی۔ آخر اس نے کہا۔

"گفتگو سے تو شیر خاں بہت معقول آدمی معلوم ہوتے ہیں"۔

"وہ اپنے عمل میں بھی ایسے ہی معقول ہیں لاڈو ملکہ" میر احمد نے جواب دیا "اب فرمائیے آپ کیا حکم ہے۔ شیر خاں کو کیا جواب بھیجا جائے؟"

"اگر آپ لوگوں کی مرضی ہے کہ مجھے شیر خاں کے عقد میں آ جانا چاہیے تو اس کی کیا صورت ہو گی۔ ظاہر ہے کہ شیر خاں عقد کے لیے چنار گڑھ آئیں گے۔ ان کے ساتھ ان کا لشکر بھی ہو گا۔ اگر لشکر نے شیر خاں کے ساتھ عقد کی محفل میں شرکت کے لیے قلعہ کے اندر آنے کی خواہش کی تو اسے کیسے روکا جا سکتا ہے؟"

"میر احمد کے ذہن میں بھی اس قسم کا ایک ہلکا سا خدشہ موجود تھا۔ شاید اسی کے تحت اس نے کہا۔

"آج کل بادشاہوں کی شادیوں کے دو طریقے رائج ہیں۔ پہلا طریقہ تو وہی عام طریقہ ہے کہ بارات چڑھتی اور دولھا اپنے عزیز و اقارب یا بادشاہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ دلھن کے گھر بارات لے کر جاتا ہے اور عقد کر کے دلھن کو ساتھ لے آتا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دولھا کی طرف دو تین آدمی دولھا کی رضا مندی کے ساتھ دلھن کے دروازے پر جاتے ہیں وہاں نکاح ہوتا ہے اور دولھا کے آدمی اس کی نیابت کرتے ہیں پھر دلھن کو رخصت کرا کے اپنے ساتھ لے آتے ہیں۔ اس قسم کی شادیاں اکثر بادشاہوں میں ہوا کرتی ہیں۔ آپ جس طرح فرمائیے وہ صورت اختیار کی جائے؟"

"محترم سردار میر احمد"۔ لاڈو ملکہ نے کہا "اگر بغیر دولھا کے بارات آئی تو ہمارے قلعہ والے کیا سوچیں گے۔ پھر بارات بغیر دولھا کے کیسے لگے گی۔ لوگ طرح طرح کی باتیں بنائیں گے"۔

میر احمد نے اندازہ لگا لیا کہ لاڈو ملکہ کی شادی پہلے ضعیف العمر تاج سارنگ خانی سے

ہوئی تھی۔ تاج خاں اپنے جوان بیٹوں کی وجہ سے کوئی دھوم دھڑکا نہیں کیا تھا قلعہ والے بھی شادی کے کچھ لطف اٹھا نہ سکے تھے۔ شاید اسی وجہ سے لاڈو ملکہ کی خواہش تھی اب اس کی بارات پورے دھوم دھام اور باجے گاجے سے ہو۔ شیر خاں کے بھی اگرچہ بچے تھے لیکن وہ ابھی چالیس سال سے بھی کم عمر کا تھا اور بادشاہوں کی یہ عمر جوانی ہی میں شامل ہوتی ہے۔ ان باتوں پر غور کرتے ہوئے میر احمد نے کہا۔

"لاڈو ملکہ اطمینان رکھیے۔ یہ شادی ایسی شاندار ہو گی کہ یادگار بن جائے گی۔ ہم بارات دھوم دھام میں بلوائیں گے اور اس دھوم دھام سے رخصت کریں گے۔ باراتیوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہ ہو گی اگر شیر خاں پورا لشکر بھی لے کر آئیں گے تو ہم خاطر و مدارات میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے"۔

"مگر لشکر کا قلعہ میں آنا خطرناک تو نہ ہو گا؟" لاڈو ملکہ نے چونک کر سوال کیا۔

"ہم کوئی خطرہ مول نہیں لیں گے لاڈو ملکہ----" میر احمد نے بڑے وثوق سے کہا۔ "یقین رکھیے کہ ہم ایسا انتظام کریں گے کہ شیر خاں کا ایک لشکری بھی قلعہ کے اندر داخل نہیں ہو سکے گا"۔

لاڈو ملکہ نے تعجب سے میر احمد کو دیکھا۔

"مگر سردار میر احمد----"

"لاڈو ملکہ----" میر احمد نے بات کاٹ دی۔ "آپ نے ہمیں اپنے باپ کا درجہ دیا ہے اب وقت ہے کہ ہم آپ کو باپ بن کے دکھائیں---"

لاڈو ملکہ بالکل مطمئن ہو گئی۔

میرداد کو دوبارہ شیر خاں کے پاس بھیجا گیا۔

"کہو میرداد۔ کیا خبر لائے؟" شیر خاں نے سپاٹ لہجہ میں سوال کیا۔

"شاہ بہادر----" میرداد نے خوشی سے جھومتے ہوئے کہا "خدا کا شکر ہے کہ ہم تینوں بھائی آپ کے سامنے سرخرو ہوئے"۔

شیر خاں کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ لاڈو ملکہ نے ہمارا رشتہ منظور کر لیا؟"

"اس میں کیا شک ہے شاہ بہادر"۔ میرداد نے بڑے استقلال سے کہا "آپ جب

چاہے بارات لے کے آ سکتے ہیں"۔

"ہونہہ" شیر خاں نے ہنکاری بھری۔ "اچھا تو بارات کا کیا انداز ہو گا۔ میرا مطلب ہے کہ کتنے آدمی بارات میں شریک ہو سکتے ہیں؟"

میرداد گمبھیر آواز میں بولا "شاہ بہادر۔ لاڈو ملکہ نے خواہش کی ہے کہ ان کی شادی' بیوہ کی شادی کے مانند نہ ہو بلکہ یہ اس قدر شاندار ہونا چاہیے کہ لوگ عرصہ تک اسے یاد رکھیں ملکہ نے یہ بھی خواہش کی ہے کہ شادی کے اخراجات کے لیے وہ پچاس من سونا شاہ بہادر کے پاس روانہ کرنا چاہتی ہیں جس کی خبر کسی اور کو نہ ہونا چاہیے؟"

شیر خاں کے چہرے پر ناگوار لکیریں ابھر آئیں۔ "میرداد۔ تم ہمیں بادشاہ کہتے ہو مگر تمہاری ملکہ ہمیں اس قدر غریب سمجھتی ہیں کہ ہم بارات کے اخراجات بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ لاڈو ملکہ تک یہ خبر پہنچائی جائے کہ شیر خاں نے ملکہ کی پیش کش شکریہ کے ساتھ ٹھکرا دی ہے اور یہ بھی کہا جائے کہ بارات ایسی شان سے آئے گی کہ لوگ عمر بھر یاد رکھیں گے"۔

میرداد نے واپس جا کر بتایا کہ شیر خان نے ملکہ کی پیش کش قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے تو نہ صرف اس کے دونوں بھائی بلکہ خود لاڈو کو یہ سن کر بہت خوشی ہوئی اور ملکہ نے برملا کہا۔

"سردار میراحمد آپ لوگ میرا ہاتھ ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دے رہے ہیں جو صرف ذہین اور بہادر ہی نہیں بلکہ حد درجہ غیور اور خود دار بھی ہے"۔

پھر شیر خاں کی بارات ایسی چڑھی کہ دنیا دیکھتی ہی رہ گئی۔ شیر خاں کی خود کوئی ایسی خواہش نہ تھی کہ وہ دوسری شادی دھوم دھام سے کرے اسے اپنے دونوں بیٹوں کا خاص طور پر خیال تھا جو بڑی تیزی سے جوان ہو رہے تھے مگر سرداروں نے شیر خاں کو بیٹوں کی طرف سے یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ قطب خاں اور جلال خاں کو یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ ایک سیاسی شادی اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ قلعہ چنار گڑھ اور وہاں کے خزانہ کے حصول کے لیے کیا جا رہا ہے۔

شیر خاں کی جب بارات چنار گڑھ پہنچی تو اس میں ایک ہزار باراتی اور دو ہزار مسلح سوار تھے۔ بارات کے استقبال کے لیے قلعہ کے مرد' عورتیں' بچے اور بوڑھے تک قلعہ

سے باہر آ گئے تھے۔ بارات کے قیام کے لیے دور دور تک ہزاروں خیمے نصب تھے۔ ہر خیمہ میں چار آدمیوں کے رہنے کا انتظام تھا۔ اس میں فرش فروش کے علاوہ ضرورت کی تمام چیزیں مثلاً خوشبویات تیل' تولئے' آفتابے اور سلفچیاں تک موجود تھے۔ ہر خیمہ کے لیے دو ملازم مقرر کئے گئے تھے۔

دولھا کے لیے ایک اونچے مقام پر ایک بڑا زر نگار شامیانہ لگایا گیا تھا اور درجنوں لونڈی غلام خدمت کے لیے موجود تھے مہمانوں کی وابستگی کے لیے گانے بجانے والوں کے مختلف طائفے اور کھیل تماشے والے بلوائے گئے تھے۔ چنار گڑھ کی سرحد شروع ہونے سے قلعہ تک بانسوں اور خوشبو دار لکڑی کے دروازے اور قوسیں بنائی گئی تھی مگر یہ سب کچھ قلعہ چنار گڑھ کے باہر ہوا تھا۔ قلعہ کے صدر دروازے اور بارات کی قیام گاہ کے درمیان تقریباً" پانچ سو گز کا فاصلہ تھا۔

اس طرح میراحمد نے لاڈو ملکہ سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا کر دکھایا تھا۔ شیر خاں' اس کے باراتی اور فوج کا کوئی آدمی قلعہ میں اس وقت تک داخل نہ ہو سکا جب شیر خاں اور لاڈو ملکہ کا باقاعدہ عقد نہیں ہو گیا۔ شیر خاں عقد کے لئے قاضی صاحب کو اپنے ساتھ لائے۔

بارات چونکہ دور سے منزلیں طے کر کے آئی تھی اس لیے بارات کے پہنچتے ہی فوراً" کھانا دیا گیا جو پہلے سے تیار کرا لیا گیا تھا۔ اس کے بعد عقد کا ہنگامہ ہوا۔ مختار اور گواہ مقرر ہوئے جو قلعہ کے اندر پہنچے اور ملکہ سے ایجاب و قبول کرایا پھر واپس آکر دولہا شیر خاں سے ایجاب و قبول ہوا پھر قاضی صاحب نکاح پڑھا اور مبارک سلامت کا غلغلہ بلند ہوا۔

مہمانوں کے علاوہ قلعہ والوں کے لئے بھی دعوت عام تھی۔ ادھر ادھر سے جو لوگ بارات کا شور سن کے جمع ہو گئے تھے انہیں بھی کھانا دیا گیا۔ پھر کھیل تماشے شروع ہوئے اور ناچ گانے کی محفلیں جم گئیں۔ دولھا شیر خاں کو قلعہ میں بلا کر مختصر رسومات ادا کی گئیں نچھاور اور صدقے کی تو اس قدر بھرمار تھی کہ لونڈی غلاموں کی جھولیاں بھر گئی تھیں۔

نصف شب کے بعد تک یہ ہنگامہ برپا رہا پھر شیر خاں کو قلعہ میں حجلہ عروسی میں پہنچایا گیا۔ شیر خاں نے منہ دکھائی میں دلھن کو جواہرات کے جڑاؤ کنگن عطا کئے اور دلھن

نے اس کے جواب میں شیر خاں کو ہیرے جواہرات سے بھرے ہوئے دو خوان پیش کئے اور دو سو من سونا دینے کا اعلان کیا۔

شب عروسی کی صبح دم شیر خاں نے غسل کیا۔ نماز ادا فرمائی پھر دربار لگایا۔ دربار میں لاڈو ملکہ کے تینوں سرداروں میر احمد' میر تاج اور میر داد کے علاوہ شیر خاں کے تمام سرداروں نے شرکت کی۔ یہ دربار قلعہ کے اندر لگا تھا۔ شیر خاں نے اس موقعہ پر لاڈو ملکہ کے تینوں سردار بھائیوں کو ان کے عہدوں پر بحال رکھا اور اپنی طرف سے اس قدر مراعات دیں جو ان کے تصور میں بھی نہیں تھیں۔ شیر خاں اپنے سرداروں کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا اور انہیں اتنا کچھ حاصل ہوا جتنا انہیں تمام عمر میں مال غنیمت میں حاصل ہوا ہو گا۔

چنار گڑھ میں اس قدر خزانہ تھا جس کا صرف اندازہ ہی لگایا جا سکتا ہے ایک روایت کے مطابق اس خزانے میں کئی سو ایسے ہیرے موجود تھے جن میں ہر ہیرے کی قیمت پندرہ پندرہ لاکھ سے زیادہ تھی۔ شیر خاں نے اس خزانہ کا بہترین مصرف یہ کیا کہ اس نے اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کیا پھر مفتوحہ علاقوں میں عوام کی بھلائی کے صدہا کام کئے۔ جگہ جگہ سرائیں اور اسکول کھولے۔ کنویں کھدوائے۔ قصبوں اور دیہاتوں میں قاضی عدالتیں قائم کیں۔

شیر خاں اپنے عدل اور فلاحی کاموں کی وجہ سے پہلے عوام میں مقبول تھا۔ اب دولت کا بے شمار خزانہ اس کے ہاتھ آیا تھا اس لئے اس نے دل کھول کر فلاحی اور رفاہی کاموں میں روپیہ لگایا اور اپنی عسکری طاقت کو مضبوط کیا۔

لاڈو ملکہ ایک بہترین شریک حیات ثابت ہوئی۔ اس نے شیر خاں کے بیٹوں اور اپنی سوکن کی قلعہ چنار گڑھ میں شاندار دعوت کی پھر انہیں رخصت کرتے وقت اس قدر دولت دی کہ انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ ہندوستان اس وقت بھی "سونے کی چڑیا" کہلاتا تھا چنانچہ سلطان ہند ابراہیم لودھی کے خزانہ کا صرف تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔ کہنے میں لاڈو ملکہ نے شیر خاں کو دو سو من سونا دیا تھا لیکن یہ سونا خزانہ میں موجود سونے کا سواں حصہ بھی نہ تھا۔

شیر خاں کو اپنی اس بیگم سے کبھی شکایت پیدا نہ ہوئی۔ اس کی پہلی بیوی اور بچے

بھی لاڈو بیگم سے محبت کرتے اور اس کی عزت کرتے تھے۔



محمود لودھی نے لکھنؤ یا (جونپور) پر قبضہ کیا تھا اس میں شیر خاں کا کوئی عمل دخل نہ تھا دراصل شیر خاں کو محمود لودھی کے اطوار پسند نہ تھے۔ شیر خاں کو اس کے جاسوسوں نے پہلے ہی خبر کر دی تھی کہ محمود لودھی اور اس کے امراء کے ارادے نیک نہیں معلوم ہوتے اس لیے ان سے کوئی معاملہ کرتے وقت بہت ہوشیاری کی ضرورت ہے۔

چنانچہ جب محمود لودھی کا قاصد شیر خاں کے پاس یہ پیغام لے کر پہنچا کہ شیر خاں معہ اپنے لشکر کے محمود لودھی کے لشکر میں شامل ہو تو شیر خاں نے یہ کہلوا دیا تھا کہ وہ ملکی انتظام میں مصروف ہے اور اس وقت فوج کے ساتھ نہیں آ تا۔

اس کے جواب میں محمود لودھی کے امرا نے اسے مشورہ دیا کہ ہم سب اپنا لشکر لے کر شیر خاں کی جاگیر سہسرام کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ اس خبر کو سنتے ہی شیر خاں ہمارے پاس دوڑا چلا آئے گا۔ ان کی یہ تدبیر کارگر ہوئی۔ جب شیر خاں کو معلوم ہوا کہ بنگال کے سلطان محمود لودھی کے لشکر کا رخ سہسرام کی طرف ہے تو اس نے مجبور ہو کر اور دو منزلیں آگے بڑھ کر محمود لودھی کا استقبال کیا۔

شیر خاں کے اس حسن سلوک کا محمود لودھی اور اس کے امراء نے یہ بدلہ دیا کہ بہار کا پورا علاقہ جس پر کچھ ہی دن پہلے شیر خاں نے قبضہ کیا تھا۔ اسے محمود لودھی کے امرا میں آپس میں تقسیم کر لیا اور صرف سہسرام کا علاقہ شیر خاں کے لیے چھوڑ دیا۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے شیر خاں کو یہ تسلی دی کہ جونپور کی فتح کے بعد بہار کا علاقہ اسے واپس کر دیا جائے گا۔

شیر خاں بہت ذہین تھا۔ اس نے ان کی اس ذلیل حرکت پر خاموشی اختیار کی اور کوئی جھگڑا نہ کیا اور یہ بات اس کے دل میں بیٹھ گئی کہ محمود لودھی کا اپنے امرا پر کوئی قابو نہیں اور جس بادشاہ کا امرا پر قابو نہ ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا چنانچہ یہ بات لکھنؤ کی دوسری جنگ سے ثابت ہو گئی۔

شہنشاہ بابر کے انتقال کے بعد مغل بادشاہ ہمایوں نے فوراً" اپنے لشکر کے ساتھ جونپور

کی طرف کوچ کیا۔ وہ محمود لودھی کے لکھنؤ اور جونپور پر قبضہ سے بہت برا فروختہ تھا۔ اسے یہ بھی خیال تھا کہ اگر محمود لودھی کا خاتمہ نہ کیا گیا تو ایک بار پھر لودھی خاندان اس کے لیے درد سر بن جائے گا۔ مغل لشکر کی خبر پا کر محمود لودھی اپنے لشکر کے ساتھ لکھنؤ سے نکلا اور قریب ہی مغلوں اور افغانوں کا ایک بار پھر سامنا ہوا۔

شیر خاں کا خیال درست نکلا۔ محمود لودھی کے نکمے امراء کوئی معقول حکمت عملی نہ چلا سکے۔ محمود لودھی کے لشکری بہادر تھے لیکن قصہ یہ تھا کہ افغانوں میں جو امیر اور ان کا ذاتی لشکر بہادر تھا وہ عقلمند نہ تھا اور جو امیر عقلمند تھا وہ بہادر نہ تھا۔ اس لیے محمود لودھی نے زبردست شکست کھائی اور ایک روایت کے مطابق رو پوش ہو گیا۔ پھر اس کا کوئی پتہ نہ لگا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ وہ پٹنہ یا اڑیسہ میں چھپا رہا اور ۹۴۹ھ میں انتقال کیا۔

مغلوں اور لودھی افغانوں کی لکھنؤ میں ہونے والی جنگ کے کئی دوررس نتائج برآمد ہوئے۔ اس جنگ کا ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ سلطان ہند ابراہیم لودھی کے خاندان کی طاقت ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی اور لودھیوں کی جگہ افغانوں کا سوری خاندان جس کا سرغنہ شیر خاں تھا' مغلوں کے مقابلہ پر سامنے آیا۔

بعض مورخین نے شیر خاں پر یہ الزام لگایا ہے کہ اس نے لودھیوں اور مغلوں کی جنگ کے موقعہ پر اپنے فوجی دستوں کو جنگ سے الگ رکھا تھا اور اپنی غیر جانبداری کی اطلاع مغلوں کی ایک امیر ہند و بیگ کے ذریعہ مغل بادشاہ ہمایوں کو بھجوا دی تھی۔ ہمایوں نے شیر شاہ کا شکریہ بھی ادا کیا تھا اور ہمایوں' محمود لودھی کو شکست دینے کے بعد شیر خاں سے کوئی تعرض کئے بغیر بنگال چلا گیا تھا۔ مگر یہ خیال مشکوک معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ شہنشاہ بابر کو شیر خاں بالکل پسند نہ تھا۔ اس نے شیر خاں کی گرفتاری کا بھی حکم دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ شیر خاں جیسے "خطرناک" سردار کے بارے میں بابر نے اپنے بیٹے ہمایوں کو ضرور آگاہ کیا ہو گا۔ ایسی صورت میں اگر شیر خاں نے اس جنگ میں اپنی غیر جانبداری کی اطلاع ہمایوں کو بھیجی ہوتی تو وہ اس خطرناک آدمی کی بات کا کس طرح اعتبار کر سکتا تھا۔

دوسرے یہ کہ مغل بادشاہ ہمایوں نے بنگال پہنچتے ہی شیر خاں کے خلاف کارروائی شروع کر دی تھی اور اس سے چنار گڑھ کا قلعہ حوالے کرنے کا مطالبہ کیا تھا جس کا ذکر آگے آئے گا۔

اس جنگ کے نتیجہ میں تیسرا اور سب سے اہم واقعہ شیر خاں کے بیٹے جلال خاں اور سوری سردار طرم خاں کے درمیان ایک مختصر مگر وہ شدید جنگ تھی جس نے اس وقت کے دو امیرزادوں کے جن کا تعلق ایک ہی قبیلہ سے تھا کردار اور ذہنی کیفیت کا صحیح نقشہ کھینچا ہے شیر خاں کا اگرچہ اس واقعہ سے براہ راست کوئی تعلق نہ تھا مگر اسے اس میں اخلاقاً" شامل ہونا پڑا۔

یہ قصہ کچھ یوں ہے کہ محمود لودھی کو مغل شہنشاہ اکبر کے مقابلہ پر کھڑے ہونے پر دراصل اس کے تین بڑے سرداروں نے مجبور کیا تھا ورنہ کنواہہ کی شکست کے بعد محمود لودھی چتوڑ چلا گیا تھا اور وہاں پر سکون زندگی بسر کر رہا تھا۔ محمود لودھی کے ان سرداروں میں ایک تو مسند عالی اعظم ہمایوں ثانی تھا جس نے اپنی بیٹی کی شادی سلطان محمود سے کی تھی۔ دوسرا سردار مسند عالی عیسیٰ خاں تھا۔ تیسرا سردار ابراہیم خاں یوسف خیل تھا۔ انہی تینوں سرداروں نے شیر خاں کا بہار کا سارا علاقہ آپس میں تقسیم کر لیا تھا اور شاید ان کی اس حرکت سے ناراض ہو کر شیر خاں نے محمود لودھی اور ہمایوں خاں کی جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا۔ پھر جب سلطان محمود لودھی کو مغل بادشاہ ہمایوں کے ہاتھوں شکست ہوئی تو جس کا منہ جدھر آیا ادھر بھاگ پڑا۔ لودھی سلطان اور اس کے امیروں کے ساتھ ان کے بال بچے بھی تھے۔ شکست کے وقت مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین بھی ایک دوسرے سے جدا ہو گئیں ان خواتین میں مسند عالی عیسیٰ خاں کی خوبرو بیٹی شہزادی ثمر گل بھی تھی جس کا عقد مسند عالی اعظم ہمایوں ثانی کے بیٹے خلیل خاں سے ہو چکا تھا مگر ابھی رخصت نہیں ہوئی تھی۔

میدان جنگ میں بھگدڑ کے وقت شہزادی ثمر گل اپنے والدین سے بچھڑ کر بے تحاشہ ایک طرف بھاگتی جا رہی تھی کہ اس کی مڈ بھیڑ اپنے منگیتر خلیل خاں سے ہو گئی خلیل خاں اس کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ وہ ایک دوسرے سے مل کے بہت خوش ہوئے خلیل اپنی منگیتر ثمر گل کو اپنے پیچھے گھوڑے پر سوار کر لیا اور چاہا کہ شہزادی کو لے کر اس ہنگامہ سے کسی طرف نکل جائے کہ عین موقعہ پر سواروں کے ایک دستہ نے اس کا راستہ روک لیا۔

راستہ روکنے والے دستہ کا سردار گھوڑا بڑھا کہ خلیل خاں کے پاس پہنچا اور تحکمانہ لہجے میں دریافت کیا۔

"تم کون ہو اور تمہاری پشت پر یہ کون لڑکی بیٹھی ہے؟"

خلیل خاں نے جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہمارا تعلق سلطان محمود لودھی کے شاہی خاندان سے ہے اگر تمہارا تعلق مغل لشکر سے ہے تو ہمیں گرفتار کر کے اپنے بادشاہ کے سامنے پیش کرسکتے ہو۔ ہم گرفتاری دینے کے لیے تیار ہیں"۔

مخالف سردار پر زور لہجے میں بولا۔

"تم شاہی خاندان سے کس طرح ہو سکتے ہو کیونکہ لودھیوں کی شاہی تو پانی پت کے میدان میں شکست کھا کر ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکی ہے"۔

خلیل خاں بالکل نہ سمجھ سکا کہ اسے روکنے والا سردار کس لشکر سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے نہایت نرم لہجے میں کہا۔

"بہرحال اس بات کا فیصلہ تو تمہارے بادشاہ کریں گے کہ ہم شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں کہ نہیں۔ ہم تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہیں"۔

"زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں" مخالف سردار نے ڈانٹ کر کہا "یہ بتاؤ کہ تمہارے پیچھے کون بیٹھا ہے اور تمہارا اس سے کیا رشتہ ہے؟"

"یہ ثمر گل ہے میری منگیتر ہم دونوں ایک ہی قبیلہ کے ہیں۔" خلیل خاں نے جو بات تھی وہ سچ سچ بتا دی۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم اسے بھگا کر لئے جا رہے ہو؟" سردار نے کہا۔ "بہتر ہے کہ تم اسے ہمارے حوالے کر دو اور جس طرف چاہو چلے جاؤ"۔

یہ سنتے ہی خلیل خاں کا ہاتھ اپنی تلوار کی طرف بڑھا مگر اس کے ساتھ ہی مخالف سردار کی تلوار کی نوک خلیل خاں کے سینے پر پہنچ گئی۔

اس وقت خلیل خاں کی پشت پر بیٹھی لڑکی ایک جست کے ساتھ زمیں پر آ گئی اور اپنے منگیتر کو مخاطب کیا۔

"خلیل مجھے بچانے کی کوشش میں اپنی جان مت دو۔ تم چلے جاؤ اگر تقدیر میں ہے تو ہم پھر ملیں گے"۔

"تم اپنے منگیتر سے زیادہ عقلمند ہو لڑکی"۔ سردار نے ہلکا سا قہقہ لگایا۔ "تمہارا نام

کیا بتایا گیا تھا؟"

"ثمر گل ـــــ ثمر گل نے جواب دیا۔ "بتاؤ کہ اب مجھے کیا کرنا ہے؟"

اس وقت تک خلیل خاں کی تلوار اور خنجر اس سے چھین لیا گیا تھا۔ اسے گھوڑے سے بھی اتار دیا گیا تھا۔

سردار نے ثمر گل سے کہا۔

"ثمر گل اگر تم گھوڑا دوڑا سکتی ہو تو اپنے منگیتر کے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ"۔

ثمر گل بغیر کچھ کہے خلیل خاں کے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ سردار کے سواروں نے ثمر گل کو اپنے حلقہ میں لے لیا۔

چلتے وقت مخالف سردار نے خلیل خاں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ثمر گل سے کہا۔

"ثمر گل اپنے منگیتر کو سمجھا دو کہ دنیا چڑھتے سورج کی پرستش کرتی ہے۔ لودھی قبیلہ کا سورج غروب ہو گیا ہے اور اب سوری قبیلہ کے شاہ شیر خاں کا سورج چڑھ رہا ہے۔ میں طرم خاں سوری ہوں اس لیے اب تم خلیل خاں لودھی کے بجائے طرم خاں سوری کے پہلو کی زینت بنو گی"۔

طرم خاں سوری کے سوار ثمر گل کو اپنے محاصرے میں لئے ہوئے آگے بڑھ گئے اور خلیل اس ویرانے میں تنہا کھڑا رہ گیا۔ سواروں کے جانے کے بعد خلیل خاں نے پہلے اپنی حالت پر غور کیا پھر ثمر گل کی طرف دھیان دیا۔ اس نے یہ سوچ کر دل کو تسلی دے لی کہ ثمر گل نے اچھا ہی کیا کہ خاموشی سے ان کے ساتھ چلی گئی۔ اگر وہ تلوار کھینچ بھی لیتا تو اتنے بہت سے سواروں کا کس طرح مقابلہ کر سکتا تھا۔

جہاں تک طرم خاں سوری کا کردار تھا' اس کے بارے میں وہ ایک بڑی الجھن میں گرفتار ہو گیا تھا۔ اس نے سوریوں اور ان کے شاہ شیر خاں کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا جس سے اس نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ شیر خاں اور اس کا قبیلہ شجاعت میں اپنا جواب نہیں رکھتا شیر خاں خود بہت دیندار اور عادل بادشاہ ہے۔ وہ عدل کے معاملہ میں کسی کی رعایت نہیں کرتا پھر یہ طرم خاں سور اس کا سردار کیسے ہوا جو صاف الفاظ میں کہہ رہا تھا کہ اب ثمر گل' خلیل خاں کے بجائے طرم خاں سور کی آغوش کی زینت بنے گی۔

خلیل خاں کو معلوم تھا کہ شیر خاں اپنے لشکر کے ساتھ میدان جنگ سے تھوڑی دور

پر ٹھہرا ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے شیر خاں کی لشکر گاہ کا رخ کیا۔ خلیل خاں وہاں پہنچا تو شیر خاں کی لشکر گاہ خالی ہو چکی تھی اور وہاں صرف تین چار آدمی صرف اس لیے موجود تھے کہ اگر کوئی بھولا بھٹکا سوری سوار یا پیدل وہاں پہنچے تو اسے اس راستہ پر ڈال دیا جائے جس راستہ سے شیر خاں واپس جا رہا تھا۔

خلیل خاں نے ایک آدمی سے دریافت کیا۔

"تمہارے شیر شاہ خاں کہاں ہیں۔ مجھے ان سے ایک ضروری کام ہے؟"

آدمی نے جواب دیا۔

"شیر خاں اپنے لشکر کو لے کر واپس جا چکے ہیں۔ اگر آپ کو ان سے ضروری کام ہے تو آپ ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کے دائیں ہاتھ والی سڑک پر چلے جائیے۔ آپ جتنا تیز گھوڑا بھگائیں گے اتنی جلدی ان کے پاس پہنچ جائیں گے"۔

خلیل خاں نے مایوسی سے کہا۔

"مگر میرے پاس تو تیز رفتار گھوڑا تو ایک طرف رہا' کوئی خچر بھی نہیں ہے۔ میں کیا کروں؟"

اس آدمی نے جواب دیا۔ "آپ بالکل فکر نہ کریں۔ جنگ کی وجہ سے سینکڑوں گھوڑے بغیر سواروں کے بھاگتے پھر رہے ہیں ہم نے ان میں سے چند اچھے گھوڑے پکڑے ہیں۔ ہم آپ کو آپ کی پسند کا گھوڑا دے دیں گے"۔

وہ آدمی خلیل خاں کو ایک طرف لے گیا۔ وہاں آٹھ دس گھوڑے بند ہوئے تھے۔ ان پر کاٹھیاں چڑھی ہوئی تھیں۔ خلیل خاں نے ایک گھوڑا پسند کیا اور اپنے محسن سے ایک تلوار لے کر اس گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑے کو بے تحاشا بھگانا شروع کیا۔ شیر خاں کا لشکر بڑے اطمینان سے آہستہ آہستہ واپس جا رہا تھا خلیل چار گھنٹے کے بعد اس لشکر تک پہنچ گیا۔

خلیل خاں کی درخواست پر اسے فوراً شیر خاں کے سامنے پیش کر دیا گیا شیر خاں نے اسے دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ آنے والا مصیبت زدہ یا مظلوم ہے۔

اس نے نرمی سے پوچھا۔ "اے جوان تجھ پر کیا افتاد پڑی کہ تو اس قدر پریشان ہے؟"

خلیل خاں نے بے دھڑک کہہ دیا۔ "اے سور قبیلہ کے عادل بادشاہ مجھ پر آپ کے ایک سردار نے یہ کہہ کر ظلم کیا ہے کہ وہ سور خاندان کا سردار ہے جن کی سلطنت کا سورج طلوع ہو رہا ہے"۔

"میرے سردار نے تم پر ظلم کیا ہے؟" شیر خاں کا دماغ گھوم گیا۔ "وہ کون بدبخت ہے جس نے سوری قبیلہ کا نام لے کر ہمارے عدل کو بدنام کیا ہے؟"

"اے شاہ عادل۔ اس نے اپنا نام طرم خاں سوری بتایا تھا"۔ خلیل خاں نے کہا۔

شیر خاں سوچنے لگا۔ طرم خاں اس کا کوئی اہم سردار نہ تھا۔ اس نے تصدیق کے لیے اپنے بیٹے جلال خاں سے پوچھا۔

"جلال خاں۔ تم جانتے ہو اس کو؟"

"جی ہاں بابا جان"۔ جلال خاں نے تصدیق کی۔ "دو ماہ پہلے پچاس افغانوں کا ایک دستہ ہمارے پاس آیا تھا۔ اس کا سردار طرم خاں ہے آپ نے اسے اس لیے لشکر میں شامل کرنے کا حکم دیا تھا کہ اس نے خود کو "سور" قبیلہ سے بتایا تھا"۔

"اچھا ہم یہ باتیں تو بعد میں دیکھیں گے"۔ پھر شیر خاں نے پلٹ کر خلیل خاں سے پوچھا۔ اے جوان تو کون ہے اور طرم خاں نے تجھ پر کیا ظلم توڑا ہے؟"

خلیل خاں نے درد بھرے لہجے میں کہا۔ "شاہ عادل۔ میرا نام خلیل خاں ہے اور میں سلطان محمود لودھی کے امیر مسند عالی اعظم ہمایوں ثانی کا بیٹا ہوں۔ سلطان کی شکست کے بعد شاہی خواتین میدان جنگ میں بدحواسی کی صورت میں ادھر ادھر بھاگ رہی تھیں۔ ان میں میری منگیتر ثمر گل تھی۔ ثمر گل مجھے تلاش کر رہی تھی اور میں اسے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ثمر گل مجھے مل گئی۔ میں اسے اپنے گھوڑے پر بٹھا کر کسی طرف نکل جانا چاہتا تھا کہ ظالم طرم خاں اپنے پچاس سواروں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا اور میری منگیتر کو مجھ سے زبردستی چھین کے اپنے ساتھ لے گیا"۔

"غضب خدا کا"۔ شیر خاں نے اپنا سر پکڑ لیا۔ "اس کی یہ جرات"۔

چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے جلال خاں کو حکم دیا۔

"جلال خاں۔ تم ایک سوار دستے کے ساتھ اس بدبخت کی تلاش کرو۔ ہم اس وقت تک آگے نہیں بڑھیں گے جب تک خلیل خاں کو انصاف نہیں مل جاتا"۔

شیر خاں نے وہیں ڈیرے ڈال دیئے اور جلال خاں پچیس تیس سواروں کے ساتھ طرم خاں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ جلال خاں دو چار میل ہی گیا تھا کہ دوسری سمت سے سوار آتے دکھائی دیئے۔ خلیل خاں نے آگے آنے والے سوار کو فوراً" پہچان لیا اور چلایا۔

"یہی ہے طرم خاں"۔

اسی وقت سواروں کے درمیان سے تیزی سے ایک گھوڑا نکل کر خلیل خاں کے پاس آ کے کھڑا ہو گیا۔ اس گھوڑے پر خلیل خاں کی منگیتر ثمر گل سوار تھی۔

خلیل خاں نے جلال خاں کو بتایا۔

"یہی ہے میری منگیتر ثمر گل"۔

جلال خاں نے طرم خاں سے ڈپٹ کے پوچھا۔

"تم اس جوان کی منگیتر کو زبردستی اپنے ساتھ کیوں لے گئے تھے؟"

"جلال خاں۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے اس میں دخل دینے کا تمہیں کوئی حق نہیں؟"

طرم خاں نے اسے بڑے سخت لہجے میں جواب دیا۔

"جلال خاں نے تلوار کھینچتے ہوئے کہا۔

"طرم خاں۔ تم میری حراست میں ہو۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تلوار پھینک دو؟"

تلوار پھینکنے کے بجائے طرم خاں نے بھی تلوار کھینچ لی۔ پھر دونوں طرف سے تلواریں نکل آئیں اور ایک چھوٹا سا میدان کار زار جم گیا خلیل خاں چند لمحے تو تلواروں کا ایک دوسرے سے ٹکرانا دیکھتا رہا پھر خود بھی تلوار کھینچ کر جلال خاں کی طرف سے لڑنے لگا۔

جلال خاں بلا کا شمشیر زن تھا۔ اس کے سواروں کی تعداد طرم خاں کے سواروں سے نصف کے قریب تھی مگر اس نے طرم خاں پر ایسے تابڑ توڑ حملے کئے کہ وہ گھبرا کر بھاگا مگر جلال خاں نے اسے جانے نہ دیا اور تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ اس کی تلوار طرم خاں کا شانہ کاٹتی اس کے دل تک اتر گئی۔

طرم خاں زین سے لٹک گیا اس کے ساتھی اس کا یہ حال دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ طرم خاں کو بڑی مشکل سے زین سے الگ کیا گیا۔ وہ مر چکا تھا بعد میں تحقیق کرنے

پر معلوم ہوا کہ اس کا سور قبیلہ سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ وہ اپنا دبدبہ جمانے کے لیے طرم خاں سور بن گیا تھا۔



"نگاہ روبرو۔ با ادب با ملاحظہ ہوشیار شہنشاہ ابن شہنشاہ سلطان الہند نصیر الدین محمد ہمایوں تشریف لاتے ہیں۔"

شاہی نقیب کی آواز خیموں کے درمیان گونجتی رہی اور مغل بادشاہ ہمایوں اپنی عشرت گاہ سے نکل کر دربار شاہی کی طرف بڑھتا رہا۔ یہ دربار نہ دہلی کا دربار تھا اور نہ آگرہ کا بلکہ یہ عین میدان جنگ میں وسیع و عریض خیموں کی مدد سے تیار کیا گیا تھا مگر اس میں تمام لوازمات دہلی اور آگرہ کے درباروں جیسے استعمال ہو رہے تھے اور تمام شاہی مراسم کو برتا گیا تھا۔

مغل بادشاہ ہمایوں اور سکندر لودھی کے بیٹے سلطان محمود دونوں کے درمیان یہ جنگ لکھنؤ اور بجنور کے درمیان کسی مقام پر ہوئی تھی۔ محمود لودھی شکست کھا کر روپوش ہو گیا تھا اور اس کے بیشتر لودھی امرا تہ تیغ کر دیئے گئے تھے۔ شیر خاں اس جنگ میں محمود لودھی کی طرف سے بظاہر شامل تھا مگر ایک روایت کے مطابق وہ میدان جنگ میں غیر جانبدار ہو گیا تھا اور اس نے اس کی اطلاع ہمایوں کو بھجوا دی تھی۔

اس سلسلہ میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب ہمایوں تک شیر خاں کی غیر جانبداری کا پیغام پہنچا تو اس کے جواب میں شیر خاں کو مندرجہ ذیل جواب بھجوا دیا تھا۔

"ہمیں آپ کی تجویز پسند ہے اگر آپ اس موقعہ پر افغانوں سے الگ رہ کر ہماری مدد کریں گے تو یہ امر آپ کے لئے سرفرازی کا موجب ہو گا۔"

اور شیر خاں جنگ شروع ہوتے ہی اپنا لشکر لے کر بہار کی طرف واپس چلا گیا تھا۔ اگر یہ روایت درست ہے تو بھی شیر خاں کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے محمود لودھی سے غداری کی۔ اس لئے کہ محمود لودھی کے امراء نے شیر خاں کے علاقہ میں پہنچتے ہی اس کے مقبوضہ علاقوں کو لودھی امراء نے آپس میں تقسیم کر لیا تھا اور صرف سہسرام کا

علاقہ شیر خاں کے پاس رہنے دیا تھا۔

اس کے علاوہ شیر خاں کی دور بین نظروں نے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ محمود لودھی کو ہمایوں کے مقابلہ میں یقیناً" شکست ہو گی کیونکہ محمود لودھی کے امرا اور سرداروں میں جنگی حکمت عملیوں کا فقدان تھا۔ چنانچہ اگر شیر خاں نے اپنے لشکر کو بچانے اور مستقبل میں کسی موقعہ پر اسے مغلوں کے خلاف استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تو یہ اس کی دور اندیشی تھی جیسا کہ بعد کے حالات نے ثابت کر دیا۔

پھر شیر خاں کی ہمایوں سے اس وفاداری یا افغانوں سے غداری کا جو صلہ ہمایوں نے شیر خاں کو دیا وہ بظاہر احسان فراموشی کہا جا سکتا ہے مگر جو یہ کہا گیا ہے کہ محبت اور جنگ میں ہر بات جائز ہے اس کے تحت ہمایوں کا شیر خاں کے ساتھ سلوک بھی درست ہی کہا جا سکتا ہے۔

"با ادب با ملاحظہ کی گونج دار آوازوں کے ساتھ جب ہمایوں اپنے خیمہ دربار میں پہنچا تو تمام امراء' وزرا اور بڑے بڑے سردار جو وہاں موجود تھے نے اسے رکوع تک جھک کر تعظیم پیش کی۔ ہمایوں نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کا حکم دیا اور خود اپنی زرنگار مسند پر بیٹھ گیا۔ "ہمایوں نے درباریوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی پھر ایک جگہ نظر ٹھہرا کر کہا۔

"ہندو بیگ۔" "ہندو بیگ جو تمام درباریوں کی طرح نظریں جھکائے بیٹھا تھا اپنا نام سن کر بڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔

"جی عالی جاہ---کیا حکم ہے غلام کے لئے؟"

مغل بادشاہ نے پررعب آواز میں حکم صادر کیا۔ "ہندو بیگ تم شیر خاں سے رابطہ قائم کرو اور اس سے کہو کہ وہ چنار گڑھ کا قلعہ مغل سلطنت میں شامل کر دے۔ یہ خیال رہے کہ جہاں تک ہو سکے شیر خاں کے ساتھ جنگ سے گریز کیا جائے۔"

ہندو بیگ نے حیران نظروں سے مغل بادشاہ کو دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ ہمایوں نے شیر خاں سے چنار گڑھ کے قلعہ کے حصول کا کیوں حکم دیا ہے۔ ہندو بیگ کی حیرانی کی زیادہ وجہ یہ تھی کہ مغلوں اور لودھیوں کی جنگ کے دوران شیر خاں اور ہمایوں میں پیغامات کا جو تبادلہ ہوا تھا اس میں پیامبر کے فرائض خود ہندو بیگ نے ادا کئے تھے۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ مغل بادشاہ نے شیر خاں کو جو آخری جواب دیا تھا اس میں صاف

الفاظ میں کہا گیا تھا کہ اگر شیر خاں نے اسے جنگ میں افغانوں سے الگ رہ کر ہمایوں کی مدد کی تو وہ یہ امر شیر خاں کے لئے سرفرازی کا موجب ہو گا۔

ہندو بیگ انہی خیالات میں الجھا ہوا تھا کہ ہمایوں شیر کی طرح گرجا۔

"ہندو بیگ ہوش میں آؤ کیا تم نے ہمارا حکم نہیں سنا؟"

"جی شہنشاہ معظم جی عالی جاہ۔ " ہندو بیگ کو پسینہ آ گیا۔

"پھر تم نے سکوت کیوں اختیار کیا؟" ہمایوں کا جلال کچھ اور بڑھ گیا۔

"عالی جاہ--- میں--- غلام---" آواز ہندو بیگ کے حلق میں اٹک گئی۔ اور اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ ہمایوں کو شاید اس کے حال پر رحم آ گیا اور وہ اس جلال کے عالم میں بھی مسکرا دیا۔

"ہندو بیگ--- شاید تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ شیر خاں نے ہم سے وفاداری کا اعلان کیا تھا؟"

"جی عالی جاہ---" ہندو بیگ نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

"اور تم یہ بھی کہنا چاہتے ہو کہ شیر خاں کی وفاداری کا پیغام ہم تک تمہاری ہی معرفت ہم تک پہنچا تھا---؟" ہمایوں نے اس کی مشکل کچھ اور آسان کر دی۔

"اور تم یہ بھی کہنا چاہو گے کہ ہم نے شیر خاں کو یقین دلایا تھا کہ اگر اس نے جنگ لکھنؤ کے موقعہ پر افغانوں سے الگ رہ کر ہماری مدد کی تو اس کا یہ امر اس کی سرفرازی کا موجب ہو گا۔"

ہمایوں نے تقریباً" وہی الفاظ ادا کئے جو اس نے شیر خاں کے پیغام کے جواب میں کہئے تھے۔

"ہندو بیگ اس کا متبسم چہرہ دیکھ کر کچھ مطمئن ضرور ہوا تھا مگر اس کے ان پیہم سوالات نے اسے ایک بار پھر پریشان کر کے رکھ دیا آخر وہ ڈرتے ڈرتے بولا۔

"عالی جاہ--- شہنشاہ معظم نے اب تک جو کچھ فرمایا وہ درست ہے اور آئندہ اس سلسلہ میں اور جو کچھ فرمائیں گے وہ بھی یقیناً" درست ہو گا لیکن غلام یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ اعلیٰ حضرت کے ان سوالات کا اشارہ کس طرف ہے؟"

"ہندو بیگ بادشاہ اشاروں میں گفتگو نہیں کیا کرتے---" ہمایوں نے اس شگفتگی سے

کہا۔

"ہم نے تمہارے سامنے اس لئے پیش کریں ہیں کہ تم پر یہ واضح ہو جائے کہ تمہارا تامل اور سکوت غلط ہے۔"

"عالی جاہ نے درست فرمایا۔" ہندو بیگ نے الجھتے ہوئے کہا۔ "غلام کا سکوت واقع غلط اور بے محل ہے پھر بھی اگر عالی جاہ غلام کو اذن گویائی عطا فرمائیں تو غلام کچھ عرض کرے؟" ہمایوں چڑچڑا ہو گیا۔ اس نے منہ بنا کے کہا۔

"ہندو بیگ تمہاری شجاعت اور دلاوری میں کوئی شبہ نہیں لیکن تمہاری عقل پر ضرور افسوس ہے پھر بھی تم اپنے دل میں اٹھنے والے وسوسوں اور خدشات کو بیان کر سکتے ہو۔"

"غلام اذن گفتگو کے لئے شکر گذار ہے۔" ہندو بیگ نے اطمینان سے کہا۔ "عالی جاہ نے اپنی زبان مبارک سے خود فرمایا ہے کہ عالی جاہ نے شیر خاں کو یقین دلایا تھا کہ اس کی غیر جانب داری کے صلہ میں اسے سرفراز کیا جائے گا اور اب اسے قلعہ چنار گڑھ کے قبضہ سے دستبردار ہونے کا حکم دیا جا رہا ہے کیا اس سے ان افغانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات نہیں پیدا ہوں گے جو آہستہ آہستہ ہماری غلامی قبول کرتے جا رہے ہیں؟"

"ہندو بیگ۔۔۔" ہمایوں نے صاف الفاظ میں کہا "دو باتوں کا ہمیشہ خیال رکھو۔ ایک یہ کہ "رموز مملکت خویش خسرواں مانند" (سلطنت کے معاملات کے رازوں کو بادشاہ ہی اچھی طرح سمجھتے ہیں۔) دوسرے یہ کہ سانپ کو مارنا اور اس کے بچے کو زندہ رکھنا کوئی عقلمندی نہیں۔"

ہندو بیگ کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آ سکا اور وہ صرف سر ہلا کر رہ گیا۔

ہمایوں نے مزید کہا "ہندو بیگ تمہاری سمجھ میں اب بھی کچھ نہیں آیا ہم تم پر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم شیر خاں کے سلسلے میں وہ غلطی نہیں کرنا چاہتے جو ہمارے بزرگ بابا شہنشاہ ہند ظہیر الدین محمد بابر سے سرزد ہوئی تھی۔"

ہندو بیگ کی سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آئی اور وہ حسب سابق خاموش رہا۔ اس وقت ہمایوں نے درباریوں پر دوبارہ سرسری نظر ڈالی اور دریافت کیا۔

"کیا اس وقت اس دربار میں کوئی ایسا امیر موجود ہے جو ہمارے بابا شہنشاہ بابر کے لشکر میں چندیری کے محاذ پر موجود تھا۔"

ہمایوں دیر تک انتظار کرتا اور ایک ایک کا منہ دیکھتا رہا مگر سب کی گردنیں نیچی ہی رہیں اور درباریوں کی طرف سے اسے کوئی جواب نہیں ملا۔

"افسوس!" ہمایوں نے مایوسی کے عالم میں کہا۔ ٹھیک اسی وقت دربار کا ایک ضعیف ملازم، مغل بادشاہ کی طرف بڑھا۔ اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر ہمایوں کے چہرے پر مسرت کی لکیریں ابھر آئیں۔ ہمایوں نے اس سے بھی سوال کیا۔

"کیا تم بابا حضور کے ساتھ چندیری کے محاذ پر موجود تھے؟"

ملازم نے جھک کر تعظیم پیش کی اور بولا۔

"جی ہاں عالی جاہ۔۔۔ یہ غلام چندیری کے محاذ پر شہنشاہ حضور سلطان ہند ظہیر الدین بابر کے ہمراہ تھا اور محاذ پر جب خیمہ استادہ ہوتا تو غلام دربار میں بالکل اسی مقام پر کھڑا ہوتا تھا جہاں میں اس وقت کھڑا ہوا ہوں۔"

"بہت خوب۔۔۔" ہمایوں خوش ہو گیا۔ "پھر تم نے بابا حضور اور ان کے وزیر اعظم نظام الدین علی محمود خلیفہ کے درمیان وہ تلخ و ترش گفتگو ضرور سنی ہو گی جو شیر خاں سوری کے بارے میں ہوئی تھی۔"

"جی عالی جاہ۔ میں نے وہ گفتگو سنی بھی تھی اور یاد بھی کر لی تھی۔" ملازم نے فوراً جواب دیا۔ "شہنشاہ حضور بابر نے اپنے تمام غلاموں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ دربار میں شہنشاہ اور دوسرے لوگوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کو یاد کر لیا کریں کیونکہ شہنشاہ اکثر غلاموں سے ان باتوں کے بارے میں دریافت فرماتے تھے اور صحیح جواب دینے والوں کو انعام سے سرفراز فرماتے تھے۔"

"ہمیں اور زیادہ خوشی ہوئی۔۔۔" ہمایوں نے اور زیادہ مسرت سے کہا۔ "تمہارے سوا اس دربار میں اور کوئی شخص ایسا نہیں جو اس گفتگو کو دہرا سکے۔" ہم چاہتے ہیں کہ تم ذہن پر زور دے کر اور یاد کر کے اس گفتگو کو ہمارے اور ہمارے درباریوں کے سامنے دہراؤ۔۔۔"

ملازم نے چند لمحوں تک اپنی آنکھیں بند رکھیں پھر اس طرح بولنا شروع کیا جیسے وہ مکالمے ابھی کچھ دیر پہلے ہی اس نے سنے تھے۔ ملازم نے ہمایوں کو بتانا شروع کیا۔

"یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب شہنشاہ ہند بابر بادشاہ مہارانا سانگا کو شکست دے چکے

تھے اور ہندوستان میں افغان سلطنت کی جگہ مغل سلطنت کی بنیاد رکھی جا چکی تھی۔ اس زمانہ میں راجہ میدنی رائے نے مغلیہ سلطنت کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا اور شہنشاہ ہند کو بذات خود لشکر لے کر اس کی سرکوبی کے لئے چندیری جانا پڑا۔

محاذ پر اسی طرح خیمے لگتے تھے۔ ایک دن شہنشاہ اپنے امراء اور وزراء کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھے خاصہ تناول فرما رہے تھے کہ اچانک انہوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ کر ساتھ بیٹھے ہوئے اپنے وزیراعظم نظام الدین علی محمود خلیفہ کو جو خلیفہ کے نام سے عوام اور خواص میں مشہور تھے مخاطب کیا۔

"میر خواجہ اس افغان بچہ کو دیکھتے ہو وہ جو پرے بیٹھا ہے۔ اس نے عجیب کام کیا ہے؟"

میر خواجہ نے نظریں اٹھا کر ادھر دیکھا پھر شہنشاہ سے پوچھا۔

"جہاں پناہ اس نے کیا عجیب کام کیا ہے؟"

ششناہ نے وضاحت فرمائی۔

"اس کے سامنے آش ماہچہ تھا۔ شاید اس نے یہ پہلے کبھی نہیں کھایا تھا۔ اس لئے اس نے بے جھجک کمر سے خنجر کھینچا اسے کھولا پھر اس سے آش ماہچہ کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور اب قاشق سے بلا تکلف کھا رہا ہے۔ اس کا چہرہ تو دیکھو اس پر فرمانروائی کے آثار نظر آتے ہیں۔ ہم نے بڑے بڑے افغان سرداروں میں یہ سطوت و جلال نہیں دیکھا جو اس کے چہرے سے ٹپکتا ہے۔ اسے دیکھ کے ہمارے دل میں خطرہ پیدا ہوا ہے اسے فوراً گرفتار کر لینا چاہئے۔"

وزیراعظم خلیفہ میر کبھی ششناہ کو دیکھتا اور کبھی اس جوان کو جس کی طرف شہنشاہ نے اشارہ کیا تھا۔ شہنشاہ خاموش ہوا تو اس نے کہا۔

"عالی جاہ یہ بے ضرر آدمی ہے۔"

"آخر یہ کون شخص ہے؟" شہنشاہ نے زور دے کے پوچھا۔ خلیفہ میر نے جواب میں بیان کیا۔

"عالم پناہ اس کا نام شیر خاں ہے۔ معمولی سردار ہے اور میرے بھائی جنید برلاس صوبہ دار کڑامانک پور کے پاس ملازم ہے۔ اس سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے جہاں پناہ؟"

شہنشاہ نے فرمایا "نہیں میر خلیفہ یہ کوئی معمولی افغان نہیں۔ اسے دیکھ کر ہمارے دل میں جو خطرہ پیدا ہو رہا ہے وہ آج تک کسی بڑے سے بڑے افغان سردار کو دیکھ کر بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ اسے فوراً گرفتار کر لینا چاہئے ہم اپنے شبہ کو یقین میں تبدیل ہوتا نہیں دیکھنا چاہتے۔" میر خلیفہ نے اور زیادہ ادب سے عرض کیا۔ "شہنشاہ کا حکم سر آنکھوں پر مگر شیر خاں کی گرفتاری سے افغان جو نہایت وفاداری سے مغل لشکر میں خدمات انجام دے رہے ہیں ان کے دلوں میں وہم پیدا ہو جائے گا کہ شہنشاہ نے ایک معمولی افغان کو محض شبہ کی بنا پر گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ اس کے علاوہ ہم نے بڑی کوششوں سے مغل اور افغان اتحاد کی جو فضا قائم کی ہے اس میں رخنے پڑ جائیں گے اور ہماری تمام کوششیں درہم برہم ہو جائیں گی۔ غلام نے عالی جاہ کے حکم سے سرتابی کی کوشش نہیں کی بلکہ اعلیٰ حضرت کی آگاہی کے لئے یہ سب کچھ عرض کیا ہے۔ آگے عالی جاہ کی مرضی جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل ہو گی۔"

شہنشاہ نے وزیراعظم میر خلیفہ کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی اختیار کی تھی مگر جب اعلیٰ حضرت دستر خوان سے اٹھے تو اس وقت حکم دیا۔

"شیر خاں یہاں نظر نہیں آتا میر خلیفہ۔ اسے طلب کر کے ہمارے حضور پیش کیا جائے؟"

مگر شیر خاں کی قیام گاہ سے معلوم ہوا کہ وہ قیام گاہ کو چھوڑ کے معہ اپنے ساتھیوں کے کسی طرف جا چکا ہے۔

اس وقت شہنشاہ نے بڑے افسوس سے فرمایا تھا۔

"میر خلیفہ آپ نے آج ایک خطرناک دشمن کو نکل جانے کا موقعہ دیا اگر اس کی سفارش نہ کرتے تو ہم اسے قید کر کے اپنے دل کو مطمئن کرتے۔ خدا معلوم اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔"

بوڑھے ملازم نے یہ گفتگو جو بالک اصل کے مطابق تھی بیان کرنے کے بعد شہنشاہ کو تعظیم پیش کی اور اپنی جگہ واپس چلا گیا۔

اب مغل بادشاہ ہمایوں نے ہندو بیگ سے کہا "تم نے سن لیا ہندو بیگ۔ اگر بابا حضور اپنے وزیر کی دلیلوں سے مجبور ہو کے شیر خاں کو اس وقت معاف نہ کرتے تو اس وقت شیر

خاں ہم سے ہمسری کا دعویٰ کرتے ہوئے ہمارے پاس اپنی وفاداری کا پیغام نہ بھجوا سکتا تھا۔ ہم تمہیں پورے اختیارات کے ساتھ شیر خاں کی طرف روانہ کر رہے ہیں مگر پھر یہ تاکید کرتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو جنگ سے گریز کیا جائے۔"

ہندو بیگ جو اب تک شیر خاں کو سلطنت مغلیہ کا ایک وفادار اور پر اعتماد سردار سمجھتا تھا اسے بھی اس کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس نے ہمایوں کو رخصتی سلام پیش کیا اور چلنے کا ارادہ کیا۔ اس وقت ہمایوں نے اسے ایک نوید دی۔

"ہندو بیگ چنار گڑھ کا قلعہ فتح ہونے پر ہم تمہیں اس کا قلعدار مقرر کرتے ہیں۔ مگر پھر تاکید کرتے ہیں کہ حکمت عملی سے کام لینا اور جنگ کی صورت نہ پیدا ہونے دینا۔"

ہندو بیگ اس اعلان سے خوشی سے پھول گیا۔ ہندو بیگ کو اس خوشی کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ شیر خاں ایک نہایت دور اندیش افغان سردار ہے اور سیاسی اور جنگی حکمت عملیوں سے پوری طرح واقف ہے اس لئے اس نے شیر خاں سے منہ در منہ گفتگو کرنے کے بجائے شیر خاں کو قاصد کے ذریعہ ایک تحریری پیغام بھیجا:

"مغل شہنشاہ ہند نصیر الدین ہمایوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ شیر خاں سے کہا جائے کہ وہ چنار گڑھ کا قلعہ خالی کر کے اس کا قبضہ مجھے دے دے۔ امید ہے کہ شیر خاں شاہی حکم کی فوری تعمیل کریں گے۔"

شیر خاں ان دنوں بہار میں تھا۔ ہندو بیگ کا پیغام پا کر اسے ذرا بھی تعجب نہ ہوا۔ اس لئے کہ ہمایوں نے وہی کچھ کیا جو اسے کرنا چاہئے تھا۔ اور جس کی شیر خاں کو خود بھی امید تھی۔ لکھنؤ کے میدان جنگ سے واپس آتے ہی اس نے جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ اسے یقین تھا کہ ہمایوں کسی نہ کسی بہانے اسے تلوار اٹھانے پر مجبور کرے گا۔

شیر خاں نے بھی مغل بادشاہ والی حکمت عملی اختیار کی۔ ہمایوں نے ہندو بیگ کو حکم دیا تھا کہ وہ جہاں تک ہو سکے جنگ سے گریز کرے چنانچہ شیر خاں نے بھی وہی حکمت عملی اختیار کی اور جنگ کو زیادہ سے زیادہ عرصہ تک ٹالنے کی کوشش کی۔ اس نے ہندو بیگ کو لارے لپوں میں رکھا اور اس سے خط و کتابت کا ایک طویل سلسلہ جاری رکھا۔

لطف کی بات یہ تھی کہ دونوں فریق جنگ کو ٹالنا چاہتے تھے۔ ہندو بیگ کی حکمت عملی تھی کہ قلعہ چنار گڑھ پر بغیر جنگ کے اس کا قبضہ ہو جائے اور شیر خاں کی یہ حکمت عملی

تھی کہ جنگ کو زیادہ سے زیادہ دنوں تک ٹالا جائے تاکہ اس دوران وہ خود کو جنگ کے لئے پوری طرح تیار کر سکے۔

جب ہندو بیگ کی طرف سے قلعہ خالی کرنے پر زیادہ زور دیا گیا تو شیر خاں نے ہندو بیگ کو لکھ بھیجا:

"سردار ہندو بیگ آپ میری طرف سے شہنشاہ کے حضور عرض کیجئے کہ وہ قلعہ چنار گڑھ مجھے عطا کر دیں۔ آخر وہ خود تو یہاں قیام نہیں فرمائیں گے اور کسی نہ کسی امیر کے سپرد کر دیں گے پھر کیوں نہ یہ قلعہ میرے ہی سپرد کر دیا جائے۔ میں شہنشاہ کا خادم ہوں میں قلعہ کا محصول باقاعدہ خزانہ عامرہ میں داخل کرتا رہوں گا۔"

ہندو بیگ اس کے اس جواب سے جل اٹھا۔ جس قلعہ پر وہ قلعداری کے خواب دیکھ رہا تھا شیر خاں اسے خود اپنے لئے مانگ رہا تھا۔ اس نے نرمی کا راستہ چھوڑ کر اسے ایک سخت پیغام بھیجا۔

"شیر خاں تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ملک شہنشاہ ہمایوں کا ہے وہ جسے چاہیں یہ قلعہ دیں تم زبردستی اس قلعہ پر کیسے اپنا قبضہ برقرار رکھ سکتے ہو۔"

شیر خاں نے بھی سخت رویہ اختیار کیا۔ اس نے واضح الفاظ میں ہندو بیگ کو پیغام بھیجا:

"ہندو بیگ میں نے آپ کے ذریعہ شہنشاہ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ یہ قلعہ میرے پاس رہنے دیا جائے میں اس کا محصول خزانے میں جمع کراتا رہوں گا۔ قلعہ پر میرا اس لئے بھی دوسروں سے زیادہ حق ہے کہ میں شہنشاہ اور سلطنت مغلیہ کا ہمیشہ وفادار رہا ہوں مگر آپ نے میری عرض داشت کو شہنشاہ تک پہنچانے کے بجائے اپنے طور پر خود ہی ٹھکرا دیا ہے میں اب صاف طور پر یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اگر مجھے شہنشاہ نے زیادہ تنگ کیا تو میں بہار چھوڑ کر بنگال چلا جاؤں گا اگر مجھے وہاں بھی پریشان کیا گیا تو میرے لئے آسام کا راستہ کھلا ہے مگر ہندو بیگ آپ یہ بات اپنے ذہن میں ضرور رکھیں کہ مغل بادشاہ سہل

پسند اور عشرت پرست ہے وہ بہار اور بنگال کی مرطوب آب و ہوا میں زیادہ دن نہیں گزار سکے گا اور واپس آگرہ چلا جائے گا اس کی واپسی کے بعد یہاں وہ فتنہ و فساد برپا ہو گا کہ کسی کو کسی کی خبر نہ رہے گی اس وقت آپ کو میری یہ پیش کش یاد آئے گی اور آپ اپنے کئے پر نادم ہوں گے۔"

اگر ہندو بیگ نے اپنے خط میں سخت رویہ اختیار کیا تھا تو شیر خاں کا پیغام اس سے سخت اور دوٹوک تھا۔ پیغام سن کر ہندو بیگ کے دماغ سے چنار گڑھ کی قلعداری کا نشہ اتر گیا۔ اس نے شیر خاں کے وکیل کو نرمی سے جواب دیا۔

"تم واپس جا سکتے ہو شیر خاں کے پیغام کا جواب ہم شہنشاہ سے رابطہ کے بعد بھجوا دیں گے۔" شیر خاں کو جیسے ہی اپنے وکیل کے ذریعہ پیغام ملا ان نے اسی وقت قلعہ کے تمام دروازے بند کرنے اور فصیل اور برجیوں پر لشکری مقرر کرنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے قلعہ کی حفاظت اپنے سب سے بڑے بیٹے جلال خاں کے سپرد کی۔

"جلال خاں میں ہزاری باغ پہنچ کر تازہ لشکر تیار کر کے واپس آؤں گا تم اپنے خون کے آخری قطرہ تک قلعہ کی حفاظت کرنا۔"

شیر خاں بیٹے کو مدافعت کا حکم دے کر ہزاری باغ چلا گیا اور شیر خاں کے صحیح اندازے کے مطابق ہمایوں نے اپنے فاتح لشکر کے ساتھ چنار گڑھ پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا اس کے لشکر کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے اور اس کا خیال تھا کہ قلعہ شاہی لشکر کو روکنے میں ناکام ہو کر جلد ہتھیار ڈال دے گا مگر ہمایوں کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔

جلال خاں اور ہمایوں کے لشکروں میں روزانہ جھڑپیں ہوتیں۔ ہمایوں کا لشکر پیش قدمی کر کے قلعہ تک پہنچ جاتا مگر جلال خاں اور اس کا بہادر لشکر ہمایوں کے لشکریوں کا تیروں کی بارش کر کے منہ پھیر دیتے۔ اس طرح ہمایوں کا ہر حملہ بیکار ہو جاتا اور وہ دانت پیس کے رہ جاتا۔

محاصرہ طویل سے طویل تر ہوتا چلا جا رہا تھا اور ہمایوں کا لشکر اور خود وہ بھی اس محاصرہ سے تنگ آ گئے تھے مگر ہمایوں محاصرہ اٹھا کر خود کو لشکریوں کی نظروں میں گرانا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی بے بسی دیکھنے کے قابل تھی آخر شیر خاں نے خود ہی ہمایوں کو بے بسی کے اس

عالم سے نکلنے کا موقعہ فراہم کیا۔ شیر خاں خود کو ملکی اور اس کی ملک سے تعلق رکھنے والے تمام دوسرے ممالک کے حالات سے پوری طرح باخبر رکھتا تھا۔ اس کا قول تھا کہ اگر کوئی اپنے گھر اور گھر کے چاروں طرف کے دوسرے گھروں کے حالات سے بخوبی واقف نہ ہو گا تو وہ اپنے گھر کی حفاظت کس طرح کرے گا چنانچہ اس کے جاسوس دوست اور دشمن ہر ملک میں پھیلے ہوئے تھے اور اسے باقاعدگی سے ملکی اور غیر ملکی خبروں سے آگاہ رکھتے تھے۔

ہندوستان میں مغل سلطنت ابھی پوری طرح قدم نہ جما پائی تھی کہ بابر کا انتقال ہو گیا۔ بابر کی طرح ہمایوں بیدار مغز اور جفاکش نہ تھا۔ اس کا وطیرہ تھا کہ وہ ہر فتح کے بعد کئی کئی ماہ آرام کرتا تھا چنانچہ اس کی اس کاہلی سے ہر چھوٹا بڑا راجہ اور بادشاہ فائدہ اٹھانے کی کوشش میں لگ جاتا تھا۔ اب ہمایوں آگرہ سے لکھنؤ پہنچا تھا کہ سلطان محمود لودھی کو شکست دے کر ابھرتے ہوئے لودھیوں کا خاتمہ کر دے مگر محمود لودھی کو شکست دینے کے بعد وہ عیش و عشرت میں پڑ گیا اور ہندو بیگ کو چنار گڑھ پر قبضہ کے لئے بھیج دیا۔

چنار گڑھ کو ہندو بیگ کیا فتح کرتا خود ہمایوں قلعہ چنار گڑھ پر قبضہ سے عاجز ہو رہا تھا۔ ادھر جب اس کے مخالفین کو معلوم ہوا کہ ہمایوں آگرہ سے ہزاروں میں دور چنار گڑھ کے قلعہ کا محاصرہ کئے پڑا ہے تو انہوں نے بھی سر اٹھانا شروع کر دیا۔ خاص کر گجرات کے سلطان بہادر شاہ نے اس کی عدم موجودگی سے پورا فائدہ اٹھایا اور قلعہ مانڈو کو فتح کر لیا۔ پھر اس نے دہلی کی طرف کوچ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

سلطان بہادر شاہ کی بغاوت کی اطلاع ہمایوں کو بھی ملی اور شیر خاں کو بھی۔ ہمایوں کے لئے قلعہ چنار گڑھ سانپ کے منہ میں چھچھوندر کی طرح اٹک کے رہ گیا تھا۔ اس کا شاہی وقار اس بات کی اجازت نہ دیتا تھا کہ وہ قلعہ پر قبضہ کرنے سے پہلے وہاں سے واپس جائے۔ دوسری طرف جلال خاں اس قدر سخت مدافعت کر رہا تھا کہ ہمایوں کے دانت کھٹے ہو گئے تھے۔

شیر خاں اگرچہ ہزاری باغ میں ٹھہرا ہوا نیا لشکر ترتیب دے رہا تھا مگر اس کی تمام تر توجہ چنار گڑھ کی طرف تھی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ ہمایوں محاصرہ اٹھانے پر آمادہ ہے مگر شاہانہ وقار اس کی راہ روک رہا ہے تو شیر خاں نے ایک ایسی عجیب حکمت عملی کا مظاہرہ کیا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

شیر خاں نے محمود لودھی اور ہمایوں کی جنگ کے دوران غیر جانبداری برتی تھی لیکن ہمایوں نے احسان فراموشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیر خاں کے مضبوط قلعہ چنار گڑھ کو زبردستی حاصل کرنے کا عمل شروع کر دیا مگر شیر خاں نے اپنی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے ہمایوں کے پاس جو اس کا جانی دشمن تھا ایک نہایت دوستانہ بلکہ فدویانہ پیغام بھیجا۔

شیر خاں کے سفیر نے ہمایوں کے خیمے میں پہنچ کے شیر خاں کا یہ پیغام دیا۔

"میرے آقا شیر خاں نے مجھے شہنشاہ ہمایوں کے حضور یہ عرضداشت پیش کرنے کا حکم دیا ہے کہ ہمیشہ سے آپ کے وفادار غلام رہے ہیں۔ وہ پہلے سلطان جنید برلاس مرزا کے ماتحت مغلوں کی خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔ حال ہی میں وہ سلطان محمود لودھی سے جنگ کے دوران اپنی وفاداری کا اظہار کر چکے ہیں۔ ان سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی جس سے ظاہر ہو کہ وہ مغلیہ سلطنت کے دشمن ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے اس دیرینہ خادم اور وفادار کو چنار گڑھ کے قلعہ کا فرمان عطا کر دیں۔ وہ یہاں آپ کے مفادات کی نگرانی کریں گے اور ان کا بیٹا قطب خاں آپ کی خدمت میں رہے گا۔ اگر ان کی طرف سے کوئی ناپسندیدہ حرکت ہو تو آپ قطب خاں کو جو سزا چاہیں دے سکتے ہیں۔"

شیر خاں کی اس پیشکش سے ایک طرف اس کی اعلیٰ ظرفی، تحمل اور کمال بردباری کا ثبوت ملتا ہے دوسری طرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر دور اندیش تھا۔ وہ فی الوقت ہمایوں سے کھلے میدان میں نہ تو جنگ کرنا چاہتا تھا اور نہ خود کو وہ اس کے مقابلہ کا سمجھتا تھا اس لئے اس نے بڑے تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی اولاد اپنے دشمن کے حوالے کرنے میں پس و پیش نہ کیا۔

ہمایوں، اپنے دشمن کی اس پیش کش پر حیران رہ گیا۔ اس نے یہ بات فوراً مان لی مگر یہ خواہش کی کہ اس کے پاس قطب شاہ کے بجائے جلال خاں کو بطور ضمانت کے بھیجا جائے مگر شیر خاں نے اسے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ جلال خاں بڑی پامردی سے اتنے عرصہ سے ہمایوں کے عظیم لشکر کا مقابلہ کرتا رہا تھا۔ اسے ہمایوں کے حوالے کیسے کیا جا سکتا

تھا۔ ہمایوں کسی بھی بہانے سے جلال خاں کو قتل کرا سکتا تھا۔

(واضح رہے کہ یہی جلال خاں شیر خاں (شہنشاہ) کے حادثاتی طور پر انتقال پر اسلام خاں کے نام سے ہندوستان کا بادشاہ بنا تھا۔)

شیر خاں کے اس انکار پر کہ وہ جلال خاں کو ہمایوں کے پاس ضمانت کے طور پر نہیں بھیج سکتا تو اس نے بظاہر ازراہ خسروانہ شیر خاں کے وکیل سے کہا۔

"شیر خاں ہمارا دولت خواہ ہے۔ ہم اس کی عرضداشت قبول کرتے ہیں۔ ہم اسے قلعہ چنار گڑھ عطا کرتے ہیں اس سے جا کے کہو کہ وہ اپنے فرزند قطب خاں ہی ہمارے ہمراہ بھیج دے۔"

شیر خاں کا وکیل شہنشاہ ہند ہمایوں کا یہ پیغام لے کر واپس آیا تو شیر خاں نے حسب اعلان قطب شاہ کو ہمایوں کے ہمراہ بھیج دیا۔ اس نے اس وقت ایک اور ذہانت کا کام بھی کیا وہ یہ کہ قطب شاہ کے ساتھ ایک نہایت تجربہ کار سردار عیسیٰ خاں ہا کو بھی بھیج دیا۔

قطب خاں اور عیسیٰ خاں ہا دونوں ہمایونی لشکر کے ساتھ گجرات پہنچے اور انہوں نے سلطان گجرات کے خلاف جنگ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اس تمام عرصہ میں مغل بادشاہ ہمایوں اور اس کی سپاہ کے عادات و اطوار کا بہت قریب اور غور سے مطالعہ کرتے رہے۔

شیر خاں نے بہت سوچ سمجھ کے اپنے لخت جگر قطب خاں کو اپنے دشمن مغل بادشاہ ہمایوں کے سپرد کیا تھا مگر اس نے اپنے اس عمل سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اس نے بہار سے اپنے دشمنوں کو مار بھگایا اور دور دراز کے علاقوں میں جو افغان کسمپرسی کے عالم میں زندگی گزار رہے تھے انہیں اپنے پاس بلوایا اس کے ساتھ ہی اس نے "افغان اتحاد" تحریک زبردست طریقے سے چلائی اور گوشہ نشین ہونے والے افغان سرداروں کو باہر نکلنے کی دعوت دی۔

شیر خاں کی ان کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ مسند عالی عیسیٰ خاں اور اعظیم ہمایوں ثانی جیسے افغان سردار اس کی خدمت میں آ گئے اور انہوں نے اپنی وفاداری کی قسمیں کھائیں۔ شیر خاں نے نئی فوجی بھرتی بھی شروع کر دی۔ خاص کر اس نے افغانوں کے لئے حکم جاری کیا کہ جو افغاں فوجی خدمت سے انکار کرے اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ اگر قوم پر

مصیبت آئے اور لوگ اپنا کام چھوڑ کر مصیبت میں حاکم وقت کے ساتھ سینہ سپر نہ ہو جائیں تو وہ قومی غدار ہو جاتے ہیں جن کا قتل واجب ہو جاتا ہے۔

ادھر گجرات میں مغلوں کی طرف سے اپنی شجاعت کا مظاہرہ کرنے کے بعد اس کا بیٹا قطب خاں اور سردار عیسیٰ خاں ہما بھی مغل لشکر سے فرار ہو کر اس کے پاس پہنچ گئے تھے۔ اس وقت شیر خاں نے محسوس کیا کہ وہ اب کھلے میدان میں مغل بادشاہ کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ شیر خاں کا وقار اب اس مقام پر پہنچ گیا تھا کہ اس کے سردار اسے "حضرت اعلیٰ" کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔

اس وقت شیر خاں کو ایک بار پھر دولت کی سخت ضرورت پڑی۔ اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں مگر کوئی جگہ ایسی نظر نہ آئی جہاں سے اسے اپنی فوجی ضروریات کے لئے رقم حاصل ہو سکے۔ انہی دنوں شیر خاں کو کسی نے اطلاع دی کہ بہار ہی میں لودھی خاندان کی ایک ضعیف العمر شہزادی بی بی فتح ملکہ موجود ہے جو چنار گڑھ سے بھی بڑے خزانے کی مالک ہے۔ فتح ملکہ کے ساتھ اس کی بھانجی شہزادی مہر سلطانہ بھی رہتی تھی۔ شیر خاں نے اپنے وکیل کے ذریعہ ان دونوں کو اپنے پاس بلوا لیا۔



"تمہارا نام مہر سلطانہ ہے؟" جلال خاں نے گھوڑا روک کے پوچھا۔

"جی ہاں شہزادے جلال خاں۔ مجھے شہزادی مہر سلطانہ ہی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔"

مہر سلطانہ گھوڑے پر سوار ہونے کے لئے رکاب میں پیر ڈال چکی تھی کہ جلال خاں نے اس سے سوال کیا۔

مہر سلطانہ کے جواب میں چھپے ہوئے طنز کو شہزادے جلال نے فوراً محسوس کر لیا اور مسکراتے ہوئے کہا۔

"مہر سلطانہ تم پہلے بھی شہزادی تھیں اور اب بھی شہزادی ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں شہزادی کے لقب سے مخاطب نہیں کیا۔ اس لئے کہ میں تمہیں پہلے سے نہیں جانتا تھا۔"

"جلال خاں بھی گھوڑے سے اتر پڑا اور مہر سلطانہ کے سامنے اپنے گھوڑے کی لگامیں

پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔"

شہزادی مہر سلطانہ کے چہرے پر شباب کی سرخی دوڑ گئی۔ وہ آنکھیں جھپکاتے ہوئے بولی۔

"شہزادے اگر آپ مجھے پہلے سے نہیں جانتے تھے تو آپ نے مجھے مہر سلطانہ کہہ کر کیوں آواز دی؟"

شہزادہ جلال بوکھلا گیا اس نے واقعی جھوٹ بولا تھا۔ پندرہ روز پہلے مہر سلطانہ اپنی پھوپھی بی بی فتح ملکہ کے ساتھ اپنی حویلی سے اٹھ کے بہار کے شاہی محل میں آئی تھی۔ اس وقت سے شہزادے جلال نے مہر سلطانہ کو کئی بار دیکھا تھا اور تمام دن اور رات کے بیشتر حصہ تک وہ کنیزوں اور غلاموں سے شہزادی مہر سلطانہ کی صورت اور سیرت کی تعریفیں سنتا رہتا تھا۔

شیر خاں سوری کا بیٹا جلال خاں خود بھی بہت خوبصورت تھا۔ اس کی خوبصورتی دراصل اس کی وجاہت میں مضمر تھی۔ لمبا تڑنگا جوان' بھرے بھرے بازو اور چوڑے شانوں سے وہ دور سے ایک گرانڈیل پہلوان دکھائی دیتا تھا۔ اگر اسے پر رعب کہا جائے تو بیجا نہ ہو گا مگر اس کی آنکھوں اور پیشانی پر پڑی ہوئی قدرتی سلوٹوں نے اس کے چہرے کو کسی حد تک خوفناک بنا دیا تھا مگر اس دور میں اس قسم کے چہرے شجاعت اور جوانمردی کی دلیل سمجھے جاتے تھے اور دوشیزائیں اس چہرے مہرے کے جوانوں کو بہت پسند کرتی تھیں۔

شہزادی سلطانہ بھی اپنے حسن میں لاجواب تھی۔ اس کی جھیل جیسی گہری آنکھیں' ستواں ناک اور دمکتا چہرہ اسے شہزادی کہنے پر مجبور کرتے تھے۔ وہ اپنی دولت مند پھوپھی بی بی فتح ملکہ کی بے پناہ اور بے اندازہ دولت کی واحد وارث تھی۔ خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ شہزادی مہر سلطانہ کی چال میں ایک خاص تمکنت اور وقار تھا اور یہی چیز شہزادے جلال خاں کو بھا گئی تھی۔ شہزادہ خود بھی پروقار تھا اور شاید اس وقار کو برقرار رکھنے کے لئے وہ لوگوں سے کم ہی گفتگو کرتا اور کھنچا کھنچا رہتا۔ اسی وجہ سے لوگ اسے مغرور اور بددماغ کہنے لگے تھے۔

شہزادی مہر سلطانہ کو اس نے پہلی ہی نظر میں پسند کر لیا تھا مگر اس کا وقار اس بات کی اجازت نہ دیتا تھا کہ وہ شہزادی سے گفتگو میں پہل کرے۔ ادھر مہر سلطانہ [illegible] سے

زیادہ پروقار تھی۔ قدرت نے اسے مال و دولت کے علاوہ حسن و دوشیزگی سے بھی مالا مال کیا تھا۔

آخر شہزادے جلال خاں نے اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے آج دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے مہرسلطانہ کو مخاطب کر ہی لیا اور شہزادی نے اسے دوسرے ہی جملے میں لاجواب کر دیا تھا۔ وہ کیسے کہتا کہ اس نے شہزادی کو پہلے روز ہی پسند کر لیا تھا اور اس کے نام کے علاوہ اس کے تمام حالات سے بھی باخبر ہو گیا تھا۔ آخر شہزادے نے بات بناتے ہوئے کہا۔

"میں نے سنا تھا کہ بی بی فتح ملکہ کے ساتھ ان کی بیٹی بھی آئی ہے اور اس کا نام مہر سلطانہ ہے۔ اس لئے میں نے تمہیں مہرسلطانہ کہہ کر مخاطب کیا تھا۔"

"مہرسلطانہ شہزادے کی بوکھلاہٹ پر دل ہی دل میں ہنس رہی تھی۔ اس کے اس بے تکے جواب پر مہرسلطانہ نے اس سے ایک اور سوال کر دیا۔"

"شہزادے جلال خاں حضرت بی بی فتح ملکہ کے ساتھ درجنوں کنیزیں بھی آئی ہیں آپ نے انہیں مہرسلطانہ کہہ کر کیوں مخاطب نہیں کیا؟"

شہزادے نے ہلکی سی جھرجھری لی اور سنبھل کے بولا۔

"شہزادی مہرسلطانہ جلال خاں کی نظریں اس قدر کمزور نہیں کہ وہ کنیز اور شہزادی میں تمیز نہ کر سکیں۔" جلال خاں کا جواب معقول تھا۔ شہزادی مہرسلطانہ کو خاموش رہنا پڑا۔

شہزادے کی بن آئی۔ فوراً سوال کیا۔

"شہزادی مہرسلطانہ کدھر تشریف لئے جا رہی ہیں؟"

شہزادی مہرسلطانہ نے ٹھنڈی سانس لے کے کہا۔

"میں کدھر جا سکتی ہوں مجھے تو قید کر دیا گیا ہے۔"

"قید!" شہزادے جلال خاں نے اسے حیران نظروں سے دیکھا۔ "مگر تم تو آزاد ہو کھلے میدان میں کھڑی ہو؟"

"اس میدان میں بھی میری حیثیت ایک قیدی جیسی ہے۔" شہزادی مہرسلطانہ تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"میں کہنا نہیں بلکہ آپ کو اس بات کا ثبوت پیش کرنا چاہتی ہوں۔" شہزادی مہرسلطانہ نے فوراً جواب دیا۔ پھر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "ذرا اس طرف نظر

ڈالئے۔" شہزادے نے اشارہ کی طرف نظریں دوڑائیں۔

"ادھر چار سوار نظر آ رہے ہیں اور تو کچھ نہیں ہے۔"

"یہ چار سوار نہیں بلکہ میرے چار پہریدار ہیں۔" شہزادی مہرسلطانہ نے غصہ سے کہا۔

"جس طرف میں جاتی ہوں یہ میرے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ فرمائیے میں قید ہوں کہ نہیں۔ یہ کیا زندگی ہے لعنت ہے ایسی زندگی پر۔"

شہزادے جلال خاں کو کوئی جواب نہ سوجھ رہا تھا۔ اسے یہ تو گمان ہوا کہ شاید اس کے والد شاہ بابا نے شہزادی کی حفاظت کے لئے یہ سوار مقرر کئے ہیں پھر بھی اس نے دبی زبان سے پوچھا۔

"یہ پہریدار کس نے مقرر کئے ہیں؟"

"جس کا یہ ملک ہے جو اس سلطنت کا مالک ہے۔" شہزادی سلطانہ مہر کا لہجہ بہت تلخ ہو گیا تھا۔

"شہزادے کے خیال کی تصدیق ہو گئی تھی چنانچہ اس نے کہا۔

"شہزادی مہرسلطانہ یہ سب تمہاری حفاظت کے لئے کیا گیا ہے۔ اب تم اور بی بی فتح ملکہ، شاہ بابا کی حفاظت میں ہو۔ تمہاری حفاظت ان کا فرض بن چکا ہے۔"

شہزادی منہ بنا کے بولی۔ "اچھی حفاظت ہے انسان اپنی مرضی سے گھوم پھر بھی نہیں سکتا۔ پھر میں کوئی بچی ہوں کہ مجھے اٹھا لیا جائے گا۔ میں نے شمشیرزنی کی باقاعدہ تربیت اور تعلیم حاصل کی ہے۔"

شہزادے کو ہنسی آ گئی۔ بولا "شہزادی تم بچی تو نہیں اچھی ضرور ہو اور اچھی صورت کسے اچھی نہیں لگتی رہا تمہاری شمشیرزنی کا سوال تو یہ ٹھیک ہے کہ تمہارا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا جس پر تم تلوار اٹھاؤ گی اور خود ہی سر جھکا دے گا۔ تمہیں شمشیر کے جوہر دکھانے کا کون موقعہ دے گا۔ وہ تو خود ہی قتل ہو جائے گا۔"

"کیوں مجھے بناتے ہیں آپ۔" شہزادی مہرسلطانہ شرما گئی اور پسینہ کے چند موتی اس کے رخساروں پر چمکنے لگے۔

"شہزادی۔" شہزادے جلال خاں نے کہا۔ "اگر تم چاہو تو میں تمہیں ان پہریداروں سے نجات دلا سکتا ہوں؟"

شہزادی فوراً بولی۔ "اس کے لئے میں شہزادے کا پہلے سے شکریہ اُدا کرتی ہوں۔"

"مگر تمہیں اس کی قیمت ادا کرنا ہو گی؟" شہزادے نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں قیمت ادا کرنے پر تیار ہوں۔" شہزادی نے تسلیم کیا۔

"اچھا تو گھوڑے پر سوار ہو اور میرے ساتھ آؤ---"

پھر شہزادہ اپنے گھوڑے پر شہزادی اپنے گھوڑے پر سوار ہوئی۔ یہ دونوں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ انہیں آتے دیکھ کر چاروں سوار بھی آگے کی طرف بڑھ گئے۔ شہزادے جلال خاں نے انہیں بڑھتے دیکھا تو ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکا۔ شہزادے کا اشارہ پا کر سوار ٹھہر گئے۔

"تمہیں کس نے پہرے پر مقرر کیا ہے؟" شہزادے نے سواروں کے پاس پہنچ کے دریافت کیا۔

"شہزادے بہادر---" ان میں سے ایک نے کہا۔ "ہمیں اس کام پر شاہ بہادر شیر خاں حضرت اعلیٰ نے مامور کیا ہے۔ ان کا حکم ہے کہ جس وقت شہزادی مہر سلطان تفریح کے لئے تشریف لے جائیں تو ہم لوگ ان سے دور دور رہ کر ان کی حفاظت کے فرائض ادا کرتے رہیں۔"

"آج سے تم اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش کئے جاتے ہو۔" شہزادے نے ان سے کہا--- "یہ ہمارا حکم ہے۔ اگر شاہ بابا تم سے دریافت کریں تو کہہ دینا کہ شہزادی مہر سلطانہ سیر کے لئے شہزادے جلال کے ساتھ جاتی ہیں۔"

"واہ--- کیا خوب۔ مان نہ مان میں تیرا مہمان---" شہزادی نے اعتراض کیا۔

"چار پہریداروں سے نجات ملی تو ایک نیا پہریدار پیدا ہو گیا۔ میں تو پھر بھی قیدی کی قیدی ہی رہی۔ آپ مجھ سے کم از کم پوچھ تو لیتے؟"

شہزادے نے کہا "میں نے اس لئے نہیں پوچھا کہ مجھے معلوم تھا کہ تم انکار نہیں کرو گی۔"

"مگر کیوں---" شہزادی نے بڑے انداز سے کہا--- "میں انکار بھی تو کر سکتی ہوں---"

"شہزادی مہر۔" شہزادہ جلال خاں کچھ اور بے تکلف ہو گیا۔ "جلال خاں سے آج تک

کسی نے انکار نہیں کیا۔ مجھے یقین تھا کہ تم بھی انکار نہیں کرو گی؟"

"شہزادے بہادر---" شہزادی مہر سلطانہ کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ "آپ کا حکم آپ کی دنیا میں چلتا ہو گا مگر میری دنیا میں صرف مہر سلطانہ کا سکہ چلتا ہے۔ آج تک کسی کو میری بات کاٹنے کی جرات نہیں ہوئی چاہئے ہم آپ کے ساتھ نہیں جائیں گے۔"

شہزادے جلال خاں کا سر گھوم کے رہ گیا۔ اس نے آج تک کسی کی زبان سے نہیں کا لفظ نہیں سنا تھا۔ جھلا کے بولا۔

"تو تمہیں انکار ہے شہزادی؟"

"ایک بار نہیں سو بار انکار ہے۔"

"پھر سوچ لو؟"

"ہم معمولی باتوں پر غور نہیں کیا کرتے۔"

"ایسا وقت پھر نہیں آئے گا؟"

"ہم وقت کے پابند نہیں۔ وقت ہمارا غلام ہے۔"

اس کے ساتھ ہی شہزادی گھوڑے سے اتر آئی۔ اب تو شہزادے جلال خاں کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ ساری شاہانہ آن بان اور تمکنت دھری کی دھری رہ گئی۔ وہ خود بھی گھوڑے سے اتر پڑا۔

ذرا قریب آ کے نرمی سے بولا۔ "یہ تم نے کیا کیا شہزادی مہر سلطانہ۔ میں تو تم سے مذاق کر رہا تھا۔"

"ہم مذاق میں بھی اپنی توہین برداشت نہیں کیا کرتے۔" شہزادی نے اکڑ کے جواب دیا۔

"اچھا غصہ تھوک دو---" شہزادہ جلال خاں کچھ اور قریب ہو گیا۔ "ہماری باتوں سے تمہیں جو تکلیف پہنچی اس کے لئے ہم معافی چاہتے ہیں۔"

حسن کی فتح ہوئی عشق نے اپنی شکست تسلیم کر لی۔

حسن مسکرایا اور بولا۔

"ایسا نہ کہئے شہزادے ہم آپ سے شرمندہ ہیں۔"

عشق اور زیادہ سرنگوں ہو گیا۔

"کیا میں امید کروں کہ دربار حسن میں میری خطا معاف ہوئی؟؟"

حسن نے ایک نظر غلط انداز شہزادے پر ڈالی پھر شہزادی اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ عشق بھی عرق عرق اپنے گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد دونوں گھوڑے برابر برابر چلنے لگے مگر خاموش خاموش۔ جس نے دیکھا اس نے اس خوبصورت جوڑے کو سراہا۔ حسن و عشق کی یہ جوڑی کئی گھنٹے محو گل گشت بلکہ بادیہ پیمائی صحرا و دشت کرتی رہی۔ شہزادہ جلال اور شہزادی مہرسلطانہ کے متعلق شیر خاں کے شاہی محل میں چہ میگوئیاں ہوتی رہیں۔ افواہیں پرواز کرتی رہیں۔ شاہی محلات میں بادشاہ' ملکہ اور تمام ذی اثر حضرات کے اپنے اپنے جاسوس ہوتے ہیں۔ یہ کام محلات کی کنیزیں اور غلام کرتے ہیں اور اپنے مالکوں سے خوب مال بٹورتے ہیں۔

شہزادی مہرسلطانہ کی پھوپھی بی بی فتح ملکہ کی کنیز خاص چمپا بھاگی ہوئی مالکن کے پاس پہنچی۔

"اے مالکن بی بی فاتح ملکہ آپ نے کچھ سنا؟"

بی بی فتح ملکہ کی تیوریاں چڑھ گئیں۔" کڑک کے بولیں۔

"او چمپا کی اولاد تجھے ہزار بار سمجھایا کہ میرا نام فاتح ملکہ نہیں بلکہ فتح ملکہ ہے مگر تو ہے کہ ہروقت میرا نام بگاڑتی رہی ہے۔ فاتح اسے کہتے ہیں جس نے کوئی ملک فتح کیا ہو میں تو بادشاہ شیر شاہ کے حکم پر خود فتح ہو کے یہاں آئی ہوں---"

"مالکن" چمپا نے بات کاٹ دی۔ "اب خبر بھی سنو گی کہ مجھے صلواتیں ہی سناتی رہو گی۔ آخر فتح اور فاتح میں فرق ہی کیا ہے۔ دونوں بہن بھائی لگتے ہیں پھر زبان تو زبان ہی ہے کبھی نہ کبھی پھسل ہی جاتی ہے۔"

"اچھا بکواس بند کر---" بی بی فتح ملکہ نے اسے ڈانٹا۔ "بتا کیا سنانے آئی تھی؟"

"بس اب کچھ نہیں سناتی جا رہی ہوں۔" چمپا نے نخرے دکھائے۔

"رہنے بھی دے تو تو میری بیٹی ہے۔" بی بی فتح نے خوشامد شروع کر دی۔

"کوئی اچھی خبر سنائے گی تو ایک شاندار جوڑا دوں گی تجھے۔"

بڑی بی نے اسے لالچ بھی دیا۔ یوں تو فتح ملکہ کی درجن بھر کنیزیں تھیں مگر چمپا ان کی منہ چڑھی کنیز تھی۔ دوسری کنیزیں بی بی فتح ملکہ سے ان کی بددماغی کی وجہ سے ڈرتی تھیں

اور دور رہتی تھی۔ فتح ملکہ خزانے کی مالک تھی۔ دولت کی فراوانی کی وجہ سے اس کا دماغ ہمیشہ عرش اعلیٰ پر رہتا تھا پھر جب سے شیر شاہ نے اسے طلب کر کے اپنے محل کے ایک حصہ میں اس کے قیام کا انتظام کرا دیا تھا اس وقت اس کا دماغ اور زیادہ خراب ہو گیا تھا۔ وہ دراصل تنہائی کی شکار ہو گئی۔ اپنی حویلی میں تو وہ ہنسی بولتی بھی تھی مگر یہاں آ کے وہ اور زیادہ چڑچڑی اور بدزبان ہو گئی تھی۔ صرف چمپا اس کا دل بہلاتی اور ادھر ادھر کی جھوٹی سچی خبریں اسے پہنچاتی رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ چمپا کا سخت سے سخت جواب بھی برداشت کر لیتی تھی۔

مالکن نرم پڑی تو چمپا نے جوڑے کے لالچ میں فوراً" بی بی فتح ملکہ کے پیر دبانا شروع کر دیئے پھر بولی۔

"مالکن خبریں تو اچھی بھی ہوتی ہیں اور بری بھی۔ میرا کام تو آپ کو ہر خبر سے آگاہ کرنا ہے پھر آج کی خبر تو بڑی شاندار ہے۔ اس سے تو میری شہزادی بنو مہرسلطانہ کے نصیب جاگ اٹھیں گے۔"

"اچھا سیدھی طرح خبر سنا باتیں بنانا چھوڑ دے۔" اور بی بی فتح ملکہ نے حسب عادت بڑبڑانا شروع کر دیا۔

چمپا نے ان کا موڈ بگڑتے دیکھ کر فوراً" انکشاف کیا۔

"آج کی سب سے اہم خبر یہ ہے کہ شہزادی مہرسلطانہ اور شہزادے جلال خاں میں ملاقات ہوئی ہے۔ دونوں کا اچانک سامنا ہو گیا۔ شہزادی سیر کے لئے گھوڑے پر سوار ہو رہی تھیں کہ شہزادے جلال خاں اچانک گھوڑا بھگاتے کسی طرف سے نمودار ہوئے۔ شہزادی کو دیکھ کے وہ ٹھہر گئے اور گھوڑے سے اتر کر شہزادی کے پاس آئے دونوں میں دیر تک گفتگو ہوتی رہی پھر---" چمپا نے رک کے مالکن کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

"کیا ہوا مالکن--- آپ اس خبر سے خوش نہیں ہوئیں۔"

بڑی بی نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئیں۔

چمپا نے انہیں پھر چھیڑا "مالکن یہ ٹھنڈی سانسیں کیسی۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہئے۔ شہزادے جلال خاں تو اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ بہادر اور خوبصورت ہیں۔ بادشاہ شیر خاں ان پر بہت مہربان ہیں۔ میں نے تو سنا ہے کہ بادشاہ شہزادے جلال خاں کو اپنا وارث

اعلیٰ بنائیں گے۔۔۔۔"

چمپا نے پھر جھک کے دیکھا مگر بی بی فتح ملکہ کا اب تک منہ پھولا ہوا تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں اس خبر سے سخت صدمہ ہوا ہے۔ چمپا کو غصہ آ گیا تیز لہجہ میں بولی۔

"کنیزیں اور غلام ٹھیک کہتے ہیں کہ آپ انتہائی مغرور اور چڑچڑی ہیں۔ اللہ پاک نے آپ کو اتنی دولت دی ہے کہتے ہیں پھل دار درخت جھک جاتا ہے مگر آپ کے درجے اللہ بلند کر رہا ہے اور آپ اس کا شکر ادا نہیں کرتیں۔ کیا یہ خوشی کی بات نہیں کہ شہزادی مہر سلطانہ' شاہی خاندان بلکہ ولی عہد شہزادہ جلال خاں کی ملکہ بنے۔۔۔"

"چپ ہو جا چمپا تو نے تو کان کھانا شروع کر دیئے۔" بی بی فتح ملکہ نے چمپا کو بری طرح جھڑک دیا۔ چمپا بھی کپڑے جھاڑتی کھڑی ہو گئی۔ بولی۔

"ٹھیک ہے اب میں آپ کو کوئی خبر نہیں سناؤں گی بلکہ آپ کے پاس آنا بھی چھوڑ دوں گی۔ بری خبر سناؤں تو جھڑکیاں اور اچھی خبر سناؤں تو بھی جھڑکیاں میں باز آئی آپ کے لئے جاسوسی کرنے سے۔"

بی بی فتح ملکہ نے فوراً" پلٹا کھایا۔ اس بھری پری دنیا میں ایک چمپا ہی تو ان کی راز دار تھی اسی سے وہ خبریں سنتیں اور ہنستی بولتی تھیں۔ اس نے اگر بات چیت بند کر دی تو وہ بالکل ہی تنہا ہو جائیں گی۔

نرمی سے بولیں۔ "میری بات کا اتنا برا مانتی ہے تو۔۔۔۔۔ میں تیری کوئی نہیں لگتی؟"

چمپا کو بھی نرم ہونا پڑا۔ جتنا فائدہ چمپا کو بی بی فتح ملکہ سے تھا وہ کسی اور سے تو نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ پھر بیٹھ کے پیر دبانے لگی۔

"بی بی فاتح ملکہ یہ بتایئے کہ آپ کو اس خبر سے خوشی کیوں نہیں ہوئی؟"

"یہ خبر میرے لئے اچھی نہیں ہے چمپا۔" بڑی بی جیسے پھٹ پڑیں۔ "میں نے مہر سلطانہ کی شادی کی ہمیشہ مخالفت کی ہے۔ میں اس کی شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

چمپا بال بچوں والی تھی۔ اس نے کچھ دن پہلے اپنی ایک بیٹی کی شادی کی تھی اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس کی مالکن مہر سلطانہ کی شادی کی کیوں مخالف ہے۔ اس سے رہا نہ گیا اور پوچھ ہی بیٹھی۔

"آخر۔۔۔ آپ شہزادی کی شادی کی مخالف کیوں ہیں؟"

"اس لئے کہ شہزادی مہر سلطانہ مجھے چھوڑ کے چلی جائے گی اور میں اکیلی رہ جاؤں گی۔۔۔" بڑی بی نے دل کی بات صاف صاف لفظوں میں کہہ ڈالی۔

چمپا چڑ گئی اور بولی۔ "مالکن۔ یہ تو بڑی زیادتی ہے لڑکیاں تو گھر سے رخصت ہونے کے لئے ہی ہوتی ہیں۔ شہزادی مہر سلطانہ چلی جائیں گی تو کوئی نئی بات نہیں ہو گی۔ لڑکی ہمیشہ اپنے ہی گھر میں اچھی لگتی ہے۔"

"کچھ بھی ہو میں مہر سلطانہ کی شادی شہزادے سے نہیں ہونے دوں گی۔" بی بی فتح ملکہ اپنی بات پر اڑ گئی تھیں۔

"آخر شہزادے جلال خاں میں کیا برائی ہے جو آپ اس سے شادی نہیں ہونے دیں گی؟" چمپا نے جرح شروع کر دی۔

"شہزادے میں کوئی برائی نہیں۔۔۔" بی بی فتح ملکہ نے تسلیم کیا۔ "مگر وہ فوج کا ایک بڑا سردار ہے۔ سردار روز جنگ پر ہوا کرتے ہیں۔ اگر مہر کی شادی شہزادے سے ہوئی تو وہ مہر کو اپنے ساتھ میدان جنگ پر لے جائے گا۔"

"مگر میری مالکن۔۔۔" چمپا جھلا کے بولی۔ "سردار جنگ پر جاتے ہیں اور ان کے ساتھ ان کے بال بچے بھی ہوتے ہیں اگر جلال خاں' شہزادی کو ساتھ لے جائے گا تو اس میں نئی بات کیا ہو گی۔ آپ جس سے بھی شادی کریں گی شہزادی کو تو اس کے ساتھ بھیجنا ہی پڑے گا پھر چاہے وہ شوہر کے گھر میں رہے چاہے میدان جنگ میں آپ اس پر کیوں اعتراض کرتی ہیں۔۔۔؟"

"میں مہر سلطانہ کو گھر سے رخصت نہیں کروں گی۔" فتح ملکہ نے پھر اپنی بات دہرائی۔

"اس کا مطلب ہے کہ آپ شہزادی کی کبھی شادی نہ کریں گی اور آپ کے پاس بیٹھے بیٹھے اپنے بال سفید کرے گی۔" چمپا کے الفاظ میں طنز کے ساتھ غصہ بھی تھا۔

"ایسا نہیں چمپا میں مہر کی شادی ضرور کروں گی۔" بی بی فتح ملکہ نے پھر پلٹا کھایا۔ "مگر اس کی شادی میری مرضی سے ہو گی۔"

"مالکن آپ کی باتوں سے میں پاگل ہو جاؤں گی۔" چمپا بوکھلا گئی۔ گھبرا گئی۔

"آپ ایک منہ کہتی ہیں کہ شہزادی مہر سلطانہ کو اپنے سے کبھی جدا نہیں کروں گی پھر دوسرے منہ یہ کہتی ہیں کہ مہر سلطانہ کی شادی ضرور کروں گی مگر اپنی مرضی سے۔ یہ دونوں

باتیں کس طرح ہو سکتی ہیں؟"

بی بی فتح ملکہ نے چمپا کو سمجھایا۔ "دیکھ چمپا تو میرے پاس کچھ دنوں پہلے آئی ہے۔ ہمارے پرانے حالات سے تو آگاہ نہیں۔ میں تجھے سمجھاتی ہوں میں مہر سلطانہ کی شادی کسی ایسے شخص سے کروں گی جو میرا کہنا مانے' میری مرضی پر چلے اور مہر سلطانہ کو رخصت کر کے اپنے گھرلے جانے کے بجائے خود میرے اور مہر سلطانہ کے پاس آ کے رہے۔۔

"بس بس میں سمجھ گئی۔۔۔ چمپا بات کاٹ کے بولی۔۔۔ "آپ گھرداماد چاہتی ہیں اور شہزادہ جلال خاں اس پر آمادہ نہ ہو گا۔ وہی کیا کوئی غیرت مند شخص گھرداماد بننے پر رضا مند نہیں ہوتا۔ چلئے مان لیا کہ آپ کو کوئی ایسا بھولا اور نیک آدمی مل گیا اور شہزادی نے اس کے ساتھ شادی سے انکار کر دیا تو آپ کیا کریں گی؟"

بی بی فتح ملکہ نے جلدی سے چمپا کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ایسا نہ کہہ چمپا۔ میری بیٹی ایسا نہیں کر سکتی۔ وہ میرے حکم پر چلے گی۔"

"مالکن۔۔۔" چمپا سنجیدگی سے بولی "میں آپ کے خاندانی حالات سے پوری طرح تو واقف نہیں مگر یہ ضرور جانتی ہوں کہ شہزادی مہر سلطانہ آپ کی بیٹی نہیں بلکہ آپ کے بھائی کی بیٹی ہے اور وہ بھائی بھی آپ کا سگا نہیں بلکہ سوتیلا تھا۔ مالکن آپ شہزادی پر ظلم نہ کیجئے۔ جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ بیٹی ہو کہ بھتیجی۔ جوانی بڑی خودسر ہوتی ہے۔ شہزادی مہر سلطانہ آپ سے بغاوت بھی کر سکتی ہے۔"

یہ کہتی چمپا مالکن کے پاس سے اٹھ آئی اور بی بی فتح ملکہ اپنا سر پکڑ کے بیٹھ گئیں۔

مشکل یہ ہے کہ بوڑھے لوگ خود کو جوانوں سے زیادہ سمجھدار اور عقلمند تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ خیال غلط ہے۔ عمر رسیدہ اور بوڑھے تجربہ کار ضرور ہوتے ہیں لیکن یہ کہنا کہ وہ تجربہ کار ہیں اس لئے عقلمند بھی ضرور ہوں گے۔ یہ ایک بڑی زیادتی ہے۔ ہمیں یہ بات تسلیم کر لینا چاہئے کہ نئی نسل اخلاقی اقدار سے خواہ کتنا ہی تغافل برتے مگر وہ عقل و دانش اور فکر رسا میں اپنے بزرگوں سے بہت آگے ہے۔

اور شاید یہ اسی خیال سے بی بی فتح ملکہ نے یہ اٹل فیصلہ کیا کہ وہ شہزادی مہر سلطانہ اور شہزادہ جلال خاں کے شادی کے بندھن کی شدید مخالفت کریں گی۔

بی بی فتح ملکہ کے بارے یں تاریخی اوراق کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

بی بی فتح ملکہ کے والد کا نام میاں محمد تھا مگر وہ عام طور پر کالا پہاڑ کے نام سے مشہور تھے۔ میاں محمد عرف کالا پہاڑ کا تعلق لودھیوں کے شاہی خاندان سے تھا۔ انہیں لودھی خاندان کے پہلے سلطان بہلول لودھی کا بھانجا بتایا گیا ہے۔ کالا پہاڑ صوبہ اودھ کے صاحب خزانہ جاگیردار تھے۔ اپنے نام کالا پہاڑ کے خلاف یہ سرخ و سفید رنگت کے مالک تھے مگر تھے بہت گرانڈیل۔ شاید اسی وجہ سے انہیں کالا پہاڑ کہا جاتا تھا۔

کالا پہاڑ بڑے صاحب تدبیر انسان تھے۔ انہیں خزانہ جمع کرنے کا شوق ہی نہیں بلکہ مرض تھا۔ سلطان بہلول لودھی نے انہیں جاگیر میں دس پرگنے دے رکھے تھے۔ بہلول لودھی کے بعد سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی نے بھی ان کی جاگیر بحال رکھی اور وہ اپنے خزانہ میں اضافہ کرتے رہے۔ مشہور تھا کہ اس کے پاس جواہرات کے علاوہ تین سو من سونا جمع تھا۔

کالا پہاڑ کی وفات کے وقت اس کا بیٹا بایزید بہت کم سن تھا اس وجہ سے ان کی بیٹی بی بی فتح ملکہ ان کے خزانہ اور جاگیر کی وارث ہوئیں۔ فتح ملکہ کا ایک سوتیلا بھائی بھی تھا جس کا نام مصطفیٰ تھا مگر وہ ایک کنیز کے بطن سے تھا اس لئے کالا پہاڑ کا وارث نہ ہو سکا۔ اس کا انتقال بھی کالا پہاڑ کی وفات کے ایک ہفتہ بعد ہی ہو گیا تھا۔ اس نے ایک بیٹی چھوڑی تھی جس کا نام فتح ملکہ نے خود ہی مہر سلطانہ رکھا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ بی بی فتح نے تمام عمر شادی نہیں کی اور چھوٹے بھائی بایزید اور سوتیلی بھتیجی کی پرورش میں اپنی جوانی ختم کر دی۔ بایزید بڑا ہو کر بہت قابل نکلا اور اس نے حرب و ضرب میں بڑا نام پیدا کیا۔ بابر کے خلاف وہ لودھیوں کی طرف سے جنگ میں شریک تھا۔ مگر بی بی فتح ملکہ کی بدقسمتی کہ اس نے میدان جنگ ہی میں جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ ورنہ بی بی فتح ملکہ نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ مہر سلطانہ کو بایزید سے بیاہ کے اپنے ہی گھر رکھے گی۔ اگر قول ہے کہ تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ یعنی انسان تدبیر کرتا ہے اور تقدیر ہنستی ہے چنانچہ بی بی فتح کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔

بی بی فتح ملکہ اس وقت بہار ہی میں تھیں۔ انہوں نے خزانہ کی حفاظت کے لئے فوج رکھی مگر پھر بھی وہ خود کو محفوظ نہ سمجھتی تھیں۔ پہلے انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ٹھٹھہ کے راجہ کے پاس چلی جائیں جس کا سلوک افغانوں کے ساتھ اچھا تھا مگر جب سلطان محمود

لودھی لکھنؤ میں ہمایوں کے ہاتھوں شکست کھا کر گوشہ نشیں ہوگیا تو راجہ بھی ہمایوں سے مل گیا اور افغانوں کے خلاف ہوگیا۔ بی بی فتح ملکہ بڑی مشکل میں گرفتار تھی۔

پھر جب شیر خاں نے بہار کا قبضہ حاصل کیا اور انہیں بی بی فتح ملکہ اور ان کے خزانہ کا حال معلوم ہوا تو اس نے اپنا وکیل بھیج کے بی بی فتح ملکہ کو اپنے پاس بلوایا اور انہیں پناہ کی پیش کش کی۔ اس طرح بی بی فتح ملکہ اور شہزادی مہر سلطانہ شاہی محل آ گئیں۔

شہزادی مہر سلطانہ اور شہزادے جلال خاں نے ایک ہی دن میں عشق و محبت کے تمام مراحل طے کر لئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ گفتگو کی چار گھنٹے گھوڑوں پر سوار دریا اور صحرا کی سیر کرتے رہے اور جب بعد دوپہر شاہی محل واپس آئے تو شہزادی مہر سلطانہ اور شہزادہ جلال خاں بہت خوش تھے سرشار تھے۔

بی بی فتح ملکہ کی یہ حالت تھی کہ جب مہر سلطانہ واپس نہیں آئی وہ در و دیوار کو تاکتی اور صحن و راہداریوں میں پاگلوں کی طرح بوکھلائی بوکھلائی گھومتی رہیں۔ چمپا انہیں دیکھتی اور دل ہی دل میں مسکراتی رہتی۔ اس میں بڑی بی کے منہ لگنے کی تو ہمت نہ تھی مگر وہ بڑی بی کو دیکھتے دیکھتے تھک جاتی تو خود کلامی کرنے لگتی۔

"بڑی بی کا تو دماغ خراب ہوگیا ہے۔ جوان بٹی کی شادی کرنے پر آمادہ نہیں۔ چاہتی ہیں کہ مہر سلطانہ ہر دم ان کے کولہے سے کولہا لگائے بیٹھی رہے۔ کوئی سمجھائے تو اسے کھانے کو دوڑتی ہیں۔ نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت۔ چاہتی ہیں کہ مہر سلطانہ بھی یونہی بیٹھے بیٹھے بال سفید کر لے۔ یہ نہیں جانتیں کہ جوانی بے لگام ہوتی ہے۔ ایک بپھری ہوئی ندی ہوتی ہے تو سامنے آنے والے ہر بند کو توڑ دیتی ہے۔۔۔۔۔"

بی بی فتح ملکہ کی منہ چڑھی کنیز چمپا ابھی یہیں تک سوچ اور کہہ پائی تھی کہ شہزادی مہر سلطانہ مسکراتی، کھلکھلاتی ہوئی صحن میں داخل ہوئی۔ جہاندیدہ چمپا نے مہر سلطانہ کا چہرہ دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ شہزادی کا دل محبت کے تیر سے چھلنی چھلنی ہو رہا ہے اور یہ مسکراہٹ اور ہنسی معراج محبت کی نشانیاں ہیں۔

مہر سلطانہ نے آنگن میں قدم رکھا تھا کہ بی بی فتح ملکہ نہ معلوم کس طرف سے بھاگتی ہوئی اس کے پاس پہنچیں اور اسے اس قدر زور سے بھینچ کے دبایا کہ مہر سلطانہ کا دم گھٹنے لگا۔ وہ ان کے نحیف و نزار بازوؤں سے اس طرح زور لگا کر نکلی جیسے ماہئی بے آب تڑپتی

ہے۔

"ہائے اماں حضور۔ کیا آپ مجھے دبا دبا کے مار ڈالیں گی؟" مہر سلطانہ نے انہیں پرے کرتے ہوئے کہا۔ مہر سلطانہ بڑی بی کو پھوپھی کے بجائے اماں حضور کہتی تھی۔

بی بی فتح ملکہ ہانپتے ہوئے بولیں۔

"یہ تو۔۔۔۔۔۔ تو ہی ہے نا۔۔۔۔۔۔ میری مہر سلطانہ؟"

"ہاں ہاں اماں حضور۔ میں مہر سلطانہ ہی ہوں۔ آپ پریشاں کیوں ہو رہی ہیں؟" مہر سلطانہ نے انہیں تسلی دی۔

بی بی فتح ملکہ نے جیسے سکھ کا سانس لیا "اللہ کا شکر ہے کہ تو زندہ و سلامت واپس آ گئی"۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو اماں حضور" مہر سلطانہ غصہ سے بولی۔ "سوائے اللہ کے مجھے اور کون مار سکتا ہے؟"

"بیٹی مہر۔۔" بی بی فتح ملکہ اس کی پشت پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

"میں نے سنا ہے شاہ شیر خاں کا بیٹا جلال خاں بڑا ظالم ہے۔ اس نے ذرا ذرا سی بات پر سینکڑوں زندگیاں خاک میں ملا دی ہیں اور۔۔۔۔۔۔"

"بس بس اماں حضور۔۔۔۔۔۔" مہر سلطانہ نے انہیں روکا۔ "آپ سے یہ بات کس نے کہی۔ مجھے بتایئے۔ میں اس کا منہ نوچ لوں گی؟"

بی بی فتح ملکہ سے کسی نے کچھ نہ کہا تھا۔ یہ تو ان کے دل میں بیٹھا ہوا خوف تھا جو انہیں طرح طرح بہانے بنا بنا کر مہر سلطانہ کو ہر مرتبہ شادی سے متنفر کر دیتا تھا۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنی زندگی میں وہ مہر سلطانہ کو اپنے سے جدا نہ کریں گی۔

انہوں نے پھر بات بنائی۔ "مجھ سے کہا کسی نے نہیں لیکن سب لوگ جانتے ہیں کہ جلال خاں کی تلوار سے سینکڑوں آدمی موت کے گھاٹ اترے ہیں"۔

"اماں حضور۔۔۔۔ اماں حضور"۔ مہر سلطانہ نے غصہ تھوکتے ہوئے کہا۔ "جلال خاں نے میدان جنگ میں سینکڑوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ یہ تو بہادروں کی شان ہے وہ اسی لیے تو ایک عظیم شمشیر زن اور بہترین سردار تسلیم کئے جاتے ہیں"۔

"مگر میں تیرا اور جلال خاں کا ملنا جلنا پسند نہیں کرتی۔" بی بی فتح ملکہ ایک دم بول

پڑیں شاید وہ اپنا غصہ ضبط نہیں کر سکیں۔

دوسری طرف مہر سلطانہ کے چہرے پر کھیلتی ہوئی مسکراہٹ ایک بار پھر غصہ میں تبدیل ہو گئی۔ وہ تلخ لہجے میں بولی۔

"اماں حضور ـــــ میں آپ کو مجبور نہیں کرتی کہ آپ جلال خاں کو پسند کریں۔ جلال خاں میری پسند ہے اور میں نہیں چاہتی کہ آپ میری پسند کے بارے میں غصہ اور نفرت کا اظہار کریں"۔

بی بی فتح ملکہ حیرت سے مہر سلطانہ کا منہ دیکھنے لگیں۔ مہر نے اس سے پہلے انہیں کبھی اتنا سخت جواب نہیں دیا تھا۔ وہ ہر بات میں ان کی ہاں میں ہاں ملا دیتی تھی بڑی بی کا منہ تو پھول گیا مگر وہ کھلم کھلا مہر سلطانہ کی مخالفت مول لینا نہیں چاہتی تھیں نرمی سے بولیں۔

"میرا یہ مقصد نہیں ہے بیٹی۔ میں تو تجھے احتیاط برتنے کو کہتی ہوں"۔

مہر سلطانہ غصہ میں بھری ہوئی تھی۔

"اماں حضور۔ احتیاط اس سے کی جاتی ہے جو آوارہ' بدکردار اور ذلیل کمینہ ہو۔ جلال خاں شہزادہ ہے۔ بہادر ہے۔ خوبصورت ہے۔ مجھے اس سے اچھا جیون ساتھی اور کون مل سکتا ہے؟"

"کیا کہا؟" بی بی فتح ملکہ اک دم ہتھے سے اکھڑ گئیں۔ "کیا تو اس سے شادی کرنا چاہتی ہے؟"

"میں نہیں بلکہ وہ مجھ سے شادی کا خواہشمند ہے"۔ مہر سلطانہ نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"پھر تو نے کیا جواب دیا اسے؟"

"اس نے خواہش کا اظہار کیا مگر میں خاموش رہی"۔

"تو نے انکار کیوں نہیں کر دیا؟"

"میں سوچ رہی ہوں کہ مجھے اقرار کر لینا چاہیے تھا"۔

"تو ایسا نہیں کر سکتی مہر۔ میں جان دیدوں گی"۔

"اماں حضور ـــــ" مہر سلطانہ نے متانت اختیار کی "آخر کبھی نہ کبھی تو میں

شادی کروں گی۔ پھر اس موقعہ کو ہاتھ سے کیوں جانے دوں؟"

"میں اکیلی رہ جاؤں گی۔ میں مر جاؤں گی مہر"۔

"اماں حضور۔ آپ اکیلی تو اس وقت ہوں گی جب اپنی جاگیر پر جائیں گی"۔ اس کے ساتھ ہی مہر سلطانہ نے پھوپھی کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

"جا۔ میں تجھ سے بات نہیں کرتی"۔ بڑی بی نے اس کی باہیں جھٹک دیں۔ "مجھے تیری باتوں پر رونا آ جاتا ہے"۔ مہر سلطانہ چپ ہو کے کچھ سوچنے لگی۔ بی بی فتح ملکہ نے ذرا انتظار کیا۔ جب مہر سلطانہ نہ بولی تو انہوں نے خود بولنا شروع کر دیا۔

"اے لڑکی۔ بولتی کیوں نہیں۔ کیا گونگی ہو گئی ہے؟"

"بولوں کیسے۔ آپ نے تو میرے ہاتھ جھٹک دیئے"۔ مہر سلطانہ نے نخرے دکھائے۔

"اچھا چھوڑ ان باتوں کو"۔ بڑی بی کے دماغ میں جاگیر کا لفظ گھوم رہا تھا۔ پوچھا۔ "یہ بتا وہ جاگیر والی کیا بات تھی؟"

"ہوں۔ اب آپ آئیں راستے پر"۔ مہر سلطانہ اکڑ گئی۔ "میں تو آپ کو ایک لفظ بھی نہیں بتاؤں گی"۔

"مان بھی جا ـــ تو میری بیٹی نہیں؟" بڑی بی خوشامد پر اتر آئیں۔

مہر سلطانہ اور زیادہ اکڑی۔ کہنے لگی۔

"اماں حضور۔ اگر آپ مجھے اپنی بیٹی سمجھتیں تو یہ ضرور بتاتیں کہ آپ نے شاہ شیر خاں کو کتنا سونا دیا ہے؟" بی بی فتح ملکہ حیران رہ گئی۔

"تجھے کس نے بتایا کہ میں نے سونا دیا ہے؟"

"شاہ شیر خاں نے اپنے بیٹے جلال خاں کو بتایا کہ اماں حضور نے ان کے باپ کو دو سو من سونا دیا ہے"۔ مہر سلطانہ نے جلال خاں سے جو کچھ سنا تھا وہ اگل دیا۔

"ہونہہ ـــــ" بڑی بی نے منہ بنایا۔ "شیر خاں کو یہ بات ہضم نہیں ہوئی اور اس نے ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا"۔

"یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی اماں حضور ـــــ" مہر سلطانہ نے کہا۔ "باپ کو بیٹے پر اعتبار تھا اس لیے اس نے بیٹے کو بتا دیا۔ آپ کو اپنی بیٹی پر اعتماد نہیں اس لیے آپ مجھ سے یہ بات چھپا گئیں"۔

بی بی فتح ملکہ دل میں بہت شرمندہ ہوئیں۔ اب ان کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ وہ مہرسلطانہ سے جلال خاں کے بارے میں کوئی اور بات پوچھتیں۔

بی بی فتح ملکہ کے سونا دینے کا یہ قصہ تھا کہ شیر خاں کو ایک بار نئی فوج بھرتی کرنے کی ضرورت پڑی تھی تو اس نے چنار گڑھ لاڈو ملکہ سے رقم حاصل کی تھی اور اب تو اسے نئے لشکر کی اور زیادہ ضرورت تھی وہ بنگال پر ہر صورت میں قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بنگال پر قبضہ کے بغیر وہ مغل بادشاہ کو نہ تو پریشان کر سکتا ہے اور نہ شکست ہی دے سکتا ہے۔

بی بی فتح ملکہ اس زمانہ میں بہار میں تھی اور بہار پر شیر شاہ نے قبضہ کیا تھا۔ اسے دولت مند بی بی فتح ملکہ کی خبر ملی تو اس نے فوراً اپنا وکیل ملکہ کو بلانے کے لیے بھجوا دیا۔ شیر خاں کو بتایا گیا تھا کہ بی بی فتح ملکہ نے خزانہ کے لیے باقاعدہ فوج رکھ چھوڑی ہے اس لیے شیر خاں نے وکیل کے پیچھے پیچھے ایک فوجی دستہ بھی بھیج دیا تھا جسے حکم تھا کہ وہ وکیل سے دور دور اور پوشیدہ رہے پھر جب وکیل کو ضرورت محسوس ہو تو وہ دستہ اس کی مدد کو پہنچ جائے۔

بی بی فتح ملکہ کے پاس شاہی وکیل پہنچا تو اس کے لیے تو جیسے بلی کے بھاگوں چھیکا ٹوٹا۔ شاہی وکیل کیا آیا کہ اس کی تمام پریشانیاں دور ہو گئیں۔ اس نے خود یہ سوچا تھا کہ وہ کسی دن دربار میں حاضر ہو کر خزانہ کی حفاظت کے لئے شاہ شیر شاہ سے درخواست کرے گی۔ لیکن کنواں خود پیاسے کے پاس پہنچ گیا تھا۔

بی بی فتح ملکہ خوش خوش وکیل کے ساتھ شاہی محل پہنچ گئی۔

شیر خاں نے بھی بی بی فتح ملکہ کو مغلوں اور افغانوں کی آویزش سے پوری طرح آگاہ کیا۔ بی بی فتح ملکہ خود بھی افغان شہزادی تھیں اس لیے انہوں نے شیر خاں کو نئی فوج بھرتی کرنے اور ہندوستان بھر میں بکھرے ہوئے افغانوں کو یکجا کرنے کے لیے بڑی خوشی سے دو سو من سونا عطا کر دیا تھا۔

شیر خاں بڑا با مروت اور سیر چشم انسان تھا اس نے چنار گڑھ کے قلعہ کا خزانہ حاصل کرنے کے لیے لاڈو ملکہ سے شادی کر لی تھی تاکہ اس کے دشمن یہ طعنہ نہ دے سکیں کہ شیر خاں نے لاڈو ملکہ کو کمزور سمجھ کر اس کے خزانہ پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ اب

جبکہ اسے بی بی فتح ملکہ نے اتنا بہت سا سونا بلا غور خود ہی پیش کر دیا تو وہ اس کا بہت احسان مند ہوا اور اس نے فیصلہ کیا اس کے صلہ میں وہ بی بی فتح ملکہ کو اتنی بڑی جاگیر عطا کرے گا جس سے نہ صرف وہ شہزادی کی طرح زندگی بسر کر سکے بلکہ اس کے پاس ہر وقت اس سے زیادہ فوج رہے۔ جتنی وہ خزانہ کی حفاظت کے لیے رکھا کرتی تھی۔

بی بی فتح ملکہ کو جاگیر دینے کا فیصلہ شیر خاں نے خود کیا مگر اس وقت اس کا من چلا بیٹا جلال خاں اس کے ساتھ بہار میں موجود تھا۔ اس لیے اس نے اس کا ذکر جلال خاں سے بھی کر دیا تھا جس کی خبر جلال خاں اور مہرسلطانہ سے ہوتی ہوئی بی بی فتح ملکہ تک پہنچ گئی تھی۔ بی بی فتح ملکہ اس خبر ہی سے پریشان تھیں کہ مہرسلطانہ اور جلال خاں میں محبت کی پینگ بڑھ رہی ہیں اور اب اس خبر نے انہیں پریشان کر دیا کہ شاہ شیر خاں انہیں جاگیر دے کر محل سے الگ کر دے گا۔

وہ انہی پریشانیوں میں گھلی جا رہی تھی کہ شیر خاں کی طرف سے اس کی طلبی ہوئی بی بی فتح ملکہ اور بوکھلا گئی کہ شاید اب اور کوئی نیا گل کھلنے والا ہے۔ وہ کنیز کے ساتھ ہانپتی کانپتی شیر خاں کے حضور پہنچی۔

شیر خاں نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا اور کہا۔

"معزز فتح ملکہ۔ ہم نے آپ کو اس لیے تکلیف دی ہے کہ پہلے تو ہم آپ کے اس احسان کا شکریہ ادا کریں جو آپ نے دو سو من سونا دے کر ہم پر کیا ہے۔۔۔۔۔۔"

"محترم شاہ شیر خاں"۔ فتح ملکہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے آپ کو اپنا بیٹا کہا ہے۔ اس لیے اگر ماں اپنے بیٹے کے ساتھ کوئی سلوک کرے تو اس کا شکریہ نہیں ادا کیا جاتا۔ دوسرے یہ کہ میں نے اپنی قوم کی ترقی اور عروج کے لیے یہ دولت دی ہے اور میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ اس سلسلے میں اسے اپنے مصرف میں لا رہے ہیں جس مقصد کے لیے آپ نے مجھ سے کہا تھا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی بات کہنا ہو تو وہ ضرور کہئے"۔

"حضرت بی بی ملکہ"۔ شیر خاں نے اسے اور زیادہ عزت دی۔ "آپ کچھ بھی فرمائیے لیکن میں آپ کے احسان کو نہیں بھول سکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ اپنے محل میں بادشاہوں کی طرح زندگی بسر کر رہی تھیں۔ آپ کی اپنی فوج تھی اور آپ کا اپنا حکم چلتا ہے۔ اس کے پیش نظر میں نے آپ کے لیے چنار گڑھ کے قریب ایک جاگیر مقرر کی ہے

جس کی معقول آمدنی ہے اور اس سے اپنا محل تعمیر کرا کے پہلے سے دوگنی فوج اور دیگر ملازمین رکھ سکتی ہیں۔ امید ہے کہ آپ ہماری اس حقیر پیش کش کو شرف قبولیت عطا کریں گی"۔

بی بی فتح ملکہ کے احسان کا یہ ایک معقول صلہ تھا مگر فتح ملکہ اس سے خوش ہونے کے بجائے دلگیر اور افسردہ ہو گئیں اور انہوں نے اپنا اٹھا ہوا سر جھکا لیا۔ شیر خاں کو گمان ہوا کہ شاید فتح ملکہ کے لیے یہ جاگیر چھوٹی ہے اس لیے اس نے فوراً" کہا۔

"حضرت فتح ملکہ۔ آپ دل چھوٹا نہ کیجئے ہم آپ کو اس سے بڑی جاگیر دیں گے جس کی آمدنی اس سے دوگنی ہو گی۔ اب آپ خوش ہو جائیے"۔

آخر بی بی فتح ملکہ گلوگیر آواز میں بولیں۔ "شاہ بہادر۔ آخر آپ اپنے محل سے مجھے کیوں دور کرنا چاہتے ہیں؟"

"یہ آپ کیا فرما رہی ہیں حضرت فتح ملکہ"۔ شیر خاں نے بڑے خلوص سے کہا "ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے الگ محل میں رہیں جہاں آپ کا حکم چلے"۔

"اس طرح کیا میں تنہا نہ ہو جاؤں گی شاہ؟" بی بی فتح ملکہ نے بڑے کرب سے کہا۔

"آپ تنہا کیوں ہوں گی۔ شہزادی مہر سلطانہ اور آپ کی تمام کنیزیں اور غلام آپ کے ساتھ جائیں گے"۔ شیر خاں نے اسے تسلی دی۔

بی بی فتح ملکہ بولیں "مہر سلطانہ شاید یہاں سے نہیں جائے گی"۔

"کیوں نہیں جائے گی؟" شیر خاں نے چونک کے پوچھا۔

"اسے آپ کا محل بہت پسند ہے۔ وہ یہاں ہمیشہ رہنا چاہتی ہے"۔ بی بی فتح ملکہ کچھ اور کھلیں۔

شیر خاں نے ایک لمحہ سوچا۔ پھر کہا۔ "اس کی مرضی میں کیا آپ شامل ہیں؟"

"میری وہ کب سنتی ہے"۔ فتح ملکہ قدرے غصے سے بولیں۔ "شاید شہزادے بہادر کی بھی یہی مرضی ہے"۔

"شہزادے! یعنی جلال خاں"۔ اور شیر خاں کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

"جی ---- میرا یہی خیال ہے"۔

"بڑا نیک خیال ہے ہمیں خوشی ہوئی"۔

"مگر میں تو اکیلی ہو جاؤں گی"۔ فتح ملکہ چیخ پڑیں۔ شاہ بہادر آپ مجھ سے وعدہ کیجئے کہ شہزادے جلال خاں میری مہر سلطانہ سے شادی نہیں کریں گے؟"

شیر خاں نے حیران نظروں سے فتح ملکہ کو دیکھا۔

"حضرت فتح ملکہ۔ مائیں تو بیٹی کو اپنے گھر میں بسا ہوا دیکھنا چاہتی ہیں پھر گھر بھی کیسا۔ شہزادہ جلال خاں کا۔ میرے لخت جگر اور نور نظر کا گھر آپ کو تو خوش بلکہ بہت خوش ہونا چاہیے؟" بی بی فتح ملکہ نے سنی ان سنی کر دی۔

"شاہ۔ آپ مجھ سے وعدہ کیجئے؟"

"کیسا وعدہ؟" شیر خاں پریشان ہو گیا۔

"یہی کہ آپ شہزادے کو مہر سلطانہ سے شادی نہ کرنے دیں گے"۔ بی بی فتح ملکہ نے اور زیادہ زور دے کے کہا۔

"بی بی فتح ملکہ-----" شیر خاں نے ناگوار انداز میں کہا۔ "شہزادہ جلال خاں اور شہزادی مہر سلطانہ ماشاء اللہ بالغ ہیں' سمجھدار ہیں۔ ملکی یا شرعی قانون انہیں شادی سے نہیں روک سکتا"۔

"مگر آپ بادشاہ ہیں۔ میں آپ سے انصاف کی بھیک مانگتی ہوں"۔ فتح ملکہ رونے اور گڑگڑانے لگی۔

"بی بی فتح ملکہ-----" شیر خاں نے گمبھیر آواز میں کہا۔ "اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ شہزادہ جلال خاں آپ کی بیٹی سے زبردستی شادی کرنا چاہتا ہے تو میں آپ اور مہر سلطانہ پر قطعی ظلم نہ ہونے دیتا اور پورا پورا انصاف کرتا مگر آپ تو مجھے انصاف پر نہیں بلکہ ظلم پر آمادہ کر رہی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ ایسا کیوں چاہتی ہیں؟"

"اے عادل بادشاہ"۔ بڑی بی پھر گڑگڑائیں "مہر سلطانہ میری زندگی کا آخری سہارا ہے۔ اسے میں ایک لمحہ کے لیے آنکھوں سے دور نہیں کر سکتی"۔

"یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے"۔ شیر خاں خوش ہو گیا آپ اس محل میں رہیے۔ مہر سلطانہ شادی کے بعد آپ کے ساتھ اسی محل میں رہے گی۔ وہ آپ سے جدا نہ ہو گی"۔

شیر خاں کا خیال تھا کہ فتح ملکہ اس بات پر آمادہ ہو جائیں گی مگر انہوں نے ایک اور مطالبہ کر دیا۔ بولیں۔

"آپ یہ وعدہ کیجئے کہ مہر سلطانہ' شہزادے کے ساتھ کبھی محاذ پر نہیں جائے گی"۔

شیر خاں کو یہ بات اور زیادہ ناگوار گزری۔

"یہ کیسے ممکن ہے بی بی فتح ملکہ بادشاہ اور شہزادے اپنے اہل و عیال کے ساتھ میدان جنگ میں جاتے ہیں۔ انہیں کیسے روکا جا سکتا ہے؟"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ ایک بے کس کی اتنی سی خواہش بھی پوری نہیں کر سکتے؟" بی بی فتح ملکہ نے اتنے غمگین لہجے میں کہا کہ شیر خاں تھرا گیا۔ اس پر طرہ یہ کہ بی بی فتح ملکہ سچ مچ رونے لگیں۔

آخر شیر خاں نے کہا۔ "ٹھیک ہے کہ میں جلال خاں کو مہر سلطانہ کے ساتھ شادی سے روک دوں گا۔ خدا مجھے اس ظلم کے لیے معاف فرمائے"۔

اس کے بعد شیر خاں نے فتح ملکہ سے کوئی بات نہ کی۔ بڑی بی نہ معلوم کیا کیا کہتی رہیں مگر شیر خاں نے کوئی توجہ نہ دی پھر وہ خود ہی اٹھ کے واپس آ گئیں۔ شہزادے اور مہر سلطانہ کو بی بی فتح ملکہ اور شیر خاں کی گفتگو کا علم ہو گیا۔

اس وقت تک شہزادے اور مہر سلطانہ کے درمیان محبت کا رشتہ اس قدر مضبوط ہو چکا تھا کہ اسے توڑنا ناممکن تھا۔ یہ ضرور ہوا کہ جلال خاں نے مہر سلطانہ کے ساتھ فی الحال شادی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

شیر خاں نے بی بی فتح ملکہ کی دولت سے ایک اور لشکر تیار کر لیا تھا اور اب وہ آہستہ آہستہ بنگال کے مختلف علاقوں پر قبضہ کر رہا تھا۔ دوسری طرف جب مغل بادشاہ ہمایوں گجرات کے بادشاہ بہادر شاہ کو شکست دینے کے بعد واپس آیا تو اس کے حضور خانخاناں یوسف خیل حاضر ہوا۔ خانخاناں کا پورا نام دلاور خاں تھا۔ یہ دولت خاں لودھی کا بیٹا تھا۔ اسی دولت خاں لودھی نے لودھی سلطان ابراہیم لودھی سے غداری کی تھی اور بابر کو ترغیب دے کر ہند پر حملہ کرایا تھا۔

خانخاناں نے ہمایوں سے عرض کیا۔

"عالی جاہ۔ شیر خاں نے آہستہ آہستہ اپنی طاقت بڑھا لی ہے۔ اگر اس وقت اس کا سر نہ کچلا گیا تو سلطنت مغلیہ کے لیے بڑے خطرے کا باعث ہو سکتا ہے؟"

ہمایوں جس کی عشرت کوشی اور آرام طلبی مشہور ہو چکی تھی۔ اس نے جواب دیا۔

"خانخاناں ہمارے اور شیر خاں کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے اور شیر خاں اس کی پوری طرح پابندی کر رہا ہے پھر اس کے خلاف جنگ کا کیا جواز بنتا ہے"۔

ہمایوں بزدل نہ تھا لیکن اس میں باپ جیسی جفاکشی نہ تھی۔ ہر فتح کے بعد وہ سال چھ ماہ تک خوب عشرت کی محفلیں سجاتا تھا مغل عام طور پر افیون کھانے کے عادی تھے۔ بابر نے اگرچہ جنگ کنواہہ کے موقع پر سر سے توبہ کر لی تھی لیکن افیون نہیں چھوڑی تھی۔ تزک بابری میں وہ افیون کھانے کا جگہ جگہ بڑے فخر سے اعلان کرتا ہے۔

ہمایوں کو بھی افیون کھانے کی عادت تھی اور افیون انسان کو عیاشی کی طرف راغب کرتی ہے۔ دلاور خاں نے شیر خاں کے خطرے کو اس کے سامنے بار بار پیش کیا تو اس نے ناگوار انداز میں جواب دیا۔

"دلاور خاں۔ تم ہمیں بار بار شیر خاں کا نام لے کر خوفزدہ کرنا چاہتے ہو۔ آخر اس کی ہستی ہی کیا ہے۔ وہ ایک معمولی سردار ہے وہ کچھ طاقت حاصل کر بھی لے گا تو ہمارا کیا بگاڑ لے گا۔ بہرحال ہم تمہاری وفاداری کو تحسین کی نظر سے دیکھتے ہیں ہم اپنے سردار ہندو بیگ کو جونپور بھیج رہے ہیں۔ وہ شیر خاں کے تمام کوائف حاصل کر کے ہمیں بھیجے گا۔ اس کے مطابق ہی کوئی قدم اٹھایا جا سکتا ہے"۔

شیر خاں نے اپنے محکمہ جاسوسی کا جال ہندو ریاستوں ہی تک نہیں بلکہ شاہی دربار اور ہر جگہ بچھا رکھا تھا۔ ادھر دلاور خاں اور ہمایوں میں گفتگو ہوئی اور ہندو بیگ' جونپور کے لیے روانہ ہوا' ادھر شیر خاں کے جاسوسوں نے اسے پوری تفصیل لکھ بھیجی۔

شیر خاں اور ہندو بیگ میں پہلے بھی ایک بار خط و کتابت اور وکیل کے ذریعہ رابطہ ہو چکا تھا چنانچہ اس نے فوراً" اپنا وکیل معہ قیمتی تحائف کے جونپور روانہ کر دیا اور جیسے ہی ہمایوں کا سردار ہندو بیگ جونپور پہنچا' شیر خاں کا وکیل اس کے سامنے پیش ہو کے عرض گزار ہوا۔

"میرے آقا شیر خاں نے خلوص و سلامتی کے پیغام کے ساتھ تحائف کا نذرانہ بھیجا ہے اور عرض کیا ہے کہ انہوں نے اعلیٰ حضرت ہمایوں بادشاہ سے جو شرائط طے کی تھیں اس پر وہ پوری سختی کے ساتھ کاربند ہیں۔ انہیں یہ معلوم ہوا ہے کہ ان کے دشمن اعلیٰ حضرت کو ان کے خلاف بھڑکا رہے ہیں حالانکہ انہوں نے اب تک کوئی ایسی حرکت نہیں

کی جو طے شدہ شرائط کے خلاف ہو۔ میرے آقا نے عرض کیا ہے کہ آپ بادشاہ کو ان کی طرف سے بدگمانی' اگر کسی قسم کی ہو گئی ہو تو آپ اسے دور کرنے کی کوشش فرمائیں۔ اس کے لیے میرے آقا آپ کے شکرگزار ہوں گے"۔

ہندو بیگ کو شیر خاں کے وکیل نے اس طرح مطمئن کر دیا کہ اسے کسی دوڑ دھوپ اور پوچھ گچھ کی ضرورت نہیں پڑی۔ اس کے قیمتی تحفوں نے ہندو بیگ کے قدم روک دیئے اور زبان بند کر دی۔ اس نے شیر خاں کے وکیل کو اپنے پاس ٹھہرا لیا اور چار دن بعد ہمایوں بادشاہ کو پرچہ لکھا جس میں درج تھا۔

"شیر خاں' مغل سلطنت کے خیر خواہوں اور دولت خواہوں میں ہے۔ اس کے علاقہ میں آپ کے نام کا سکہ اور خطبہ جاری ہے۔ غلام نے پوری تحقیق کی اور معلوم ہوا کہ شیر خاں نے ہماری حدود میں کوئی دخل اندازی نہیں کی اور نہ بادشاہ حضور کے یہاں سے جانے کے بعد سے اب تک اس کی طرف سے کوئی قابل اعتراض حرکت ہوئی۔ اس لیے عرض ہے کہ شیر خاں کے خلاف کسی کارروائی کی ضرورت نہیں"۔

ہندو بیگ کا یہ پرچہ جب ہمایوں کے پاس پہنچا تو اگر اس کے ذہن کے کسی گوشہ میں شیر خاں کی طرف سے کوئی خدشہ تھا بھی تو وہ بھی ختم ہو گیا اور پھر وہ فوج کشی کا ارادہ ترک کر کے عیش و عشرت کی محفلیں گرم کرنے میں لگ گیا۔

شیر خاں کو ہمایوں کی عشرت کوشیوں کی اطلاع ملی تو اس نے بنگال کی طرف توجہ مبذول کی۔ بی بی فتح ملکہ کی دولت سے وہ فوجوں میں اضافہ تو کر ہی چکا تھا اس لیے اس نے اپنے بیٹے جلال خاں کو بھی ایک لشکر کے ساتھ بنگال روانہ کر دیا۔ اس کی فوجوں نے بنگال میں کارروائی پہلے ہی شروع کر دی تھی۔ جلال خاں کے وہاں پہنچنے سے ان کی فتوحات میں اور اضافہ ہو گیا۔

بنگال کے سلطان محمود میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ شیر خاں کی فوجوں کا مقابلہ کر سکتا۔ اس کے علاقے ایک ایک کر کے اس کے ہاتھ سے نکلتے جا رہے تھے۔ آخر اس نے

مغل بادشاہ ہمایوں سے مدد کی درخواست کی اور بھاگ کر گور کے قلعہ میں پناہ گزیں ہو گیا۔ گور کا قلعہ اور شہر بہار اور بنگال کی سرحد پر واقع تھا۔ گور ایک مضبوط قلعہ اور خوبصورت شہر تھا اور تقریباً" ایک صدی سے بنگال کے راجاؤں اور بادشاہوں کا صدر مقام چلا آ رہا تھا۔

سلطان محمود گور پہنچا تو جلال خاں بھی اس کا پیچھا کرتا ہوا گور پہنچ گیا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ جلال خاں کا مہر سلطانہ کے ساتھ عشق کا معاملہ تو کچھ ٹھنڈا پڑ گیا تھا مگر اس کی شجاعت اور دلیری عود کر آئی تھی اور وہ فتوحات پر فتوحات حاصل کر رہا تھا گور کے قلعہ کا محاصرہ اس نے اپنے معتمد سردار خواص خاں کے سپرد کیا اور خود فوج لے کر تلیا گھاٹ کی طرف چلا یہ مقام بنگال کا دروازہ کہا جاتا تھا۔

خواص خاں نے گور کا ایسا سخت محاصرہ کیا کہ قلعہ والے اشیاء خوردنی کی کمی کی وجہ سے بھوکوں مرنے لگے اور سلطان محمود بڑی مشکل سے جان بچا کر قلعہ سے نکل بھاگا اور سیدھا ہمایوں کے پاس پہنچا۔ اس نے ہمایوں سے بنگال پر شیر خاں کے حملے کا حال بیان کیا تو ایک سال بعد ہمایوں اپنی عشرت گاہ سے نکلا اور شیر خاں کو سزا دینے کے لیے لشکر لے کر چلا۔

شیر خاں کو ہمایوں کے آنے کی اطلاع ملی تو اس نے آگے بڑھ کے بنارس پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس نے خواص خاں کو گور سے بلوا کر اسے مونگیر بھیجا کہ وہ مونگیر کے مغل حاکم کو گرفتار کر لے۔ خواص خاں نے فوراً" حکم کی تعمیل کی اور مونگیر پہنچ کے مغل حاکم کو گرفتار کیا اور اسے بنارس بھجوا دیا۔

شیر خاں نے بنارس میں مغل توپخانہ تباہ کر دیا تھا۔ اب اس نے جونپور' بہرائچ اور سنبھل کی طرف روانہ کیں اور ایک ہفتہ کے اندر ان تینوں شہروں پر قبضہ ہو گیا۔ اس طرف مغل لشکر کے ساتھ جس میں ازبکی' بلوچ' افغان اور مغل وغیرہ مختلف نسلوں کے لوگ شامل تھے آگے بڑھ رہا تھا ہمایوں اپنے خیال میں فتوحات کر رہا تھا اور شیر خاں بجائے اس کے سامنے آنے کے اسے بنگال جانے کا راستہ دے رہا تھا۔

ہمایوں کا لشکر بڑی تیزی سے بنگال کی طرف رواں تھا اور شیر خاں اس کے پیچھے ہمایوں کے لشکر اور آگرہ کے درمیان میں ایسے ایسے مقامات پر فوجیں لگا رہا تھا کہ ہمایوں کا

رابطہ آگرہ سے ختم کر دیا جائے اور اس معاملہ میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوا۔ آخر ۲۶ جون ۱۵۳۹ء کو ہمایوں کے مغل لشکر اور شیر خاں کے افغان لشکر میں پہلی کھلی ہوئی جنگ ہوئی۔ یہ "جنگ چوسہ" کا نام سے مشہور ہے۔

اس سے پہلے شیر خاں اپنی تمام فوج قلعہ رہتاس میں جمع کر چکا تھا اور ہمایوں کا لشکر قلعہ گور پر پہنچ کے اس پر قابض ہو چکا تھا مگر مغل دارالسلطنت آگرہ میں ہمایوں کے بھائی ہندال نے بغاوت کر دی تھی۔ ہمایوں نے اسے راہ راست پر لانے کے لیے شیخ پھول کو اس کے پاس بھیجا مگر ہندال نے ان کی باتوں پہ کان دھرنے کی بجائے انہیں قتل کرا دیا۔ ہندال نے آگرہ کے لودھی گورنر جس کا نام بہلول لودھی تھا' کو بھی تہہ تیغ کرا دیا ہمایوں کا دوسرا بھائی مرزا کامران اپنا صدر مقام لاہور چھوڑ کر آگرہ کا تخت حاصل کرنے کے لیے آگرہ کی طرف چل پڑا تھا۔

مغل بادشاہ ہمایوں نے گور پر قبضہ کے بعد یہ سمجھ لیا تھا کہ اس نے بنگال پر قبضہ کر لیا ہے اس لیے وہ اپنی عادت کے مطابق بنگال کی فتح کا جشن منانے کے لیے قلعہ گور میں فروکش ہو گیا۔ شیر خاں نے ہمایوں کو قلعہ گور تک پہنچنے سے پہلے کئی مقام میں روکا تھا اور اس کے ہراول کو جنگ میں الجھا دیا تھا۔ شیر خاں قلعہ گور کو چھوڑنا چاہتا تھا مگر اس سے قبل وہ بنگال کا خزانہ جو اس نے گور میں جمع کر دیا تھا اسے قلعہ رہتاس میں منتقل کر دینا چاہتا تھا۔

چنانچہ اس نے مغل لشکر کو راستہ میں اس وقت تک مختلف مقامات پر الجھائے رکھا جب تک اس نے اپنا خزانہ رہتاس کے قلعہ میں منتقل نہ کر دیا۔ اس اہم کام سے فارغ ہونے کے بعد شیر خاں نے قلعہ کو تباہ کرنے کے بجائے خوب آراستہ پیراستہ کرایا تاکہ ہمایوں جب عیاش طبعیت بادشاہ قلعہ کی رنگینیوں میں الجھ جائے اور کسی اور طرف توجہ نہ کر سکے ایسا ہی ہوا ہمایوں گور پر قبضہ کے بعد پورے ۸ ماہ تک قلعہ میں عیش و عشرت کی محفلیں سجاتا رہا۔ اپنے اس یادگار جشن کی یاد میں اس نے گور کا نام جنت آباد رکھ دیا۔

اگر آگرہ میں بغاوت نہ ہو جاتی تو شاید ہمایوں اب بھی قلعہ گور کو نہ چھوڑتا مگر ہندال کے آگرہ پر قبضہ اور کامران کے لاہور سے آگرہ کی طرف روانگی کی خبر سے اسے اس عشرت کدے سے نکلنا پڑا۔

اس تمام عرصہ کے دوران شیر خاں کی نظریں آگرہ اور قلعہ گور پر لگی ہوئی تھیں اور وہ اپنی طاقت میں روز بروز اضافہ کر رہا تھا۔ آگرہ میں بغاوت کی اطلاع پر شیر خاں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اب ہمایوں آگے بڑھنے کے بجائے آگرہ واپس جانے کا قصد کرے گا اور ممکن ہے کہ واپسی کے وقت اس سے دو دو ہاتھ کرنے کا بھی فیصلہ کرے اس لیے شیر خاں کیوں نہ خود ہمایوں کو اس وقت جنگ کے میدان میں آنے پر مجبور کرے۔ اس نے اپنے سرداروں سے مشورہ کیا اور انہوں نے شیر خاں کے فیصلہ پر لبیک کہا۔

ہمایوں' جنت آباد کے عشرت کدے کو خیرباد کہہ کے آگرہ میں بھائیوں کی بغاوت فرو کرنے کے لیے نکلا تو دوسری طرف سے شیر خاں اپنی پوری طاقت کے ساتھ قلعہ رہتاس سے ہمایوں کے ساتھ پہلی کھلی جنگ کرنے روانہ ہوا۔ اس وقت اس کے پاس ستر ہزار سپاہی اور پانچ سو ہاتھی تھے۔

اس وقت ہمایوں دریائے گنگا کے کنارے مکسر کے بالمقابل چوسہ یا چونسہ کے مقام پر فروکش تھا۔ برسات کا موسم شروع ہو چکا تھا مگر ہمایوں کی سستی کا یہ عالم تھا کہ اس نے دو ماہ کا پورا عرصہ دریا پر پل تعمیر کرانے میں لگا دیا مغل لشکر ایک تو بارشوں کی وجہ سے تنگ تھا دوسرے آگرے سے آنے والی اطلاعات نے اسے بد دل کر رکھا تھا۔

ایک روایت کے مطابق شیر خاں قلعہ رہتاس سے لشکر لے کر نکلا تو اس انداز سے کہ ہر منزل پر وہ کچا قلعہ بناتا اور اس میں مورچے بنا کر اس میں سپاہی مقرر کر دیتا تاکہ دشمن غفلت میں حملہ آور نہ ہو جائے۔ کچے قلعہ بنا کر لشکر کو آگے بڑھانے کا طریقہ اس قدر مقبول ہوا کہ ایک زمانہ تک یہ طریقہ اختیار کیا جاتا رہا۔

شیر خاں نے چاروں طرف سڑکوں اور راستوں پر جگہ جگہ سوار اور پیادے تعینات کر دیئے تاکہ مغلوں کو رسد حاصل کرنے میں وقت پیش آئے۔ مغل لشکر چونسہ کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ ایک تو بارش کا زمانہ تھا اور دوسرے شیر خاں کے سوار جگہ جگہ راستوں پر پھیلے ہوئے تھے اس لئے مغل لشکر کو غلہ پہنچنے میں دقت پیش آئی اور لشکر میں غلہ کی گرانی حد سے بڑھ گئی۔

ہمایوں نے اپنے سردار یعقوب بیگ کو چار ہزار سواروں کے ساتھ غلہ کی فراہمی کے لیے روانہ کیا۔ شیر خاں کے جاسوسوں نے فوراً" شیر خاں کو خبر پہنچا دی۔ شیر خاں نے اپنے

سردار ولی داد خاں کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ اس حکم کے ساتھ روانہ کیا کہ مغل سردار یعقوب خاں غلہ لے کر ہمایوں تک نہ پہنچنے پائے۔ ولی داد خاں نے بہادری کا ثبوت دیتے ہوئے یعقوب بیگ کو جا لیا۔

یعقوب خاں چار ہزار بیلوں پر مغل لشکر کے لیے غلہ لے کر آ رہا تھا۔ ولی داد خاں نے اس کا راستہ روکا۔ مقابلہ ایک اور چار کا تھا مگر ولی داد خاں کے سواروں نے ایک گھنٹے کی جنگ کے بعد یعقوب بیگ کو مار بھگایا۔ وہ غلہ اور کئی سو مقتولین میدان میں چھوڑ کر بھاگ گیا شیر خاں غلہ سے لدے چار ہزار بیلوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے ولی داد خاں کو انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا پھر ہمایوں نے شیخ بایزید کو غلہ لانے کے لیے بھیجا۔ وہ بہت کافی غلہ لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔ ہمایوں نے خوش ہو کر اسے فتح جنگ خاں کا خطاب عطا کر دیا۔

اب دونوں لشکر آمنے سامنے خیمہ زن تھے۔ روز جھڑپیں ہوتی تھیں مگر میدان کارزار گرم نہ ہوتا تھا۔ اس طرح ڈھائی ماہ گذر گئے۔ اس جنگ کے حالات لکھنے میں مورخین نے بہت جانبداری سے کام لیا ہے۔ افغان مورخ مغلوں کو کمزور اور بزدل ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر مغل دور کے مورخین شیر خاں کو کمزور ظاہر کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں لشکر طاقت میں تقریباً" برابر تھے اور بارش کی وجہ سے دونوں لشکروں میں ابتری پیدا ہو گئی تھی۔

اس سلسلہ میں یہ روایت حقیقت کی حد تک مشہور ہے کہ شیر خاں نے ہمایوں کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر بنگال اسے بخش دیا جائے تو وہ بنگال میں سکہ اور خطبہ ہمایوں کے نام کا جاری رکھے گا۔ ہمایوں اپنی جگہ پریشان تھا اس لیے اس نے شیر خاں کا یہ مطالبہ منظور کر لیا اور شیخ خلیل کو جو حضرت شیخ فرید گنج شکر کے صاحبزادے تھے کو شیر خاں کے لشکر میں اپنا وکیل بنا کر بھیجا اور یہ شرط رکھی کہ شیر خاں کا لشکر محض دکھاوے کے لیے کچھ دور رہتاس کی طرف پسپا ہو جائے تاکہ ہمایوں اپنے لشکر کو یہ سمجھا سکے کہ شیر خاں شکست کھا کر معاہدہ کر رہا ہے۔

شیر خاں اس کی یہ شرط ماننے پر تیار نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے بزرگ شیخ سے مشورہ مانگا شیخ خلیل نے کہا۔

"میں ہمایوں کا وکیل ہوں اس لیے اس کی خیر خواہی میرا فرض ہے۔ اب آپ میرا مشورہ چاہتے ہیں۔ مشورہ کے سلسلے میں سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ مشورہ ایک امانت ہے اور اس میں خیانت نہ ہونا چاہیے۔ میں رسالتمآبؐ کے حکم کی پابندی کرتے ہوئے مشورہ دیتا ہوں کہ مغل بادشاہ مخلص نہیں ہے۔ وہ ضرورتاً" صلح کرنا چاہتا ہے اس لئے وقت سے فائدہ اٹھا کر جنگ کرنا بہتر ہو گا"۔

شیر خاں نے بظاہر اپنی رضا مندی ظاہر کر دی اور شیخ خلیل واپس چلے گئے۔

دوسرے دن شیر خاں نے اپنا کچھ لشکر رہتاس کی طرف واپس کر دیا جو رات کو پھر واپس آ گیا اگلے دن شیر خاں نے پھر یہی ڈرامہ رچایا کہ دن کو لشکر رہتاس بھیجا جو رات کو پھر واپس آ گیا۔ اس طرح ہمایوں کو یقین ہو گیا کہ شیر خاں واپس جا رہا ہے اور اب جنگ کا کوئی امکان نہیں۔ اس اطمینان کے بعد ہمایوں اور اس کا لشکر غافل ہو گیا۔

شیر خاں اسی انتظار میں تھا۔ چنانچہ اس نے تیسری یا چوتھی رات کو اچانک اپنے تمام سرداروں کو اپنے خیمہ میں جمع کر کے اس پر انکشاف کیا کہ آج صبح سورج نکلنے سے پہلے مغل لشکر پر حملہ ہو گا۔ کیونکہ مغل بادشاہ کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔ شیر خاں کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنا ہر اہم فیصلہ قدم اٹھانے سے صرف چند گھنٹے پہلے اپنے سرداوں کو بتاتا تھا تاکہ اگر دشمن کے جاسوس لشکر میں ہوں تو بھی انہیں اس کا موقعہ نہ مل سکے کہ وہ یہ خبر دشمن تک پہنچا دیں۔

اس اعلان کے مطابق شیر خاں کے لشکر نے فوراً" تیاری شروع کر دی اور صبحدم اچانک مغل لشکر گاہ پر حملہ کر دیا۔ کہتے ہیں کہ اس وقت ہمایوں وضو کر رہا تھا۔ اسے شیر خاں کے حملہ کی خبر ہوئی تو اس نے فوراً" جوابی حملے کا حکم دیا۔ مگر جب وہ وضو سے فارغ ہوا تو مغل شکست کھا کر بھاگ رہے تھے ہمایوں بھی گھبرا کر گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔

اسی جنگ میں نظام سقہ کا واقعہ پیش آیا۔ ہمایوں نے گھوڑا دریا میں ڈالا تو گھوڑا اس کی رانوں سے نکل گیا اور ہمایوں ڈبکیاں کھانے لگا۔ اس کو ایک شخص نے ہمایوں کو اپنی مشک کا سہارا دیا اور ڈوبتے ہوئے ہمایوں کو مشک کے سہارے تیرا کر دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔

ہمایوں نے دوسرے کنارے پر پہنچ کر اپنے محسن سے نام دریافت کیا۔

"نام میرا نظام ہے اور سقہ گیری کا پیشہ کرتا ہوں"۔اس کے محسن نے بتایا۔

"مگر اس وقت تو تو میرے لیے نظام اولیا ہے۔ (نظام الدین اولیاءؒ)" تاجدار ہند نے کہا۔ "اگر کبھی قسمت نے یاوری کی تو میرے پاس آنا۔ منہ مانگی مراد پائے گا"۔

یہی وہ نظام سقہ ہے جس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ ہمایوں پندرہ سال ہندوستان بدر رہنے کے بعد جب دوبارہ ہند آیا تو نظام آگرہ اس سے ملنے گیا۔

نظام نے کہا "اے شاہا۔ مجھے پہچان اور اپنا وعدہ وفا کر؟"

تاجدار ہند ہمایوں نے دریافت کیا۔

"تیرا نام کیا ہے؟"

"میرا نام نظام ہے اور سقہ گیری کا پیشہ کرتا ہوں۔" نظام نے جو اس وقت کہا تھا وہی الفاظ دہرا دیئے۔

شہنشاہ ہمایوں نے اسے فوراً پہچان لیا اور نظام کی حسب خواہش اسے نصف دن کی بادشاہی عطا کر دی۔ نظام سقہ نے اسی وقت تخت پر جلوس فرمایا۔ اس مبارک ساعت کی یادگار کے طور پر اپنی اس مشک کے ٹکڑے کرا کے انہیں بطور سکہ رائج کیا اور یہ سکے نصف دن تک چلتے رہے۔

جنگ چونسہ اگرچہ اچانک نہ تھی مگر شیر خاں کی فتح اس قدر اچانک اور حیران کن تھی کہ ہر شخص انگشت بدنداں رہ گیا شیر خاں کے بیٹے اور لشکری اس فتح سے اس قدر خوش ہوئے کہ مسرت سے رقص کرنے لگے اور جگہ جگہ شش تارے (ایک ساز) بجنے لگے مگر شیر خاں گھوڑے سے اترا اور اپنے خالق حقیقی کے حضور میں سجدہ ریز ہو گیا۔

پھر شیر خاں سوار ہو کے میدان جنگ میں پہنچا۔ اس کے بڑے بڑے سردار اس کے گرد حلقہ باندھے ہوئے۔ ہر شخص کا دل نیاز مندی اور فتح کے جذبات سے معمور تھا۔ اس وقت شیر خاں نے دیکھا کہ اس کے سپاہی حرم ہمایونی کو معہ ان کی کنیزوں اور خادماؤں کے لیے آ رہے ہیں۔ شیر خاں کا نیاز مند دل اور زیادہ جھک گیا۔ وہ گھوڑے سے اتر پڑا اور خواتین کی مناسب تنظیم بجا لایا۔

اس کے بعد شیر خاں نے حرم ہمایوں کو مخاطب کیا۔

"میں وہی فرید خاں ہوں جو آپ کا خادم تھا۔ میرے پاس آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو گی۔ بادشاہ سلامت آگرہ چلے گئے ہیں۔ چند روز بعد آپ کو ان کے پاس بھیج دیا جائے گا۔ کسی قسم کا تردد کرنے کی ضرورت نہیں ہے"۔

شیر خاں نے اپنے حرم کے قریب ہی ہمایونی حرم کے خیمے لگوا دیئے اور ان کے طعام اور لباس کا معقول انتظام کرایا ایک تاریخی بیان کے مطابق ہمایوں کے خاندان کے چار ہزار مغلانیاں شیر خاں کے سامنے پیش کی گئی تھیں جن مغلانیوں کے ساتھ مرد تھے انہیں گھوڑے مہیا کیے گئے اور سفر خرچ دیا گیا کہ وہ جہاں چاہیں چلی جائیں۔ تمام بوڑھے اور معزز افغانوں کو ان بیگمات کا پہریدار مقرر کیا گیا تاکہ کوئی افغان سپاہی کسی مغلانی کی بے حرمتی نہ کر سکے۔اس کے ساتھ ہی شیر خاں نے پورے لشکر میں اعلان کرا دیا کہ اگر کسی سپاہی نے ان بیگمات کو بری نظر سے دیکھنے کی کوشش کی تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام خواتین کی عزت و حرمت برقرار رہی۔

شیر خاں میں اس فتح سے کوئی غرور پیدا نہیں ہوا بلکہ اس عظیم کامیابی سے اس کا سر نیاز اور زیادہ جھک گیا۔ ممکن ہے کہ شیر خاں کو بابر کا ابراہیم لودھی کے ساتھ شریفانہ سلوک یاد آ گیا ہو بابر بھی مرحوم سلطان الہند ابراہیم لودھی کی بیگمات کے ساتھ اسی طرح ادب سے پیش آیا تھا۔ پھر جب ہمایوں کابل پہنچ گیا تو شیر خاں نے حرم ہمایونی کو اپنے آدمیوں کی حفاظت میں کابل بھجوا دیا تھا۔

شیر خاں نے ہمایوں کے تمام بڑے بڑے سرداروں کو رہا کر دیا اس نے شیخ خلیل پسر حضرت بابا فرید گنج شکر کو اپنے پاس روک لیا اور انہیں اپنے خاص امرا میں داخل کیا۔ انہی کے مشورہ پر شیر خاں نے ہمایوں پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اب شیر خاں، شیر شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا اس نے تخت پر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز شکرانہ ادا کیے۔ ایک ہفتہ تک جشن مسرت کی تقریبات ہوتی رہیں۔ غربا میں کھانے اور نقد رقم تقسیم کی گئی۔ کچھ امیروں کو جاگیریں ملیں کچھ انعام و اکرام سے سرفراز ہوئے اور شیر شاہ کے نام کا سکہ اور خطبہ جاری ہوا شیر شاہ کے سکہ کے ایک رخ پر لفظ فارسی۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ
اور دوسرے رخ پر لفظ ہندی
سلطان شیر شاہ خلد اللہ ملک و سلطنت
سلطان حفیظ الدنیا و الدین
درج تھا۔

اس سے پہلے کسی مسلم بادشاہ نے سوائے سلیم شاہ کے اپنے سکہ پر ہندی حروف میں اپنا نام کندہ نہیں کرایا تھا۔ یہاں تک اکبر بادشاہ جو بڑی حد تک ہندو بن گیا تھا اس نے بھی سکہ پر اپنا نام ہندی خط میں درج نہیں کرایا تھا۔ شیر شاہ کے سکہ پر اپنا نام ہندی حروف میں کندہ کرانے سے اس کی ہندی رعایا پر بہت اچھا اثر پڑا اور وہ افغانوں کو بدیسی حکومت سمجھنے کے بجائے اپنی دیسی حکومت سمجھنے لگے۔ شیر شاہ نے سکہ پر چاروں خلفاء کے نام بھی کندہ کرائے تھے۔ اس سے اس کا یہ مقصد معلوم ہوتا تھا کہ شعبہ، سنی اختلاف کی جہاں تک ہو سکے روک تھام کی جا سکے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ ہمایوں کے ایران سے واپس آنے کے بعد شیعہ سنی چپقلش کا آغاز ہوا تھا۔ مگر بعض حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خیالات یہاں پہلے راہ پا چکے تھے۔

ہمایوں، بنگال میں چھ ہزار سواروں کے ساتھ قلی بیگ کو چھوڑ آیا تھا۔ شیر شاہ نے خواص خاں کو بنگال بھیجا۔ اس نے بنگال پہنچ کر مغلوں کا قلعہ قمع کر دیا اور بنگال کو مغلوں سے پاک کر دیا اسی دوران شیر شاہ کو معلوم ہوا کہ ہمایوں قنوج کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے چنانچہ شیر شاہ نے گجرات اور مالوہ کی جانب مسند عالی عیسیٰ خاں کو اس پیغام کے ساتھ بھیجا۔

"ہم جلد اس طرف اپنے بیٹے قطب خاں کو بھیج رہے ہیں۔ جب ہمایوں قنوج کی طرف کوچ کرے، آپ لوگ ہمارے بیٹے کے ساتھ مل کر آگرہ اور دہلی پر حملہ کر دیجیے"۔

مسند عالی عیسیٰ خاں نے ان علاقوں کا دورہ کیا اور شیر شاہ کا پیغام انہیں پہنچایا بہتوں نے زبانی طور پر مدد کا وعدہ کیا۔ صرف دریا خاں گجراتی نے شیر شاہ کو صاف الفاظ میں لکھا۔

"ہمارا بادشاہ خورد سال ہے اور امرا آپس میں لڑتے رہتے ہیں اس لیے ہمارے لیے اپنی فوج ملک سے باہر بھیجنا ناممکن ہے"۔

سارنگ پور اور اجین کے حکمراں قادر شاہ (ملو خاں) نے شیر شاہ کو جو جواب لکھا اس میں اپنی مہر خط کے اوپر ثبت کی۔ اس زمانہ کے دستور کے مطابق ماتحتوں کو جو خط لکھے جاتے تھے ان کے خط کے اوپر مہر ثبت ہوتی تھی۔ گویا قادر خاں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ شیر خاں کو اپنے ماتحت یا اپنے سے کمتر سمجھتا ہے۔ شیر شاہ نے اس بے ادبی کو محسوس کیا اور "مہر" والا حصہ چاک کر کے تلوار کی میان میں رکھ لیا کہ آئندہ اس سلسلہ میں کارروائی کی جائے گی۔

شیر شاہ نے اب مغلوں کو ملک سے نکال دینے کے لیے مغرب کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ دوسری طرف ہمایوں نے آگرہ پہنچ کر اپنے ناعاقبت اندیش بھائیوں کو ایک بار پھر معاف کر دیا مگر اس نازک وقت میں بھی مرزا کامران اپنی بیس ہزار فوج کے ہمراہ لاہور روانہ ہو گیا۔ اس وقت تک شیر شاہ کالپی اور قنوج تک کے علاقے اپنے زیر نگیں کر چکا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے قطب خاں کو بھی مالوہ کی طرف روانہ کر دیا کہ ہمایوں جس وقت مشرق کی طرف پیش قدمی کرے تو وہ مالوہ سے نکل کر آگرہ کی طرف بڑھے اور ہمایوں کے لئے مشکلات پیدا کرے۔ مگر قطب خاں کا عسکری اور ہندال کی فوجوں سے سامنا ہو گیا۔ اس جواں مرد نے بڑی داد شجاعت دی مگر اس علاقہ کے کسی حکمراں نے اس کی مدد نہیں کی۔ پس اسے شکست ہوئی اور وہ میدان جنگ ہی میں مارا گیا۔

مغلوں کی اس جنگ سے ہمایوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ وہ فوج کے ہمراہ قنوج پہنچا۔ مورخ تاریخ رشیدی، مرزا حیدر و غلات اس معرکہ میں ہمایوں کے ساتھ تھا۔ اس کے بیان کے مطابق مغل لشکر کی تعداد ایک لاکھ تھی اور اس کے مقابلہ پر شیر شاہ کی فوج پچاس ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ شیر شاہ نے دریائے گنگا کے مشرقی کنارے پر مورچہ بندی کر رکھی تھی۔ ہمایوں کا پڑاؤ مغربی کنارے پر تھا۔

تقریباً" ڈیڑھ ماہ تک دونوں لشکر گنگا کے مخالف کناروں پر خیمہ زن رہے اس کا نقصان ہمایوں کو اٹھانا پڑا۔ اس کے کئی سردار مغل لشکر چھوڑ کے شیر شاہ کی طرف چلے

گئے۔ ان میں مرزا سلطان کا نام قابل ذکر ہے۔ اس لیے ہمایوں نے فوراً" جنگ کا فیصلہ کیا اور مغربی کنارے سے خود بھی مشرقی کنارے پر آگیا اور ایک نشیبی علاقہ میں مورچہ بندی شروع کر دی۔

دونوں لشکروں کے آمنے سامنے ہونے سے روز جھڑپیں ہونے لگیں یہاں تک کہ برسات کا آغاز ہو گیا۔ ہمایوں نشیب میں تھا اس لیے اسے مجبوراً" اونچی جگہ کی طرف جانا پڑا۔ یہ جگہ بالکل شیر شاہ کے پڑاؤ کے سامنے تھی۔ چنانچہ جب مغل خیمے ڈیرے لگانے لگے تو شیر شاہ نے ان پر حملہ کر دیا قبل اس کے کہ مغل فوج سنبھلنے پائے کہ افغانوں نے اسے شکست دیدی۔

ہمایوں بھاگ کے آگرہ پہنچ چکا تھا۔ شیر شاہ نے بر فرید کو کچھ فوج دے کر ہمایوں کے تعاقب میں آگرہ بھیجا۔ شجاعت خاں حاکم بہار اور فوجدار رہتاس کو حکم بھیجا کہ وہ فوراً" قلعہ گوالیار کا محاصرہ کرے۔ اس نے قاصد کو تاکید کر دی کہ شجاعت خاں کو یہ نہ بتائے کہ اس کا بیٹا اس جنگ میں کام آگیا ہے۔ شجاعت خاں حکم پاتے ہی گوالیار روانہ ہو گیا۔

ہمایوں کو آگرہ میں معلوم ہوا کہ افغان لشکر اس کے تعاقب میں آگرہ روانہ ہو چکا ہے تو اس نے آگرہ چھوڑ کر لاہور کا رخ کیا۔ بر فرید افغان فوج کے ساتھ آگرہ پہنچا۔ اسے وہاں ہمایوں تو نہ ملا مگر جو مغل اس کے ہاتھ آئے اسے اس نے تہہ تیغ کر دیا۔ اس کے پیچھے ہی شیر شاہ بھی آگرہ پہنچ گیا۔ اسے بر فرید کی سفاکی کا حال معلوم ہوا تو اسے بہت افسوس ہوا۔ اس نے بر فرید کو سخت اور سست کہا اور اسے خواص خاں کے ہمراہ ہمایوں کے پیچھے لاہور روانہ کر دیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ شیر شاہ' ہمایوں کو گرفتار یا قتل نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ اسے صرف ہندوستان بدر کرنا چاہتا تھا۔ اسی لیے اس نے خواص خاں کو حکم دیا کہ وہ ہمایوں کے عقب میں پچاس کوس کے فاصلہ پر رہے اور ہمایوں کو گرفتار یا قتل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ شیر شاہ خود بھی ان کے پیچھے دہلی پہنچا۔

دہلی میں شیر شاہ کے حضور سنبھل کا ایک وفد پیش ہوا۔ اس وفد نے حاکم سنبھل نصیر خاں کے ظلم و ستم کی شکایت پیش کی۔ شیر شاہ ان کی فریاد سن کر مسند عالی عیسیٰ خاں کو سنبھل کا حاکم بنا کر اس وفد کے ساتھ بھیج دیا۔ مسند عالی عیسیٰ خاں نے سنبھل روانہ ہوتے

ہوئے شیر شاہ کو نصیحت کی۔

"دراصل کوئی شخص اکیلا کچھ نہیں کر سکتا۔ راستہ چلنے کی اول شرط اچھے رفیقان سفر کا ہونا ہے۔ جو شخص اچھے ساتھیوں کا انتخاب نہ کر سکے یا انہیں اپنے ساتھ نہ رکھ سکے وہ دنیا میں کچھ حاصل نہیں کر سکتا"۔

شیر شاہ نے ہوات کا حاکم حاجی خاں کو بنایا اور جب وہ سرہند پہنچا تو وہاں کی ولایت پر خواص خاں کو فائز کیا۔ خواص خاں کو بعد میں لاہور بھی عطا کیا اور امیر الامرا کے خطاب سے بھی سرفراز فرمایا۔ شیر شاہ کے امرا میں خواص خاں سے بڑھ کر کوئی امیر ایسا پیکر وفا اور شجاعت نہ تھا۔

ہمایوں آگرہ سے بھاگ کر لاہور پہنچا۔ مرزا کامران اس کے ساتھ تھا۔ لاہور میں مغلوں کی ایک تازہ دم فوج ملی۔ اس نے دعویٰ کیا کہ اسے افغانوں سے جنگ کا موقع دیا جائے تو پچھلی تمام شکستوں کا ان سے بدلہ لے سکتے ہیں۔ ہمایوں نے انہیں حوصلہ دیا اور بہت سا جنگی سامان ساتھ کر کے فوج کو افغانوں کے مقابلہ پر بھیجا جو دہلی سے لاہور کی طرف آ رہی تھی۔ چنانچہ دونوں فوجوں کا سلطان پور کے مقام پر سامنا ہوا اور جنگ چھڑ گئی۔ دعویٰ کرنے والے مغلوں کو اس بار بھی شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

یہ دراصل چوہے بلی جیسی جنگ تھی۔ ہمایوں آگے آگے بھاگ رہا تھا اور شیر شاہ اس سے پچاس کوس پیچھے تعاقب میں آ رہا تھا۔ سلطان پور میں مغلوں کو شکست ہوئی اور اس کی خبر ہمایوں کو پہنچی تو کامران کے ساتھ کابل کی طرف روانہ ہو گیا۔ شیر شاہ اس کے پیچھے لاہور پہنچا اور بغیر وہاں ٹھہرے آگے بڑھ کے خوشاب میں قیام کیا۔ وہاں ٹھہر کے شیر خاں نے خواص خاں اور عیسیٰ خاں نیازی کو ہمایوں کے تعاقب میں بھیجا۔

خواص خاں اور عیسیٰ خان نیازی دو ہی منزل پہنچے تھے کہ انہیں اطلاع ملی کہ مغلوں کا لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو کے افغانون کے مقابلہ پر آ رہا ہے۔ افغان بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ افغانوں کا ایک حصہ دریا کے اس طرف ٹھہرا اور دوسرا حصہ دریا پار کر کے دوسری طرف پہنچا۔ وہ کچھ اور آگے گئے تو انکشاف ہوا کہ مغلوں کا کوئی لشکر حملہ کرنے نہیں آ رہا بلکہ مرزا کامران' ہمایوں کو چھوڑ کر کابل کی طرف جا رہا ہے۔

مرزا کامران کی خواص خان سے مڈ بھیڑ ہو گئی مرزا کامران بیچارہ کیا مقابلہ کرتا۔ افغان لشکر کو دیکھ کر وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور علم و نقارہ وہیں چھوڑ گئے۔ خواص خاں نے علم و نقارہ پر قبضہ کیا اور واپس آ کے شیر شاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

خوشاب میں قیام کے دوران اسماعیل خاں' فتح خاں اور غازی خاں بلوچ شیر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ملازمت کی درخواست کی جو شیر شاہ نے قبول فرمائی ۔ شیر شاہ نے انہیں گھوڑے داغنے کو کہا تو عیسیٰ خان نے بڑے ادب سے عرض کیا۔

"عالی جاہ۔ گھوڑے داغنے کا کیا ہے اگر آپ حکم فرمائیں تو ہم اپنے آپ کو بھی داغ لیں"۔

شیر شاہ نے خوش ہو کر اسماعیل خاں کو سندھ کا حاکم مقرر کر دیا۔

اسی جگہ شیر شاہ کے آبائی وطن روہ (افغانستان) کے بہت سے افغان سردار اور عوام اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسے تاجدار ہند ہونے پر مبارک باد پیش کی ۔ شیر شاہ ان سے کمال خندہ پیشانی سے ملا اور انہیں اس قدر مال و زر اور سامان دے کر رخصت کیا ان کی غربت دور ہو گئی۔

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جس وقت شیر شاہ سوری جواب سلطان شیر شاہ کے نام سے پکارا جاتا تھا دہلی میں مقیم تھا تو اس کے حضور سنبھل کا ایک وفد پیش ہوا تھا جس نے حاکم سنبھل نصیر خاں کے ظلم و ستم کی سلطان شیر شاہ سے شکایت کی تھی اور سلطان نے مسند عالی عیسیٰ خاں کی جگہ سنبھل کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔

مسند عالی عیسیٰ خاں' سنبھل پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ نصیر خاں نے ہمایوں کے ایک سردار بیرم خاں کو گرفتار کیا ہے اور اس سے عداوت رکھنے کی بنا پر اس کے قتل کے در پے ہے۔ بیرم خاں کا قصہ یہ ہے کہ جس وقت ہمایوں کو شیر شاہ کے ہاتھوں شکست ہوئی تو بیرم خاں بھاگ کے میاں عبدالوہاب رئیس سنبھل کے پاس پناہ گزیں ہو گیا۔ میاں عبدالوہاب مشہور شخصیت میاں عزیز اللہ خاں کا بیٹا تھا اور بیرم خاں سے اس کے تعلقات بہت گہرے اور دیرینہ تھے۔



نصیر خاں جب حاکم سنبھل ہو کے آیا تو میاں عبدالوہاب نے اس کے ڈر کی وجہ سے

بیرم خاں کو لکھنؤ کے راجہ سترسین کے پاس حفاظت کے لیے پہنچا دیا۔ میاں عبدالوہاب کو معلوم تھا کہ نصیر خاں اور بیرم خاں میں آپس میں شدید عداوت ہے۔ نصیر خاں کو سنبھل آتے ہی معلوم ہو گیا کہ اس کا دشمن بیرم خاں' لکھنؤ میں راجہ سترسین کے پاس ہے۔

نصیر خاں نے راجہ کو ایک سخت پیغام بھیجا اور راجہ خوف کی وجہ سے بیرم خاں کو کسی بہانہ سے اپنے ساتھ لے کر نصیر خاں کے پاس پہنچ گیا اور اس کے سپرد کر دیا۔ نصیر خاں بیرم خاں کو قتل کرنے ہی والا تھا کہ مسند عالی عیسیٰ خاں فرشتہ رحمت بن کر سنبھل پہنچے۔ عیسیٰ خاں اور میاں عبدالوہاب میں بھی آپس میں گہرے تعلقات تھے۔ چنانچہ پہلی ہی ملاقات پر انہوں نے عیسیٰ خاں سے بیرم خان کا ذکر کیا۔

"مسند عالی ۔ خدا کے لیے کسی طرح بیرم خاں کی جان بچائیے ورنہ نصیر خاں انہیں قتل کرا دے گا؟"

"آپ فکر نہ کیجئے میاں وہاب" عیسیٰ خاں نے انہیں تسلی دی۔

مسند عالی عیسیٰ وہاں سے اٹھ کے سیدھے نصیر خاں کے پاس پہنچے اور تند لہجے میں کہا۔

"نصیر خاں۔ آپ نے میرے ایک دیرینہ دوست بیرم خاں کو اپنی قید میں رکھا ہوا ہے۔ انہیں فوراً" میرے حوالے کر دیجئے؟"

"وہ آپ کا دوست ہے؟" نصیر خاں نے حیرت سے پوچھا۔ "مسند عالی ۔ مجھے نہیں معلوم تھا ورنہ میں ایسی گستاخی ہرگز نہ کرتا"۔

اور نصیر خاں نے بیرم خاں کو رہا کر کے مسند عالی عیسیٰ خاں کے حوالے کر دیا۔

انہوں نے بیرم خاں کو اپنے پاس رکھا۔ پھر جب مسند عالی عیسیٰ خاں اجین کی مہم کے سلسلہ میں شیر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بیرم خاں کو ساتھ لیتے گئے اور انہیں سلطان کے حضور پیش کیا۔

سلطان نے دریافت کیا "اب تک یہ کہاں تھے؟"

مسند عالی عیسیٰ خاں نے عرض کیا۔

"شیخ ملہن قتال کے پاس مقیم تھے"۔

شیخ ملہن قتال' شیر شاہ کے آبائی وطن روہ (افغانستان کے ایک مشہور بزرگ شیخ احمد

شروانی کی اولاد سے تھے۔ تمام افغانستان ان کی عزت کرتا تھا سینکڑوں ہزاروں ان کے معتقد اور مرید تھے۔ غالباً" مسند عالی نے اسی لیے ان کے نام کا سہارا لیا تھا۔

چنانچہ سلطان نے فرمایا۔

"جس شخص کو شیخ ملہن نے پناہ دی اس کا قصور معاف ہے"۔

اس طرح شیر شاہ نے بیرم خاں کو معاف کرنے کا بہانہ ڈھونڈ لیا۔

فرید خاں شمشیر کے جوہر دکھا کر شیر خاں بنا تھا اور پھر عقل و فراست' دور اندیشی' تحمل و بردباری اور اعلیٰ ترین فوجی حکمت عملیوں کے زور پر تاجدار ہند نصیرالدین محمد ہمایوں کو شکست دے کر اب سلطان شیر شاہ سوری کے لقب سے تخت دہلی اور آگرہ کا مالک ہوا۔

اس نے اپنی عادلانہ اور درگزر کرنے کی سرشت کے تحت ہمایوں کے خاص کارکن بیرم خاں کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ مسند عالی عیسیٰ خاں کی سفارش پر اسے خلعت شاہی بھی عطا کیا۔ ایک روایت کے مطابق شیر شاہ کی خواہش تھی یا یہ اس کی عادت تھی کہ وہ جہاں بھی کوئی جوہر قابل دیکھتا اسے اپنے دربار میں لانے کی کوشش کرتا تھا۔

بیرم خاں کی ذہانت اور بردباری مشہور تھی شیر شاہ کا دل چاہا کہ وہ بیرم خاں کو اپنے حلقہ امرا میں داخل کرے مگر اسے یہ بھی معلوم تھا کہ بیرم خاں مغلوں کا ہمدرد ہے اس لیے اس نے اسی محفل میں خلوص اور وفا پر گفتگو شروع کی۔ شیر شاہ نے بیرم خاں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ہر کہ اخلاص دارد خطا نمی کند"

(جس میں خلوص ہوتا ہے وہ غلطی نہیں کرتا)

ممکن ہے بیرم خاں اس جملے میں چھپا ہوا مقصد پا گیا ہو۔ چنانچہ اس نے فوراً" جواب دیا۔

"عالی جاہ۔ چنیں است ہر کہ اخلاص دارد خطا نمی خواہد کرد"۔

(عالی جاہ۔ یہ اس طرح ہے کہ جس میں خلوص ہوتا ہے وہ غلطی کرنا نہیں چاہتا)۔

شیر شاہ اس جواب سے فوراً" سمجھ گیا کہ بیرم خاں اب تک ہمایوں سے مخلص ہے اور اس کا خیر خواہ ہے اس وجہ سے اس کی ملازمت میں آنے پر رضا مند نہیں۔ مسند عالی عیسیٰ خاں جن کی کوشش سے بیرم خاں کی جاں بخشی ہوئی تھی وہ بھی چاہتے تھے کہ بیرم

خاں جیسا دانا آدمی شیر شاہ کے حلقہ میں شامل ہو جائے۔ لیکن بیرم خاں کے جواب نے انہیں بھی مایوس کر دیا پھر بھی انہوں نے ایک اور کوشش کی مسند عالی نے شہنشاہ کے حضور عرض کیا۔

"عالی جاہ۔ جب آپ نے مجھ ناچیز کی خاطر بیرم خاں کو خلعت عطا کیا ہے تو ابو القاسم کے پاس ان کا خیمہ نصب کرانے کا بھی حکم صادر فرمایا جائے"۔

مسند عالی کی سفارش پر بیرم خاں کا خیمہ ابو القاسم کے خیمے کے برابر نصب کر دیا گیا (ابو القاسم ' ہمایوں کے دور میں گوالیار کا قلعہ دار تھا۔ جب ہمایوں کو قنوج پر شکست ہوئی تو شیر شاہ کے حکم سے شجاعت خاں فوج لے کر گوالیار پہنچا۔ اس وقت ابو القاسم نے درخواست کی اور شیر شاہ کی ملازمت میں آ گیا۔ ابو القاسم کے برابر خیمہ لگوانے سے مسند عالی کا یہ مقصد تھا کہ ابو القاسم اور بیرم خاں میں گفتگو ہو گی تو ابو القاسم ضرور کہے گا کہ ہمایوں تو ہند کو چھوڑ بھاگا ہے تم بھی (بیرم خاں) میری طرح شیر شاہ کی ملازمت میں آ جاؤ۔

مسند عالی عیسیٰ خاں کا خیال درست نکلا۔ جب دونوں کے خیمے برابر لگے تو ان میں آنا جانا اور گفتگو شروع ہوئی مگر اس گفتگو کا بالکل الٹا نتیجا نکلا۔ ہوا یہ کہ ابو القاسم بیرم خاں کو اپنے ہم خیال بنانے کے بجائے خود بیرم خاں کا ہم خیال بن گیا۔ یعنی جس طرح بیرم خاں اب تک ہمایوں کا وفادار تھا اسی طرح ابو القاسم نے بھی ہمایوں کی وفاداری کی قسم کھائی اور دونوں میں صلاح ٹھہری کہ موقعہ پا کر دونوں شیر شاہ کے لشکر سے بھاگ کر ہمایوں کے پاس پہنچ جائیں۔

جب شیر شاہی لشکر نے اجین سے کوچ کیا تو بیرم خاں اور ابو القاسم شاہی لشکر سے بھاگ نکلے۔

تقدیر کا لکھا کون مٹا سکتا ہے۔ لشکر سے نکلنے کے بعد دونوں نے گجرات کا رخ کیا۔ ایسے مشہور آدمیوں کے فرار کی خبر چھپی نہیں رہ سکتی تھی فرار کے ساتھ ہی یہ خبر بھی جنگل کی آگ کی طرح دور دور تک پہنچ گئی ان کی تقدیر کا لکھا ہوا ایسا ہوا کہ شیر شاہ کا ایک قاصد سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ گجرات کی طرف سے اسی راستے سے واپس آ رہا تھا جس راستے سے دونوں مفرور گجرات جا رہے تھے۔

قاصد کو ابو القاسم قلعدار کے فرار کی خبر مل چکی تھی۔ خبر میں بیرم خاں کا ذکر اس

لیے نہیں تھا کہ وہ ابھی تک شاہی ملازم نہیں ہوا تھا۔ جب قاصد نے دو مفروروں کو بھاگتے دیکھا تو گھوڑے بڑھا کر انہیں پکڑ لیا۔

قاصد کو دراصل ابو القاسم کی تلاش تھی ابو القاسم تن و توش والا بھاری بھرکم انسان تھا۔ قاصد نے اسے پکڑا اور اس کے قتل کے در پے ہوا۔ اس وقت بیرم خاں کی رگ حمیت بھڑکی۔ اسے غیرت آئی کہ ابو القاسم محض اس کی وجہ سے جان سے جا رہا ہے۔

بیرم خاں نے قاصد سے کہا۔

"ابو القاسم تو میں ہوں"۔ یہ موٹا آدمی تو میرا ملازم ہے۔ تم اس بے گناہ کو مارتے ہو؟"

قاصد نے ابو القاسم کو چھوڑ کر بیرم خاں کو پکڑ لیا۔ اس وقت ابو القاسم کو بھی غیرت آئی۔ اس نے یہ گوارہ نہ کیا کہ بیرم خاں اس کے لیے اپنی جان کی قربانی دے اس نے قاصد سے کہا۔

"میں ابو القاسم ہوں۔ یہ میرا نوکر ہے۔ میری جان بچانے کی خاطر جھوٹ بول رہا ہے"۔

تھوڑی دیر تک یہی تماشہ ہوتا رہا۔ موت ابو القاسم کی سمت میں لکھی تھی چنانچہ وہ قتل ہوا اور بیرم خاں کسی نہ کسی طرح مارا مارا پھرتا ہوا ہمایوں کے پاس پہنچ گیا۔ اسی بیرم خاں نے آگے چل کے ہمایوں کے بیٹے اکبر اعظم کے زمانہ میں وہ عروج حاصل کیا کہ پورا نظام سلطنت اس کے ہاتھ میں آگیا۔ مگر واہ ری قسمت جس جگہ ابو القاسم کو قتل کیا گیا تھا اسی جگہ اکبر کے بیٹے جہانگیر کے حکم سے بیرم خاں کو بھی قتل کر دیا گیا۔

باغ خواجہ غازی میں جہاں ہمایوں بادشاہ مقیم تھا' ہر روز شیر شاہ کی خبریں آتی رہیں یہ عالم تین ماہ تک برقرار رہا۔ ہر خبر سے اطلاع ملتی کہ شیر شاہ آج چھ میل اور آگے بڑھ آیا ہے۔ یہاں تک کہ یہ خبر موصول ہوئی کہ وہ سرہند پہنچ گیا ہے شاہی لشکر میں مظفر خاں نام کا ایک ترکمان تھا۔ بادشاہ نے اسے قاضی عبداللہ کے ساتھ شیر شاہ کے پاس پیغام دے کر بھیجا۔ دونوں نے سرہند پہنچ کے شیر شاہ کے حضور عرض کیا۔

"ہمارے بادشاہ نے فرمایا ہے کہ اتنا ظلم کیوں کر رہے ہیں۔ انہوں نے آپ کے

لیے پورا ہندوستان چھوڑ دیا ہے۔ آپ لاہور ان کے لیے چھوڑ دیجئے۔ اس وقت جس سرہند پر آن پہنچے ہیں اسے اپنے اور ان کے درمیان سرحد بنا لیجئے؟"

لیکن اس ظالم شخص نے یہ بات تسلیم نہ کی اور جوابی پیغام بھجوایا۔

"میں نے تمہارے لئے کابل چھوڑ دیا ہے وہاں چلے جاؤ"۔

مظفر بیگ یہ جواب لے کر فورا" چل پڑا اور ایک تیز رفتار قاصد کو بادشاہ کی طرف اس پیغام کے ساتھ دوڑا دیا۔

"بادشاہ سلامت فورا" کوچ فرما جائیے"۔

جونہی قاصد نے یہ پیغام پہنچایا۔ حضرت بادشاہ نے کوچ فرما لیا۔ یہ گویا روز قیامت تھا۔ لوگوں نے سجے سجائے مکانات جوں کے توں چھوڑ دیئے۔ سارا سامان پڑا رہنے دیا صرف نقد رقم ساتھ لے لی۔ دریائے راوی عبور کیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔

بادشاہ کے تمام ساتھی پایان گھاٹ سے دریا سے پار اترے۔ کچھ دن دریا کے کنارے منزل کی یہیں شیر شاہ کا ایلچی خدمت شاہ میں حاضر ہوا۔ ایلچی نے بادشاہ سے ملاقات کی بادشاہ کا دل بہت ملول ہوا۔

پھر بادشاہ نے پریشانی کے عالم میں افیون کھائی اور نشہ میں سو گئے۔ خواب میں دیکھا کہ ایک معزز شخص سر تا پا سبز لباس پہنے ہوئے ہے۔ ہاتھ میں عصا ہے اور کہہ رہا ہے۔

"مرد بنو اور غم نہ کرو"۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا عصا بادشاہ کے ہاتھ میں دیدیا پھر کہا۔۔۔۔" خدا تعالیٰ تمہیں بیٹا دے گا۔ اس کا نام جلال الدین محمد اکبر رکھنا"۔

حضرت بادشاہ نے اس معزز شخص سے پوچھا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا۔

"ژندہ فیل احمد جام اور تمہارا وہ فرزند میری نسل سے ہو گا"۔

ان دنوں بی بی گونور حاملہ تھیں۔ سب کہنے لگے کہ اس کے یہاں بیٹا ہو گا لیکن اس باغ منشی میں بی بی گونور کے یہاں لڑکی ہوئی۔ اعلیٰ حضرت نے اس کا نام بانو بیگم رکھ دیا۔

اسی دن مرزا حیدر کو کشمیر پر قبضہ کرنے کا حکم صادر ہوا۔ اسی دن خبر آئی کہ شیر شاہ آن پہنچا۔ ہے عجیب پریشانی لاحق ہوئی۔ قرار پایا کہ صبح یہاں سے کوچ کر دیں گے۔

اس دوران جو بھائی لاہور میں تھے۔ وہ ہر روز باہم مشورے کرتے مگر کسی ایک بات پر اتفاق نہ ہوتا کہ شیر شاہ کے آنے کی خبر آن پہنچی۔ کوئی اور علاج سمجھ میں نہ آیا تو ایک پہرون باقی تھا کہ سفر اختیار کیا۔ بادشاہ کی خواہش تھی کہ کشمیر جائیں جہاں انہوں نے مرزا حیدر کاشغری کو بھیج دیا تھا لیکن ابھی تک مرزا کے کشمیر فتح کرنے کی خبر نہ آئی تھی۔ لوگوں نے رائے دی کہ اگر آپ کشمیر تشریف لے گئے اور وہ ملک فوراً فتح نہ ہوا اور اس وقت شیر شاہ لاہور میں ہوا تو بات بہت الجھ جائے گی اور وقت بہت نازک صورت اختیار کرے گا۔ حضرت نے فرمایا "میں اپنے بھائیوں کے ساتھ بدخشاں چلا جاؤں گا اور قابل مرزا کامران کے پاس رہنے دوں گا"۔

مگر کامران اس پر راضی نہ ہوا۔ اس نے کہا۔

"کابل کو حضرت فردوس مکانی (بابر) نے میری والدہ کو دیدیا تھا۔ اس لیے کابل جانا مناسب نہیں ہے"۔

بادشاہ نے کہا۔ "کابل کے لیے فردوس مکانی فرمایا کرتے تھے کہ میں کابل کسی کو نہیں دوں گا۔ میرے بیٹے کابل کا لالچ نہ کریں کیونکہ خدا نے تمام بیٹے مجھے اسی کابل میں عطا فرمائے اور تمام فتوحات کابل پر قبضہ کرنے کے بعد نصیب ہوئی ہیں"۔

حضرت نے مرزا کو بہت سمجھایا مگر وہ راہ پر نہ آیا بلکہ اور زیادہ زور ڈالنے لگا۔ بادشاہ مجبور ہو کر بھکر اور ملتان کی طرف چل پڑے۔

ملتان پہنچ کے ایک دن وہاں ٹھہرے۔ قلعہ میں جو تھوڑا غلہ میسر آیا وہ ساتھیوں میں بانٹا اور وہاں سے کوچ کر کے دریا کے کنارے آئے جو سات دریاؤں کا مجموعہ تھا۔

ہمایوں کی دونوں شکستوں میں بے شمار سپاہ کی ہلاکت کے علاوہ شاہی خاندان کے بہت سے اشخاص کو بھی موت کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ ایک روایت کے مطابق چونسہ کی جنگ میں آٹھ ہزار ترکی سوار ضائع ہوئے تھے۔ بابر کی بیٹی معصومہ بیوہ ہو گئی تھی اور حرم کی کئی خواتین دشمن کے ہاتھ لگ گئی تھیں۔ ان کی حفاظت کرتے ہوئے ہمایوں کے کئی نامی گرامی امرا قتل ہو گئے تھے۔ ہمایوں کی ایک بیوی بیگہ بیگم بھی گرفتار ہو کر بعد میں رہا ہوئی تھیں۔

ایک بیان یہ بھی ہے کہ شیر شاہ نے حرم شاہی کی ذمہ داری قبول فرمالی تھی اور اس نے اپنے طور پر اس ذمہ داری کو نبھایا بھی لیکن اس سلسلہ میں ہمایوں کے امرا اور شیر شاہ

سوری کے مابین جو لڑائی ہوئی اس میں شاہی خیمہ گاہ کی کئی عورتیں اور بچے ہلاک ہو گئے تھے جن کے بارے میں تاریخ کچھ نہیں بتاتی۔ صرف چند کے بارے میں علم ہو سکا تھا۔

ان خواتین میں قاسم حسین سلطان حسین مرزا کی بیوی عائشہ بے قراء بھی تھیں ان کے علاوہ ان میں بچا کہ بیگم بھی تھی جو بابر اور ہمایوں کی کنیزوں کی سربراہ تھی کچھ ایسی خواتین بھی تھیں جو بابر کی ماں کے ساتھ ۱۵۰۱ء میں سمرقند سے آئی تھیں ہمایوں کی چھ سالہ دختر عقیقہ بیگم بھی فوت ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ ہمایوں کی دو بیویاں بھی چونسہ میں رہ گئی تھیں۔ ہمایوں نے آگرہ سے فرار ہوتے وقت یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ ماں اور بہنوں کو (بجائے دشمن کے ہاتھ پڑنے کے) مار ڈالا جائے مگر ہندال نے اس کی مخالفت کی تھی۔

خدا خدا کر کے مفرور شاہی کارواں سات دریاؤں کے سنگم پر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ وہاں ایک کشتی بھی موجود نہ تھی۔ اسی حیرانی پریشانی کے عالم میں خبر موصول ہوئی کہ شیر شاہ کا ایک بڑا سردار خواص خاں فوج اور امراء کے ساتھ تعاقب میں آ رہا ہے۔ ہمایوں کے ساتھ فوج کافی تھی مگر بھاگنے والے کا دل چھوٹا ہوتا ہے۔ وہ ٹھہر کر مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہمایوں کو جلد سے جلد دریا پار کرنے کی فکر تھی۔

بادشاہ کو کسی نے اطلاع دی کہ اس علاقہ کا مالک بخشو نامی بلوچ ہے۔ اس کے پاس بہت سی کشتیاں ہیں۔ بادشاہ نے فوراً علم و نقارہ اور خلعت بھجوائی اور غلہ اور کشتیوں کی طلب کی۔

بخشو بلوچ نے کئی کشتیاں غلہ سے بھر کر بادشاہ کی خدمت میں بھجوا دیں۔ بادشاہ بہت خوش ہوئے۔ غلہ ہمرائیوں میں بانٹ دیا اور کشتیوں سے دریا پار کر لیا۔ وہاں سے یہ بے سرو سامان قافلہ بھکر پہنچا۔ بھکر کا قلعہ (ان دنوں) دریا کے بیچ میں بنا ہوا تھا اور بہت مضبوط قلعہ تھا۔ قلعہ کا گورنر سلطان محمود خاں تھا۔ وہ بادشاہ کی اطلاع پا کر قلعہ بند ہو گیا۔ بادشاہ قلعہ کے پہلو میں باغ شاہ حسین مرزا میں اترا اور بادشاہ نے اس کے پاس پیغام بھجوایا۔

"ہم مجبوراً تمہارے ملک میں آ گئے ہیں۔ یہ ملک تمہیں
مبارک ہو۔ ہم اس پر ہرگز قبضہ نہیں کریں گے خدا
تمہیں توفیق دے کہ تم خود ہمارے پاس آؤ اور واجبی

خدمت بجا لاؤ۔ کیونکہ ہم گجرات جانے کا ارادہ رکھتے
ہیں۔ تمہاری ولائت تمہیں ہی دے دیں گے"۔

مگر شاہ حسین مرزا کو بادشاہ کے حال زار پر رحم نہ آیا۔ وہ کبھی غلہ بھیج دیتا کبھی روک لیتا اس طرح اس نے بادشاہ کو طرح طرح کے حیلے بہانوں سے آٹھ ماہ تک وہاں پریشان کئے رکھا۔ پھر جب بادشاہ نے اس پر بہت زور دیا تو اس نے ایک دوسرا حربہ استعمال کیا۔ اس نے ایک قاصد کے ذریعہ بادشاہ کو پیغام بھیجا۔

"میری بیٹی کامران مرزا سے نامزد کی جا چکی ہے اس لیے
میں آپ سے ملاقات نہیں کر سکتا"۔

اس وقت مرزا ہندیال بھی دریا عبور کر کے وہاں پہنچ گئے تھے۔ بادشاہ حضرت والدہ کو دیکھنے کے لیے تشریف لائے۔ مرزا ہنداں کے حرم اور باقی تمام لوگوں نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضری دی اور سلام پیش کیا۔

یہ قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ عشق و ہوس کی پر کاری کہ اس فرار اور دربدری میں بھی حضرت نصیر الدین محمد ہمایوں کے سر پر عشق کا بھوت یا ابوالہوس کا دیو سوار ہوا۔ ہمایوں کے کئی بیویاں اور اولادیں (لڑکیاں) تھیں لیکن عشق جنون پیشہ نے ریگ زار بکھر میں عشق و محبت کے گل بوٹے کھلائے۔ یہ قصہ اس طرح ہوا کہ ہندال کے حرم کے ساتھ جو خواتین بادشاہ کی حاضری اور سلامی کو آئی تھیں ان میں ایک پری جمال دوشیزہ حمیدہ بانو بنت شیخ بہلول تھی۔

شیخ بہلول کسی زمانہ میں ہمایوں کے خاص معتمد رہ چکے تھے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ہمایوں گور (بنگال) میں تھا اور ہندال نے آگرہ میں ہمایوں کے خلاف بغاوت کر دی تھی بغاوت کی خبر پا کر ہمایوں فوراً گور سے آگرہ کی طرف چلا تھا مگر چونسہ کے مقام پر اسے شیر شاہ نے روک کر شکست سے دو چار کر دیا تھا۔

اس وقت شیخ بہلول دارالسلطنت آگرہ میں ہمایوں کے معتمد کے طور پر موجود تھے۔ کہتے ہیں کہ جس وقت ہندال نے اپنے نام کا خطبہ پڑھوا لیا تو اس کے امیروں نے ہمایوں کے تمام معتمدین کو ختم کر دیا۔ اس وقت نور الدین محمد نے جو بابر کا داماد اور سلطان حسین بے قرا کا پوتا تھا' شیخ بہلول کو قتل کر دیا تاکہ دونوں بھائیوں کے درمیان اختلاف کی خلیج

اور گہری ہو جائے۔ اس وقت سے یہ لڑکی ہندال کی کفالت میں آ گئی تھی۔

جب حمیدہ بانو نے جو اب ایک خوبرو دوشیزہ تھی' ہمایوں کو سلام پیش کیا تو بادشاہ اسے دیکھتے ہی ہزار جان سے فریفتہ ہو گیا۔ ہمایوں اسے دیکھ کر ایسا بدحواس ہوا کہ فوراً" پوچھا۔

"یہ کون ہے؟"

کسی نے بتایا۔

"یہ دختر میر بابا دوست ہے اور نام اس کا حمیدہ بانو بیگم ہے"۔

ہمایوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ یہ شیخ بہلول کی دختر نیک اختر ہیں؟"

"جی عالی جاہ۔ آپ نے درست فرمایا"۔ بتانے والے نے ہمایوں کے خیال کی تصدیق کر دی۔

اس دوران حمیدہ بانو بیگم یہ سن کر کہ بادشاہ نے اس کے بارے میں کسی سے استفسار کیا ہے وہ شرم سے دہری ہوتی ہوئی جلدی سے دوسری طرف نکل گئی۔ مگر محبت کا دیوتا کیوپڈ جسے کام دیوتا اور "خدائے محبت" بھی کہا جاتا ہے' اپنا کام کر چکا تھا۔

ہمایوں اس واقعہ یا حادثہ کے بعد ایسا خاموش ہوا کہ دیر تک اس نے کوئی گفتگو نہ کی خواتین اور امرا میں پریشانی پھیل گئی مگر بڑی بوڑھی خواتین فوراً" سمجھ گئیں کہ یہ سب عشق خانہ خراب کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ ہو نہ ہو بادشاہ کا دل حمیدہ بانو بیگم پر آ گیا ہے اور اب کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلے گا۔

آخر بادشاہ نے خود ہی سکوت توڑا۔

"شیخ بہلول ہمارے رشتہ دار تھے"۔ ہمایوں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ لیکن اسے کسی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ چند لمحوں بعد بادشاہ پھر بولے۔ دریافت فرمایا۔

"بانو کا کوئی عزیز موجود ہے؟" خواجہ معظم قریب ہی کھڑے تھے۔ انہوں نے بتایا۔

"جی عالی جاہ۔ حمیدہ بانو میری عزیزہ ہیں"۔

بادشاہ نے پوچھا۔ "شیخ بہلول کو تو حادثہ پیش آ گیا تھا۔ بانو اب کس کی کفالت میں ہیں؟"

شیخ معظم نے جواب دیا۔ "حمیدہ بانو بیگم مرزا ہندال کی خیمہ گاہ میں رہتی ہیں اور وہی ان کے کفیل ہیں"۔

بادشاہ نے آہستہ سے کہا۔ "خواتین کے ہنگامہ کے بعد آپ ہم سے گفتگو کے لیے ٹھہر جایئے گا"۔

خواجہ معظم نے حکم شاہی پر سر تسلیم خم کر دیا۔

گھنٹہ دو گھنٹے بعد خواتین کا ہنگامہ بظاہر ختم ہو گیا لیکن اب ان میں ایک خاموش ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ بوڑھیوں کی یہ بات فوراً" پھیل گئی کہ حمیدہ بانو بیگم کے تیر نظر نے بادشاہ کا جگر چھلنی کر دیا ہے۔ خواتین جگہ جگہ سر جوڑ کے بیٹھ گئیں اور چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔



دوسری طرف تخلیہ ہونے پر بادشاہ نے بے تکلف خواجہ معظم سے کہا۔

حمیدہ بانو بیگم ہماری رشتہ دار ہیں ہم چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے عقد میں آ جائیں؟"

خواجہ معظم بادشاہ کی خاموشی سے پہلے ہی مشکوک ہو گئے تھے اور انہوں نے تمام متوقع سوالوں کے جوابات بھی سوچ لئے تھے۔ انہوں نے جواب دیا۔

"عالی جاہ کا خیال بہت نیک ہے۔ شیخ بہلول' شاہ معظم کے معتمد خاص تھے وہ بے گناہ قتل ہو گئے تھے۔ حضور بانو سے عقد فرمائیں گے تو ان کی قسمت کھل جائے گی اور غم بھی جاتا رہے گا"۔

"بس تو پھر ٹھیک ہے----" ہمایوں خوش ہو گیا۔ "نکاح کا انتظام کیا جائے" خواجہ نے مودبانہ جواب دیا۔ "عالی جاہ۔ میرے لئے اس سے بڑھ کے اور کیا خوشی ہو سکتی ہے لیکن بانو بیگم اپنے باپ کے قتل کے بعد سے مرزا ہندال کی خواتین کے ساتھ اور ان کی کفالت میں ہیں۔ اس لیے ان کی اجازت ضروری ہو گی"۔

ہمایوں نے مسکرا کے کہا۔ خواجہ معظم۔ یہ کام بھی آپ ہی کریں گے؟"

خواجہ نے دوبارہ سر تسلیم خم کر دیا۔ دوسرے دن خواجہ معظم' مرزا ہندال کے پاس پہنچے تو مرزا ہندال نے انہیں گھور کے دیکھا۔ ہمایوں کے بانو بیگم کو پسند کرنے کی بات ہندال

کے کانوں تک پہنچ گئی تھی۔

"خواجہ معظم ----- ہمیں معلوم ہے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"جی----- میں سمجھتا نہیں"۔ خواجہ کو علم ہی نہ تھا کہ بات اتنی دور تک پھیل چکی ہے۔

"آپ نہیں سمجھے مگر ہم سمجھتے ہیں"۔ ہندال نے غصہ سے کہا۔ "بہتر ہے کہ آپ بغیر کچھ کہے واپس چلے جایئے؟"

"مرزا محترم۔ میری بات تو سنئے"۔ خواجہ معظم نے بڑے خوشامدانہ انداز میں کہا۔ "میں آپ کے پاس بادشاہ کا پیغام لے کے آیا ہوں"۔

مرزا ہندال نے جل کے جواب دیا۔

"آپ پیغام میرے لئے بلکہ حمیدہ بانو بیگم کے لیے لائے ہیں۔ غضب خدا کا۔ بادشاہ کا تو دماغ چل گیا ہے۔ وہ موقعہ محل بھی نہیں دیکھتے۔ ہر طرف خوف و ہراس کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے ہیں۔ شیر شاہ کا ہر وقت دھڑکا لگا ہوا ہے اور انہیں ایسے میں عشق بازی سوجھی ہے"۔

"پھر میرے لئے کیا جواب ہے۔ میں بادشاہ سے کیا عرض کروں۔ "خواجہ معظم بھی چڑ گئے۔

"جو چاہیں جواب دے سکتے ہیں آپ"۔ مرزا ہندال نے پہلے جیسے سخت لہجے میں کہا۔ "میں بانو کو اپنی بہن اور بچی سمجھتا ہوں۔ وہ تو بادشاہ ہیں۔ کیا پتہ بانو ان کے ساتھ رہ سکے یا نہ۔ یہ بات میرے لیے انتہائی تکلیف کی ہو گی۔ پھر بانو بچی نہیں۔ بالغ ہے۔ اپنا اچھا برا سمجھتی ہے۔ اس کی مرضی معلوم کرنا ضروری ہے"۔

خواجہ معظم نے بادشاہ کو ہندال کا یہ پیغام پہنچایا تو وہ ناراض ہو گئے۔

حمیدہ بانو بیگم کے والد شیخ بہلول کا قتل اس وقت ہوا تھا جب ہمایوں گور (بنگال) میں مقیم تھا۔ ہمایوں نے اسے عشرت کدہ بنا دیا تھا اور اسی اعتبار سے گور نر کا نام جنت آباد رکھ دیا تھا۔ جنت آباد میں ہمایوں عیش و عشرت کے خوب مزے لوٹ رہا تھا کہ اسے جاسوسوں نے مطلع کیا کہ کچھ امرا نے بے وفائی کی ہے مرزا ہندال سے مل گئے ہیں۔ مرزا ہندال ان دنوں ہمایوں سے باغی تھے۔

عین اس زمانہ میں خبر ملی کہ شیخ بہلول نے زرہ بکتریں ' جنگی سامان اور گھوڑوں کی کاٹھیاں زمین میں دفن کر دی ہیں تاکہ انہیں شیر شاہ کو بھجوا دیا جائے۔ مرزا ہندال کو اس کا یقین نہ آیا۔ اس نے مرزا نور الدین کو تحقیقات کے لیے مقرر کیا۔ اس نے تحقیقات کی تو بات صحیح نکلی۔ اس لئے اس نے بندگی شیخ بہلول کو قتل کر دیا۔ بعد میں اسے معلوم ہوا کہ یہ سب شیخ بہلول کے خلاف سازش تھی اور وہ بے قصور ہے۔

ہندال کو اس بات کا بہت افسوس ہوا اور اس نے شیخ بہلول کی بیٹی حمیدہ بانو بیگم کو اپنے ساتھ رکھ لیا اور اس کی بیٹیوں کی طرح پرورش کی اسی لیے ہندال نے کہا تھا کہ بانو اس کی بہن اور بیٹی کے مانند ہے۔

ہمایوں کی تین بیویاں عائشہ سلطان بیگم دختر سلطان حسین مرزا' چاند بی بی اور شادل جانی چونسہ کے راستے میں تھیں کہ شیر خاں کا لشکر چونسہ پہنچ گیا۔ ان بیبیوں کی کوئی خبر نہیں ملی اور نہ کسی سے کچھ سنا گیا ان کی بہت تلاش کی گئی مگر شاید وہ دریا میں ڈوب گئیں یا پھر پتہ نہیں ان پر کیا بیتی۔ ہمایوں کی اس حرکت سے اس کے ذہن کا پتہ چلتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب ہمایوں' شیر شاہ کے خوف سے بھاگ کے بھکر پہنچا تو اس کے لشکر کی یہ کیفیت تھی کہ غلہ تقریباً" ناپید ہو چکا تھا اور سپاہی اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو ذبح کر کے اپنا پیٹ بھرتے تھے لیکن ان کے بادشاہ سلامت کو دل لگیاں سوجھ رہی تھیں اور انہیں اس ریگستان میں عشق و محبت کی ایک داستان چھیڑ دی تھی"۔

اب کیفیت یہ تھی کہ عاشق زار ہمایوں بادشاہ رات دن آہیں بھرتے اور ہر ایک سے سرد مہری کے شکوے کرتے حالانکہ ان کا عشق جو کہ سراسر بوالہوسی تھی' بالکل یک طرفہ تھا۔ حمیدہ بانو بیگم کو معلوم ہو گیا تھا کہ بادشاہ سلامت اس پر نظر رکھتے ہیں اور اسے عقد کے نام پر لونڈی بنا کر رکھنے پر بضد ہیں۔

ہمایوں نامہ کی داستان کے مطابق ہمایوں کی سوتیلی ماں دلدار بیگم نے جو ہمایوں نامہ کی مصنفہ گلبدین بیگم کی ماں تھی' بادشاہ سلامت کے پاس ایک خط بھیجا جس میں بادشاہ کو تسلی دی گئی کہ وہ دل پر قابو رکھیں وہ اپنی مراد کو جلد پہنچیں گے۔ اس سلسلہ میں وہ یعنی دلدار بیگم برابر بانو کی والدہ سے رابطہ قائم کئے ہوئے ہیں اور بانو کی ماں اپنی لڑکی پر پورا زور دے رہی ہے کہ وہ بادشاہ کے بے چین دل کو چین پہنچائے مگر ابھی تک بانو رضا مند

نہیں ہوئی۔ بہرحال بادشاہ کو تسلی رکھنا چاہیے۔

دلدار بیگم کے اس خط کے جواب میں بادشاہ سلامت نے فوراً" انہیں جواب بھجوایا جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا۔

"آپ نے جو بات لکھی ہے اس سے میں بہت خوش ہوا ہوں۔ آپ جو تجویز اور تحریک فرمائیں گی میں اسے بسرو چشم قبول کروں گا۔ باقی آپ معاش کے سلسلے میں جو کہیں گی اسے مان لیا جائے گا۔ میں چشم براہ رہوں گا"۔

اس خط کی عبارت سے بادشاہ کی بے چینی کا پوری طرح اظہار ہوتا ہے۔ بادشاہ تو خود مختار ہوتا ہی ہے پھر اس دور کے بادشاہ تو خود کو بادشاہ نہیں بلکہ "خدا" سمجھا کرتے تھے بہرحال بادشاہ کو "حمیدہ بانو" کے حصول کے لیے پاپڑ بیلنے پڑے۔

بادشاہ نے خط کا جواب ہی نہیں دیا بلکہ دوسرے دن دلدار بیگم سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ دلدار بیگم نے بادشاہ کو جواب دینا مناسب نہ سمجھا بلکہ خود ہی بادشاہ کے حضور چلی گئیں۔

بادشاہ بہت خوش ہوئے اور بولے۔

"آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ ملاقات کی تو ہم نے خواہش کی تھی؟"

دلدار بیگم نے جواب دیا۔ "بادشاہ ملاقات کے لیے جاتے نہیں بلکہ انہیں تشریف آوری کی دعوت دی جاتی ہے ان سے قدم رنجہ فرمانے کی درخواست کی جاتی ہے۔ اگر خدا نے مصیبت ڈالی ہے اور بادشاہ کا ستارہ گردش میں آگیا ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ذرا سی بات کے لیے دوسروں کے دروازوں پر جانے لگیں"۔

"آپ کے اس جواب نے تو ہمیں اور زیادہ خوش کیا۔ ہم آپ کے شکر گذار ہیں"۔ دلدار بیگم نے کہا۔ "آپ نے ملاقات کی خواہش کی تھی سو میں اس لیے حاضر ہوئی ہوں کہ آپ کو اپنے ساتھ اپنی خیمہ گاہ میں لے چلوں۔ امید ہے کہ آپ عزت افزائی فرمائیں گے"۔

"آپ فکر مند نہ ہوں۔ ہم آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہیں"۔ بادشاہ نے جواب دیا اور فوراً" تیار ہو کر دلدار بیگم کے ساتھ ان کے خیمے پر چلے گئے۔

اس دن دلدار بیگم کے خیمے میں خوب محفل جمی۔ محفل جمنے سے مراد محفل رقص و سرود ہی ہو سکتی ہے۔ اس غریب الوطنی اور بے سرو سامانی میں بھی بادشاہ اور ان کے اہل خاندان رقص و موسیقی کی محفلیں جمایا اور برپا کیا کرتے تھے۔

شام کو واپس ہوتے وقت بادشاہ نے حمیدہ بانو بیگم کا پھر ذکر چھیڑا دلدار بیگم نے انہیں مزید تسلی دی۔

"بادشاہ تردد نہ فرمائیں۔ بانو کی والدہ انہیں سمجھانے اور قائل کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں۔ انشاء اللہ جلدی بہتر نتیجہ برآمد ہو گا"۔

بادشاہ صبر کر کے واپس ہو گئے۔ مگر شاید رات بھر سو نہ سکے اور پوری رات تارے گنتے رہے تھے کہ صبح ہوتے ہی بغیر کسی اطلاع کے دلدار بیگم کے خیمہ پر پہنچ گئے۔

بادشاہ کے مزاج تو بخیر ہیں۔ یہ صبح ہی صبح کیوں زحمت فرمائی؟" دلدار بیگم ان کی صورت دیکھتے ہی سمجھ تو گئی تھیں مگر تکلف کے طور پر انہوں نے بادشاہ سے سوال کیا۔

بادشاہ نے بے تکلف سوتیلی ماں سے درد دل بیان کرنا شروع کر دیا۔

"کیا بتائیں تمام رات نیند نہ آ سکی۔ طبیعت میں عجیب سی بے چینی رہی۔ صبح دم خیال آیا کہ آپ کے پاس چلیں۔ شاید کچھ سکون ملے"۔

پھر ادھر ادھر دیکھ کے فرمایا۔

"کسی کنیز کو بھیج کے ذرا حمیدہ بانو بیگم کو بلوائیے تو؟"

دلدار بیگم دل میں بہت کڑھیں مگر بادشاہ کا لحاظ کرتے ہوئے بولیں۔

"میں بانو کو آپ کی ذمہ داری پر بلواتی ہوں۔ اگر وہ ناراض ہو گئیں تو میں ذمہ دار نہ ہوں گی"۔ بادشاہ کے تو دل کو لگی ہوئی تھی۔ فوراً" بولے۔

"ٹھیک ہے آپ ہماری ذمہ داری پر بلوا لیجئے۔ وہ آ جائیں تو ہم کہہ لیں گے کہ انہیں ہم نے بلوایا تھا"۔

دلدار بیگم نے کنیز کو بلا کر اسے سمجھایا "مرزا ہندال کی خیمہ گاہ میں جا کر حمیدہ بانو بیگم سے کہنا کہ بادشاہ سلامت میرے خیمہ میں تشریف فرما ہیں وہ تسلیمات کے لیے حاضر ہوں"۔

ادھر کنیز روانہ ہوئی ادھر ہمایوں کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ ان کو تو جیسے پنکھے

لگ گئے۔ کبھی اٹھتے' کبھی بیٹھتے تو کبھی ٹہلنے لگتے۔ دلدار بیگم سب کچھ دیکھ رہی تھیں اور دل ہی دل میں جلی جا رہی تھیں۔

بادشاہ ایک بار دلدار بیگم کے بالکل قریب آ کر بولے۔

"آپ کا کیا خیال ہے' بانو بیگم آ جائیں گی نا؟"

دلدار بیگم جو اور زیادہ سلگ اٹھی تھیں' ان کا دل تو چاہا کہ کہہ دیں کہ حمیدہ بانو بیگم ایسی بے غیرت تو نہیں کہ بادشاہ کا نام سن کر بھاگی چلی آئیں مگر وہ یہ تو نہ کہہ سکیں پھر بھی انہوں نے بہت جل کے بادشاہ سے الٹا سوال کر دیا۔

"آپ کا کیا خیال ہے بانو آ جائیں گی؟"

بادشاہ گھبرا گئے۔ بولے۔

"ہمارا دل تو کہہ رہا ہے کہ وہ ضرور آئیں گی۔ آخر ہماری بیکلی کا کچھ تو اندازہ ہو گا انہیں؟"

دلدار بیگم نے ان سے الجھنا مناسب نہ سمجھا اور ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ بانو آ جائیں گی"۔

کنیز کی واپسی تک بادشاہ پر ہزاروں قیامتیں گزر گئیں پھر جب کنیز خیمے میں داخل ہوئی تو بادشاہ نے خود چند قدم آگے بڑھ کے بیتابی سے پوچھا۔

"کیا بانو نے آنے کو کہا ہے؟"

کنیز نے منہ بنا کے کہا۔ "عالی جاہ۔ حمیدہ بانو بیگم نے صاف انکار کر دیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ اگر میرے آنے کی غرض یہ ہے کہ میں تسلیمات بجا لاؤں ، تو گزشتہ روز میں یہ ثمرات پا چکی ہوں پھر میں کیوں آؤں؟"

ہائے اے محبت کی جنوں سامانیاں۔ اس جواب کے باوجود عاشق زار کو ذرا غیرت نہ آئی۔ ایک بار دلدار بیگم کی طرف مایوسانہ نظروں سے دیکھا پھر اپنے غلام خاص سبحان قلی کو آواز دی سبحان قلی خیمہ کی دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ بادشاہ کی آواز سن کر فوراً" اندر داخل ہوا اور بادشاہ کو سلام پیش کیا۔

بادشاہ نے حکم دیا۔ "تم مرزا ہندال کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ حمیدہ بانو بیگم کو عالیہ دلدار بیگم کے خیمے میں بھیج دیں۔ ہم وہاں موجود ہیں"۔

سبحان قلی کے جانے کے بعد بادشاہ نے اطمینان کا سانس لیا اور دلدار بیگم سے بولے۔

"ہم نے آپ کی زبان بیکار خراب کرائی۔ ہمیں پہلے ہی مرزا ہندال کے ذریعہ بانو بیگم کو بلوانا چاہیے تھا"۔

دلدار بیگم تو جلی بیٹھی تھیں۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا بادشاہ نے جواب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان سے سوال کیا۔

"کیا خیال ہے آپ کا۔ اب تو آئیں گی بانو بیگم؟"

"جی ہاں۔ آئیں گی اور ضرور آئیں گی"۔ دلدار بیگم مختصر جواب دے کر خاموش ہو گئیں۔

بادشاہ کے دل میں حمیدہ بانو بیگم کے تصور سے لڈو پھوٹنے لگے۔

سبحان قلی بادشاہ کا پیغام لے کر مرزا ہندال کے پاس پہنچا مگر مرزا کی چڑھی ہوئی تیوریاں دیکھ کے خوفزدہ ہو گیا۔ مرزا کو معلوم ہو چکا تھا کہ حمیدہ بانو بیگم نے بادشاہ کے بلاوے پر جانے سے انکار کر دیا ہے اب جو مرزا نے بادشاہ کے خاص خادم سبحانی قلی کو آتے دیکھا تو غصہ کے مارے وہ بھنا اٹھے اور ان کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔

سبحانی قلی ان کے پاس پہنچ کے رکا اور ہاتھ باندھ کے اور سر جھکا کے کھڑا ہو گیا۔

"کیوں آئے ہو سبحانی قلی؟" مرزا نے غصہ سے کہا۔ "کیا بادشاہ نے ہماری طلبی کا فرمان جاری کیا ہے؟"

سبحانی قلی نے گھٹی آواز میں کہا۔

"آپ کی طلبی نہیں ہے حضور۔ بادشاہ سلامت نے فرمایا ہے کہ حمیدہ بانو بیگم کو ان کے پاس بھیج دیجئے"۔

مرزا ہندال نے سبحانی قلی کو تو کوئی جواب نہیں دیا وہ اپنی جگہ سے اٹھے باہر آئے اور برابر کے خیمے میں چلے گئے۔ سبحانی قلی نے اندازہ لگایا کہ مرزا ضرور بانو بیگم کے پاس گئے ہیں۔ اس نے صحیح اندازہ لگایا تھا۔

مرزا ہندال نے حمیدہ بانو بیگم کے خیمے میں پہنچتے ہی اس سے کہا۔

"جائیے۔ تشریف لے جائیے۔ بادشاہ سلامت آپ کو دیکھنے کے لیے بے چین ہو

رہے ہیں"۔

حمیدہ بانو بیگم نے مرزا ہندال کو سر سے پیر تک دیکھا۔ مرزا کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ بانو بیگم نے آواز دبا کے کہا۔

"یہ آپ کہہ رہے ہیں؟"

"ہرگز نہیں"۔ مرزا تقریباً چیخ پڑے۔ "بادشاہ کا قاصد آیا ہے۔ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں ان کے پاس بھیج دوں"۔

"تو کیا یہ آپ کا حکم ہے؟" حمیدہ بانو بیگم نے گھبرا کے مرزا کو دیکھا۔

"بانو۔ میں نے آج تک تمہیں حکم نہیں دیا۔ ہمیشہ اپنی بیٹی سمجھا ہے"۔ مرزا ہندال جذباتی ہو گئے۔ "تمہاری مرضی ہے۔ جانا چاہتی ہو تو چلی جاؤ۔ ورنہ صاف انکار کر دو؟"

"آپ کا حکم نہیں ہے تو میں نہیں جاؤں گی"۔ حمیدہ بانو بیگم نے پھر انکار کیا۔ "بادشاہ سے میں پہلے ہی انکار کر چکی ہوں"۔

"ٹھیک ہے" مرزا مطمئن ہو کے بولے۔ "میں قاصد کے ذریعہ یہی جواب بھجوائے دیتا ہوں"۔

یہ کہتے ہوئے مرزا ہندال وہاں سے نکل کے اپنے خیمہ میں آ گئے۔ سبحانی قلی نے پر امید نظروں سے انہیں دیکھا۔

"سبحانی قلی"۔ مرزا نے گمبھیر آواز میں کہا۔ "میں نے بانو بیگم سے بہتیرا کہا۔ مگر وہ جانے کے لیے آمادہ نہیں۔ تم چاہو تو خود بانو کے پاس جا کے جواب حاصل کر سکتے ہو؟"

مرزا جب سبحانی قلی کو جواب دے رہا تھا تو اسے یہ گمان ہوا تھا کہ بانو نے انکار نہیں کیا ہو گا بھلا بادشاہ کی زوجیت میں جانے سے کون انکار کر سکتا ہے پھر جب سبحانی قلی سے کہا گیا کہ وہ خود جا کر بانو سے بات کرے تو خوش ہو گیا۔

سبحانی قلی نے پوچھا۔ "بانو بیگم کہاں تشریف رکھتی ہیں؟"

"برابر کے خیمے میں حمیدہ بانو موجود ہیں"۔ مرزا ہندال نے جواب دیا "باہر غلام ہو گا۔ اس سے کہنا وہ تمہیں ملاقات کی اجازت لا دے گا"۔

سبحانی قلی باہر نکلا۔ غلام کے ذریعہ بانو کو اطلاع بھجوائی۔ پھر بانو کے سامنے پہنچ کے اس نے عرض مدعا کیا۔

"حمیدہ بانو بیگم۔ بادشاہ سلامت نے آپ کو بڑی امیدوں اور آرزوؤں سے یاد فرمایا ہے۔ امید ہے کہ آپ انکار نہ فرمائیں گی؟"

حمیدہ بانو بیگم جلسی بیٹھی تھیں۔ انہوں نے سبحانی قلی کو ڈانٹ دیا۔

"تم امید لگانے والے کون ہوتے ہو۔ جاؤ اور بادشاہ سے کہہ دو کہ ایک بار دیکھنا تو جائز ہے۔ دوسری بار دیکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ نامحرم ہیں اس لیے میں انہیں دیکھنے نہیں آؤں گی"۔

سبحانی قلی اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

سبحانی قلی نے بادشاہ کے حضور واپس جاکر مرزا ہندال اور حمیدہ بانو بیگم نے جو کچھ کہا تھا اور جو کچھ نہ بھی کہا تھا اسے لگائی بجھائی کے انداز میں بادشاہ سے بیان کر دیا۔ بادشاہ کو غصہ آگیا اور انہوں نے جلال شاہی کا اس طرح اظہار کیا۔

"سبحانی قلی۔ ایک بار پھر بانو بیگم کے پاس جاؤ اور ان سے کہنا کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم نامحرم ہیں تو اب محرم بن جائیں گے"۔

ہمایوں کے اس جواب سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر حمیدہ بانو عقد پر رضا مند نہ ہوتی تو وہ اسے جبر کے ساتھ بھی حاصل کرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔

پتہ نہیں کہ جب یہ نادر شاہی جواب سبحانی قلی نے حمیدہ بانو بیگم کو پہنچایا تو اس نے اس پر کیا رد عمل ظاہر کیا مگر آئندہ کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حمیدہ بانو نے اپنی رائے تبدیل نہیں کی اور اس میں بھی ضد پیدا ہو گئی۔

اس کے بعد ہی گلبدن بیگم کی ماں دلدار بیگم نے ایک بار پھر حمیدہ بانو بیگم سے ملاقات کی اور اسے ولیلوں سے قائل کرنے کی کوشش کی مگر حمیدہ بانو نے انہیں ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

دلدار بیگم نے بانو سے کہا۔

"آخر تم کسی نہ کسی شخص سے شادی تو کرو گی پھر بادشاہ سے کیوں نہیں کر لیتیں ان سے زیادہ کون آدمی بہتر ہے؟"

حمیدہ بانو بیگم نے جواب دیا۔ "یقیناً" میں کسی آدمی سے ضرور شادی کروں گی لیکن

ایسے آدمی سے جس کے گریبان تو کیا میرا ہاتھ اس کے دامن تک بھی نہ پہنچ سکے"۔

حمیدہ بانو بیگم اب تک اپنی جگہ اکڑی ہوئی تھی۔ دلدار بیگم روز اسے سمجھانے آتی تھیں مگر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوتی تھی۔ اس طرح پورے چالیس روز تک یہ جھگڑا چلتا رہا۔ بادشاہ اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے کہ وہ حمیدہ بانو بیگم سے ضرور عقد کریں گے اور حمیدہ بانو بیگم اپنی جگہ پر اکڑی ہوئی تھی۔ وہ بادشاہ کی عزت کرتی ہے مگر ان سے عقد نہیں کرے گی۔

مشہور ہے کہ کہنے سننے سے دیواریں بھی اپنی جگہ سے ہل جاتی ہیں اس میں سب سے زیادہ کوشش دلدار بیگم کی تھی آخر وہ کامیاب ہوئیں اور حمیدہ بانو بیگم کو بادشاہ کی ضد کے سامنے اپنی ہٹ چھوڑنا پڑی۔ اس طرح ۹۴۸ ہجری ماہ جمادی الاول بروز دو شنبہ بمقام پاتر ہمایوں بادشاہ اور حمیدہ بانو بیگم کا عقد ہو گیا۔

ہمایوں بادشاہ کے عشق یا بوالہوسی کی اس داستان کے بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس نے شیر شاہ سوری کے مقابلہ میں جو شکست کھائی اور ایسی شکست کہ اسے ریگستانوں میں بے خانماں مارا مارا پھرنے کے بعد ہندوستان کی سرزمین کو چھوڑنا پڑا' ہمایوں کی اس شکست میں دوسری وجوہات کے علاوہ ہمایوں کی عشرت پرستی کو بھی بہت بڑا دخل تھا۔

ہمایوں کے ہندوستان سے فرار کے سلسلے میں ایک بات اور قابل ذکر ہے وہ یہ کہ اس بھاگ دوڑ کے دوران سندھ کے مقام امرکوٹ میں حمیدہ بانو بیگم کے بطن سے ہمایوں کا بیٹا اکبر پیدا ہو جو آگے چل کر اکبر اعظم کے نام سے ہندوستان کا سب سے بڑا مغل بادشاہ ثابت ہوا۔

جس وقت شیر شاہ خوشاب میں تھا تو وہاں آس پاس کے تمام چھوٹے بڑے سرداروں نے شاہ کے حضور پیش ہو کے اس کی اطاعت کا اظہار کیا مگر گھکڑوں کے سردار رائے سارنگ نے نہ اطاعت قبول کی اور نہ شیر شاہ کے حضور میں کوئی وفد بھیجا۔ شیر شاہ کو یقیناً اس پر غصہ آیا چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ اس علاقہ میں ایک ایسا قلعہ تعمیر کیا جائے جو نہ صرف ناقابل تسخیر ہو بلکہ مغرب سے آنے والے حملہ آوروں کا راستہ بھی روکے۔

شیر شاہ نے خود علاقہ کا دورہ کیا اور قلعہ کی تعمیر کے لیے ایک جگہ پسند فرمائی یہ مقام دریائے جہلم جس کا پرانا نام بہت تھا کے کنارے شہر سے آٹھ میل پر واقع تھا اور اس کے

پاس لاہور سے کابل جانے والی سڑک گزرتی تھی۔

شیر شاہ نے قلعہ کی تعمیر کا فوراً حکم دیا اور ٹوڈرمل کھتری کو جو اکبر کے زمانہ میں راجہ ٹوڈرمل کے نام سے مشہور ہوا، قلعہ کی تعمیر کی ذمہ داری سونپی گئی رائے سارنگ کو قلعہ کی تعمیر سے اپنی موت نظر آ رہی تھی اس لئے اس نے تعمیر کی سخت مخالفت کی اور اعلان کرا دیا جو شخص قلعہ پر مزدوری کرے گا اسے جلا وطنی کی سزا دی جائے گی۔ مزدوروں نے گھبرا کے مزدوری چھوڑ دی۔

شیر شاہ کو معلوم ہوا تو اس نے ٹوڈرمل کھتری کو فرمان بھجوایا کہ مزدوری ایک اشرفی فی پتھر مقرر کر دو۔ یہ مزدوری عام مزدوری سے ہزار گنا سے بھی زیادہ تھی۔ مزدور رائے سارنگ کے خوف کو دل سے نکال کے کام پر آنے لگے اور قلعہ کی تعمیر زور شور سے شروع ہو گئی۔ پھر مزدوری آہستہ آہستہ کم کی جاتی رہی مگر مزدور کام کرتے رہے اور قلعہ بن کر تیار ہو گیا۔

شیر شاہ کے دل میں اپنے علاقہ بہار کے قلعہ رہتاس کی یاد ہر دم تازہ رہتی تھی چنانچہ اس نے اس قلعہ کا نام قلعہ رہتاس نو رکھا۔ اس قلعہ میں شیر شاہ نے تیس ہزار فوج متعین کر دی۔ اس طرح گکھڑوں کا زور ٹوٹ گیا۔

روایت ہے کہ قلعہ کی تعمیر سے پہلے شیر شاہ نے رائے سارنگ کی سرکوبی کے لیے لشکر بھیجا تھا رائے سارنگ تو ہاتھ نہ آیا مگر اس کی لڑکی اسیر ہوئی۔ شیر شاہ نے اسے خواص خاں کے حوالے کر دیا جس سے خواص خاں نے عقد کر لیا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ رائے سارنگ نے شیر شاہ کے حضور میں تھوڑی سی مکئی اور بھنگ بھیجی کہ اسی پر ہماری گزر اوقات ہے۔ ایک بیان یہ بھی ہے کہ رائے سارنگ نے شیر کی کھال اور چند تیر بھیجے تھے کہ یہی ہماری جائیداد ہے۔

شیر شاہ جس وقت ٹھٹہ کے قریب سیرو شکار میں مصروف تھا تو بنگال سے اس کے پرچہ نویسوں نے حاکم بنگال خضر خاں کے خلاف پرچہ لگایا جس میں درج تھا کہ خضر خاں نے بنگال کے سابق شاہ بنگال سلطان محمود کی بیٹی سے عشق لڑا کر اس سے شادی کر لی ہے اور اب اس نے بنگال کے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا اور تخت نشینی کی رسم بھی ادا کر لی ہے۔

خضر خاں کا خیال تھا کہ شیر شاہ اس وقت ہمایوں سے جنگ میں مصروف ہے۔ پھر ٹھٹہ اور بنگال کا فاصلہ کئی ہزار میل ہے۔ وہاں سے شیر شاہ کب آئے گا مگر اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ شیر شاہ جیسے پر عزم بادشاہ کے لیے فاصلے کوئی معنی نہیں رکھتے شیر شاہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر معہ لشکر کے ٹھٹہ سے بنگال پہنچا۔

خضر خاں کو شیر شاہ کے آنے کی اطلاع ملی تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

اس کے جن احباب اور سرداروں نے اسے شیر شاہ سے بغاوت کا مشورہ دیا تھا وہ شیر شاہ کا نام سنتے ہی اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ شیر شاہ نے خضر خاں کو معہ اس کی محبوبہ کے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا اور اس کی جگہ قاضی فضیلت کو حاکم بنگالہ مقرر کر کے صدر مقام آگرہ واپس ہو گیا۔



مالوہ میں ملو خاں کی حکومت تھی۔ اس نے قادر خاں کا لقب اختیار کر رکھا تھا۔ اس ملو خاں نے شیر شاہ کے بیٹے قطب شاہ کی ہمایوں کے خلاف کوئی مدد نہ کی تھی اور قطب شاہ ہمایوں سے جنگ کرتا ہوا مارا گیا تھا۔ چنانچہ اپریل ء میں شیر شاہ مالوہ کی طرف چلا۔ وہ گوالیار فتح کرتا ہوا سارنگ پور پہنچا تو ملو خاں نے اطاعت قبول کر لی۔ شیر شاہ نے یہ اس کی جگہ شجاعت خاں کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور رتھمبور فتح کرتا ہوا آگرہ واپس آ گیا۔

ذرا ذہن پر زور ڈالیں تو آپ کو ایک ہندو سردار پورن مل کا نام یاد آ جائے گا۔ اسے بھیا پورن مل کے نام سے پکارتے تھے۔ بھارت کے وسطی علاقہ میں ایک پہاڑی سلسلہ بندھیا چل کے نام سے مغرب سے مشرق تک چلا گیا ہے اس پہاڑی سلسلے کے درمیان میں نربدا اور تاپتی نام کے دو دریا بہتے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان میں ایک دریا مشرق سے مغرب کی طرف اور دوسرا دریا مغرب سے مشرق کی جانب بہتا ہے۔

اسی سلسلہ کوہ میں رائسین نام کی ایک ہندو ریاست تھی۔ اس ریاست کا راجہ مر گیا تو اس کی جگہ نابالغ راجکمار کو گدی نشین کر کے راجہ پورن مل نے جو ریاست کا ایک مضبوط سردار تھا، ریاست کے تمام انتظامات اپنے سپرد کرا لئے اور بلا شرکت غیرے حکومت کرنے لگا۔ راجہ یا رائے پورن مل کے زیر کمان ہر وقت چھ ہزار بانکے جوان رہتے تھے۔

اپنی بہادری اور طاقت کے زعم میں وہ زمین پر قدم نہ رکھتا تھا۔ لودھی تاجدار ہند ابراہیم لودھی کے زمانہ میں جب شیر شاہ جس کا نام اس وقت فرید خاں تھا اپنے چند کرم فرماؤں کے ساتھ سلطان ابراہیم کے دربار آگرہ میں جایا کرتا تھا۔ اسی دوران ایک دن بلگرام کا جو رائیسین کے اطراف میں واقع ہے' مسلمانوں پر مشتمل ایک وفد دربار میں حاضر ہوا۔ یہ تمام لوگ سادات بلگرام سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے سلطان کی خدمت میں دست بستہ عرض کیا تھا۔

سلطان الہند کا اقبال بلند ہو۔ ہم بلگرام کے عزت دار لوگ ہیں اور آپ کی رعایا ہیں۔ ہمارے قریب رائسین کی ہندو ریاست ہے جس کا راجہ مرگیا ہے اور ریاست کے ایک بڑے سردار رائے پورن مل نے نابالغ راجکمار کو گدی پر بٹھا کر ریاست کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے-----"

اس تمہید کو ختم کرو اور اصل بات بتاؤ؟" سلطان ابراہیم لودھی نے ناگوار انداز میں کہا۔

وفد کے رکن اعلیٰ نے عرض کیا۔ عالی جاہ۔ رائے پورن مل بہت بد معاش اور عیاش ہے----"

سلطان نے پھر اس کی بات کاٹی۔ ہم نے کسی ہندو راجہ کی عیاشی کو ختم کرنے کا ٹھیکہ تو نہیں لے رکھا ہے"۔ سلطان کا لہجہ سخت ہو گیا۔

فریادی وفد یقیناً" بہت جز بز ہوا ہو گا مگر پھر بھی وفد کے رکن اعلیٰ نے بات سنبھالتے ہوئے کہا۔

اے سلطان عادل۔ رائے پورن مل نے ہمارے دو گاؤں لوٹ لئے ہیں اور گاؤں کی تمام لڑکیوں اور جوان عورتوں کو پکڑ کر لے گیا ہے اور انہیں قید کر دیا گیا ہے"۔

اچھا ہم دیکھیں گے"۔ اتنا کہہ کے سلطان نے منہ دوسری سمت گھما لیا جس کا مطلب تھا کہ وہ اب اس سلسلے میں مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔

چنانچہ دربار کے داروغہ نے وفد کو باہر جانے کا اشارہ کیا مگر وفد شاید کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن داروغہ نے انہیں زبردستی بلکہ دھکے دے کر دربار سے باہر نکال دیا۔

فرید خاں اس دربار میں موجود تھا اور اس نے یہ تمام کارروائی دیکھی تھی۔ وہ اس

وقت خود اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کر رہا تھا اس لیے کچھ نہ کر سکا اور ایک آہ سرد" کھینچ کر رہ گیا۔ پھر جب فریادیوں کو دھکے دے کر دربار سے نکالا گیا تو فرید خاں نے اپنے دل میں ارادہ باندھا۔

اگر اللہ نے مجھے کبھی ہند پر فرمانروائی عطا کی تو میں رائے پورن مل سے ان مظلوموں کا ضرور بدلہ لوں گا"۔

مالوہ اور گوالیار کے جھگڑے نپٹانے کے بعد شیر شاہ ایک سال تک انتظامی اور تنظیمی معاملات میں الجھا رہا۔ اس دوران اس نے سڑکیں اور عمارتیں تعمیر کرائیں اس کے بعد بنگال اور بہار کے حالات کا معائنہ کرنے گیا۔ وہاں اس پر ملیریا کا اس قدر شدید حملہ ہوا کہ اس کے بچنے کی کوئی امید نہ رہ گئی۔

اس بیماری کے عالم میں معاً" شیر شاہ کو ابراہیم لودھی کے دربار میں پورن مل کے سلسلہ میں دل میں کیا ہوا عہد یاد آ گیا اس نے ایک بار پھر فیصلہ کیا کہ وہ تندرست ہوتے ہی سورج مل کو سزا دینے روانہ ہو جائے گا۔

اس سلسلہ میں ایک بیان یہ بھی ہے کہ رائسین کے رائے پورن مل نے کافی عرصہ پہلے چندیری کے لوگوں کو تہ تیغ کیا' نواحی علاقوں پر قبضہ کر لیا اور اپنے قلعہ واپس جاتے وقت بہت سی مسلمان عورتوں کو ہلاک کر کے جوان لڑکیوں کو پکڑ لے گیا۔ یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ وہ مسلمان لڑکیوں کو ناچنے اور ساقی گری پر مجبور کرتا تھا۔



شیر شاہ نے آگرہ واپس پہنچتے ہی لشکر کو تیاری کا حکم دیا لیکن قلعہ رہتاس نو پنجاب سے خواص خاں کا قاصد حاضر ہوا۔ قاصد نے پیغام دیا کہ خواص خاں اور ہیبت خاں نیازی میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور خواص خاں نے درخواست کی ہے سلطان شیر شاہ دو میں سے ایک کو اپنے پاس بلائے تاکہ جھگڑا ختم ہو سکے۔ شیر شاہ نے قلعہ رہتاس تیار کرانے کے بعد اس میں تیس ہزار لشکر رکھا تھا اور اپنے امرا میں سے امیرالامرا خواص خاں' اعظم ہمایوں اور چند اور بڑے سرداروں کو وہاں متعین کیا تھا۔ قلع داری کے فرائض شیر شاہ نے خواص خاں کے سپرد کئے تھے۔

اعظم ہمایوں لودھیوں کے زمانہ کا بڑا سردار تھا۔ وہ امیرالامرا خواص خاں کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اس طرح ان دونوں میں چل گئی اور خواص خاں نے فوراً" شیر شاہ کو حالات سے آگاہ کیا۔ شیر شاہ بڑے جرنیلوں کی بہت قدر کرتا تھا۔ اس لیے اس نے خواص خاں' عیسیٰ خاں نیازی اور حمید خاں کاکڑ کو اپنے پاس آگرہ بلوا لیا اور اعظم ہمایوں اور ہیبت خاں کو پنجاب کی حکومت سپرد کر کے ملتان پر حملہ کا حکم دیا۔

قلعہ کا جھگڑا نپٹانے کے بعد وہ لشکر لے کر پھر نکلا۔ ظاہر یہ کیا گیا کہ سلطان شیر شاہ بداوں میں شکار کھیلنے جا رہا ہے۔ وہ بداوں پہنچا اور کچھ دن شکار کھیلا پھر اپنے بیٹے جلال خاں کو لشکر کے آگے آگے چلنے کا حکم دیا۔ اب ان کا رخ رائسین کی طرف تھا ابھی وہ بداوں سے چند میل آگے گیا تھا کہ وہ پھر بخار میں مبتلا ہو گیا۔

سلطان شیر شاہ کا طبیب خاص اس کے ساتھ تھا۔ اس نے درخواست کی کہ کوچ ملتوی کر کے سلطان کچھ دن آرام فرمائیں مگر شیر شاہ نے قیام سے انکار کر دیا اور سفر جاری رکھا جب گھوڑے پر سواری کرنے کے قابل نہ رہا تو پالکی میں بیٹھ کے سفر کرتا رہا۔ اس طرح سفر کرتا ہوا رائسین کے نواح میں پہنچ گیا۔

رائے پورن مل کے دل میں تو چور تھا اس نے شیر شاہ کی آمد کی اطلاع پائی تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اس نے فوراً" اپنے بھائی چیتر بھوج کو سلطان کے استقبال کے لیے بھیجا اور اس کے ساتھ ہزار روپیہ نقد اور سہ زنجیر فیل نذرانہ کے طور پر روانہ کئے۔ شیر شاہ کو پورن مل پر سخت غصہ تھا۔ چتر بھوج نے نذرانہ پیش کیا تو سلطان نے تلخ لہجے میں کہا۔

جاؤ اور اپنے بھائی سے کہہ دو کہ جن مسلمان عورتوں' بچے اور بچیوں کو تم نے قلعہ میں قید کر رکھا ہے انہیں فوراً" رہا کر دو ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ؟"

چتر بھوج نے شیر شاہ کو جواب دیا۔

ہمارے دشمن ہم پر الزام لگاتے ہیں۔ ہمارے قبضہ میں کوئی مسلمان عورت نہیں ہے"۔

شیر شاہ کو غصہ آ گیا۔ اس نے ڈانٹ دیا۔

بحث مت کر اور جا کے اپنے بھائی کو ہمارا پیغام پہنچا دے"۔

چتر بھوج خوفزدہ ہو کر واپس ہوا۔ سلطان اس کے عقب میں لشکر لے کر رائسین پہنچ

گیا۔ پورن مل کو تو پسینے چھوٹ رہے تھے۔ اس نے سلطان کے پاس فوراً" قاصد کے ہاتھ پیغام بھیجا۔

چالیس لاکھ روپے پیش کرتا ہوں۔ میری جان بخشی کی جائے؟"

سلطان نے جوابی پیغام بھجوا دیا۔

ہمیں تمہارے روپے سے غرض نہیں ہے۔ ہم ان مظلوم عورتوں اور بچوں کی داد رسی کے لیے آئے ہیں جنہیں تم نے قلعہ میں قید کر رکھا ہے۔ اگر تم سچے ہو تو ہمیں قلعہ کی تلاشی لینے دو اگر وہاں سے عورتیں اور بچے برآمد نہ ہوئے تو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا اور تمہارا قلعہ تمہیں واپس کر دیا جائے گا"۔

پورن مل نے کوئی جواب نہ دیا اور قلعہ بند ہو گیا۔

شیر شاہ ایسا تاجدار بن گیا تھا اور اب اس قابل تھا کہ رائسین کے ظالم راجہ پورن مل کو اس کے ظلم و ستم کی سزا دے اور اس کی قید میں مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کو رہائی دلائے لیکن ہمایوں کے ہندوستان سے جانے کے بعد وہ ملکی انتظامات میں کچھ ایسا الجھا کہ سب کچھ بھول گیا مگر جب وہ مالوہ کی فتح سے آگرہ واپس ہوا تو ایک بار پھر کاگر دن اور بلگرامی کے مسلمانوں کا ایک وفد اس کے حضور پیش ہوا اور اس نے رائسین کے پورن مل کے تازہ مظالم کا حال کچھ ایسے دردناک انداز میں بیان کیا کہ شیر شاہ سوری نے اسی وقت لشکر کو تیاری کا حکم دیدیا۔

بھیارائے راجہ پورن مل اصل میں رائسین کا راجہ نہ تھا بلکہ اس کا تعلق جاٹوں کے ایک معمولی گھرانے سے تھا۔ مگر تھا پورن مل بہت بہادر اور حوصلہ مند تھا۔ شروع شروع میں پورن مل ڈاکوؤں کے ایک گروہ میں شامل ہو گیا اور اپنی دلیری کی وجہ سے بہت جلد ان کا سردار بن گیا۔ اس کی سرداری میں ڈاکوؤں نے پوری ریاست رائسین میں ادھم مچا دیا۔

ریاست کے اصل راجہ کو جب ڈاکوؤں کے اس گروہ اور اس کے سردار پورن مل کا حال معلوم ہوا تو اس نے اپنی مختصری فوج کے سیناپتی (سپہ سالار) سے باز پرس کی۔

"کیا سیناپتی کو یہ علم نہیں کہ ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے رعایا کا کھانا پینا حرام کر رکھا ہے؟"

سیناپتی نے جواب دیا۔

"مہاراجہ کی جے ہو۔ پورن مل کی گرفتاری کے لیے ایک فوجی دستہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ وہ لٹیرا بہت جلد گرفتار ہو کر اپنے انجام کو پہنچے گا۔"

"سیناپتی" راجہ غصہ سے بولا۔ "افسوس کی بات ہے کہ ایک ڈاکو کے لیے ایک پورا دستہ مقرر کیا گیا ہے اور وہ اب تک نہیں پکڑا جا سکا۔ اگر اس طرح کے دو چار ڈاکو اور پیدا ہو گئے تو شاید ریاست کی پوری فوج کو ڈاکوؤں کی گرفتاری پر لگا دیا جائے گا۔ پھر ریاست کی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا؟؟"

فوج کے سردار کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ پھر سیناپتی' راجہ کی تلون مزاجی سے واقف تھا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ اس وقت راجہ سخت غصہ میں ہے اور راجہ اور بادشاہ کے غصہ کا بہترین علاج یہ ہے کہ ان کو جواب دینے کی بجائے خاموشی اختیار کی جائے۔

سیناپتی نے خاموشی اختیار کر لی اور سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔ راجہ نے چند لمحے جواب کا انتظار کیا۔ جواب نہ پانے سے اس کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہوا پھر بھی اس نے حکم دیا۔

"پورن مل ایک ہفتہ میں گرفتار ہو جائے۔ اگر وہ گرفتار نہ ہوا تو سیناپتی کو ان کے عہدے سے معزول کر دیا جائے گا۔"

ہندوستان عہد قدیم ہی سے شمالی ہندوستان اور جنوبی ہندوستان یعنی دو حصوں میں تقسیم تھا۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو ان کی ہندوستان میں مستقل حکومت دہلی میں قائم ہوئی۔ ہندوستان کا پہلا مسلمان حکمران قطب الدین ایبک تھا جس کا مقبرہ آج بھی لاہور میں انار کلی اور میو ہسپتال کے درمیان واقع ہے۔

قطب الدین ایبک سے پہلے بت شکن سلطان محمود غزنوی اور سلطان شہاب الدین غوری ہندوستان پر متعدد حملے کر چکے تھے مگر انہوں نے یہاں مستقل سلطنت قائم نہیں کی تھی۔ قطب الدین کسی زمانہ میں سلطان شہاب الدین غوری کا غلام رہ چکا تھا۔ اس لیے قطب الدین کے خاندان کی ہندوستان میں سلطنت کو سلطنت غلاماں کہا جاتا ہے۔ جلیل القدر رضیہ سلطانہ اسی خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔

غلام خاندان کی حکومت صرف شمالی ہندوستان پر رہی۔ ان کے کسی بادشاہ نے جنوبی ہندوستان کا رخ نہ کیا لیکن جب غلام خاندان کے بعد سلطنت دہلی پر خلجی خاندان کا قبضہ ہوا

تو اس کے ایک عظیم سلطان جلال الدین خلجی نے جنوبی ہندوستان پر قبضہ کر کے اسے سلطنت دہلی کا باجگذار بنا لیا۔

خلجیوں کے بعد تغلق خاندان برسر اقتدار آیا۔ اس کے سلطان تغلق نے دہلی کے بجائے کے دیو گری کو جو وسط ہند میں واقع تھا۔ اپنا دارالسلطنت بنایا تاکہ شمالی ہنداور جنوبی ہند پر اس کا قبضہ رہے مگر وہ اپنی اس کوشش میں ناکام رہا۔

تغلق خاندان کے بعد ہندوستان پر سید خاندان پھر لودھی خاندان قابض رہا مگر ان کے زمانہ میں جنوبی ہندوستان' دہلی کی سلطنت سے الگ ہو گیا۔ پھر بابر نے ہندوستان پر حملہ کر کے دہلی اور آگرہ میں مغل حکومت قائم کی۔ اس حکومت کا دوسرا بادشاہ نصیر الدین محمد ہمایوں تھا جسے شیر شاہ سوری نے شکست دے کر ہندوستان بدر کر دیا۔

اس مختصر تبصرے کی اس لیے ضرورت پیش آئی تاکہ ہمیں ہندوستان میں مسلمانوں کی ترتیب وار سلطنت کا مختصر حال معلوم ہو سکے اور تاریخی سلسلہ قائم رہے۔ شیر شاہ سوری اگرچہ آگرہ اور دہلی کا سلطان ہو گیا تھا لیکن اس نے جنوبی ہندوستان کو فتح کرنے کے بجائے شمالی ہندوستان میں اصلاحات کا ایسا جال پھیلایا کہ اس کی زندگی میں ہمایوں کو جو ایران بھاگ گیا تھا' ہندوستان کی طرف دیکھنے کی جرات نہ ہو سکی۔

ریاست رائسین چونکہ شمالی اور جنوبی ہندوستان کی حد فاصل تھی اس لیے شیر شاہ نے اس ریاست کی طرف خصوصی توجہ دی۔

شیر شاہ کو اپنا یہ عہد یاد تھا۔ ہمایوں کی شکست کے بعد تو وہ ہندوستان کا راجہ کا یہ حکم سیناپتی پر بجلی بن کے گرا۔ اس کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا تھا۔ راجہ بہت ضدی تھا۔ اگر ہفتہ بھر میں پورن مل گرفتار نہ ہوا تو سیناپتی کی ملازمت بھی ختم ہو جائے گی۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ سیناپتی نے بھی پورن مل کی گرفتاری پر پوری فوج لگا دی مگر پورن مل ایسا چالاک تھا کہ یہ اعلان ہوتے ہی وہ ایک ہفتے کے لیے ایسا روپوش ہوا کہ ریاستی فوج نے ریاست سے باہر جانے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر کے گھر گھر تلاش شروع کر دی مگر پورن مل تو ایک طرف رہا۔ ریاستی فوج کی تمام کوششوں کے باوجود پورن مل کے گروہ کا ایک ڈاکو بھی گرفتار نہ ہو سکا۔

راجہ نے ایک ہفتہ بعد سیناپتی سے سوال کیا۔

"سیناپتی۔ تم ہفتہ بھر میں سورت مل کو گرفتار نہیں کر سکے۔ اب تمہیں اپنی نا اہلی تسلیم کر لینا چاہئے؟"

سیناپتی شاید بہت ذہین تھا۔ اس نے فوراً بات بنائی۔

"مہاراجہ راجہ کی جے ہو۔ مہاراجہ نے درست فرمایا کہ میں پورن مل گرفتار نہیں کر سکا مگر گرفتار تو اسے کیا جاتا جو ریاست میں موجود ہوتا۔ جب پورن مل ریاست رائسین میں موجود ہی نہیں تو میں اسے کیسے گرفتار کر سکتا ہوں۔"

راجہ نے حیران نظروں سے سیناپتی کو دیکھا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ پورن مل ہماری ریاست سے بھاگ گیا ہے؟"

"جی ہاں مہاراجہ۔" سیناپتی نے بڑے فخر سے جواب دیا۔ "دراصل پورن مل کو معلوم ہو گیا تھا کہ فوج اسے گرفتار کر کے اسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو سولی پر چڑھا دے گی۔ اس خوف سے وہ ریاست رائسین کو چھوڑ کے کسی اور طرف بھاگ گیا ہے۔"

"مگر تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے سیناپتی؟" راجہ نے سیناپتی سے ایک دم یہ سوال کیا تو وہ گھبرا گیا۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد سیناپتی نے جواب دیا۔

"مہاراجہ کی جے ہو۔ میں پھر یہ کہوں گا کہ پورن مل ریاست میں موجود نہیں اور وہ یہاں سے ہمیشہ کے لیے بھاگ گیا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر وہ ریاست میں موجود ہوتا تو ڈاکہ ڈالنے سے باز نہ آتا اور دور یا نزدیک کوئی ڈاکہ ضرور پڑا ہوتا مگر اس ہفتہ اس طرح کی کوئی اطلاع یہاں نہیں پہنچی۔"

راجہ رائے سین رائسین جو محض ایک چھوٹا سا راجہ تھا' اسے سیناپتی نے خود ہی راجہ سے مہاراجہ یعنی راجاؤں کا راجہ بنا دیا تھا اور وہ رعایا میں بھی مہاراجہ ہی کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ سیناپتی نے راجہ کو ایسا جواب دیا تھا کہ وہ سیناپتی کے خلاف کوئی کاروائی نہ کر سکا اور اسے یقین کرنا پڑا کہ پورن مل خوف کی وجہ سے ریاست چھوڑ گیا ہے اس طرح یہ بات آئی گئی ہو گئی اور عوام بھی اپنی حفاظت سے بے پروا ہو کر پھر اپنے کاموں میں لگ گئے۔ آئندہ دو ہفتے تک بھی کہیں ڈاکہ نہ پڑا۔ اب تو لوگوں کو بھی بالکل یقین ہو گیا کہ پورن مل یا تو مارا گیا ہے یا پھر اس نے ریاستی فوج کے خوف کی وجہ سے

ڈکیتی چھوڑ دی ہے۔

پھر ایک ماہ بعد ایک دم خبر آئی کہ راج محل سے صرف پانچ میل کے فاصلہ پر ڈکیتی کی ایک زبردست واردات ہوئی ہے جس میں ڈاکوؤں نے مال و اسباب لوٹنے کے علاوہ مقابلہ کرنے والے چار دیہاتیوں کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اسی شام تک اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ اس ڈاکہ کا سرغنہ پورن مل ہے جس نے اس قتل وغارت کی واردات کے بعد ایک گھنٹے تک آبادی میں بھنگڑا ڈالا تھا۔ دوسری رات شروع ہونے سے قبل ہی راجہ رائسین نے سیناپتی کو طلب کر لیا۔ اس زمانہ میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں جو دراصل جاگیرداریاں اور زمینداریاں ہوتی تھیں' چوکیداری اور سول آبادی کی حفاظت کا کوئی الگ محکمہ نہ ہوتا تھا بلکہ فوج کا سربراہ سیناپتی ہی شہر کوتوال اور تھانیداری کا فرض ادا کرتا تھا۔ اس لیے ریاست کی سرحدوں کی حفاظت اور عوام کی حفاظت کی ذمہ داری بھی سیناپتی کے سپرد تھی۔

سیناپتی راج محل پہنچا تو خوف کی وجہ سے اس کے پیر کانپ رہے تھے۔ ایک ماہ بعد ڈاکہ ڈال کے پورن مل نے سیناپتی کی پشت میں چھرا گھونپ دیا تھا۔ راجہ کو جواب دینے کے لیے اب اس کے پاس کوئی اور بہانہ نہ رہ گیا تھا۔ راجہ رائسین نے راج محل ہی میں ایک بڑا ہال دربار کے لیے مخصوص کر دیا تھا اور وہیں اہم اجلاس منعقد کرتا تھا۔

سیناپتی کے دربار میں پہنچتے ہی راجہ نے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے اس پر طنز کیا۔

"کیوں سیناپتی کل رات شاید پورن مل کی روح نے ڈاکہ ڈالا ہے؟"

سیناپتی لرز کے رہ گیا۔ اگر وہ انکار کرتا کہ یہ ڈاکہ پورن مل نے نہیں ڈالا تو فوراً گواہ پیش ہو کے ڈاکے میں پورن مل کی موجودگی کی تصدیق کر دیتے۔ چاروں طرف یہ بات پھیل گئی تھی کہ پورن مل نے ڈاکہ کے بعد شراب پی کر کئی گھنٹے مقتول کی لاشوں پر بھنگڑا ڈالا تھا۔ ایک گواہ تو خود سیناپتی کے پاس پہنچا تھا اور اس نے صاف الفاظ میں بیان کیا تھا کہ اس نے خود پورن مل کو بھنگڑا ڈالتے دیکھا تھا۔

راجہ رائسین کو اپنے سیناپتی پر غصہ تو بہت آیا مگر اسے خاموشی اختیار کرنا پڑی۔ سیناپتی ایک پرانا ملازم تھا اور اب تک فوج اور سول دونوں محکموں کا کام بڑی خوبی سے نبھا رہا تھا۔ اب اگر وہ سیناپتی کو برخاست کر دے تو پھر اس کی جگہ کس کا تقرر کرے۔ اس کی نظر میں کوئی ایسا آدمی نہ تھا جو سیناپتی کا بدل ثابت ہو سکتا۔ ان باتوں کو سوچنے کے بعد راجہ

نے اسے ایک اور موقعہ دیا۔

"سیناپتی۔ تم ہمارے پرانے وفادار ہو اس لیے ہم تمہیں ایک موقعہ اور دیتے ہیں۔جاؤ اور کوشش کرو کہ پورن مل اس ماہ کے ختم ہونے سے پہلے زندہ یا مردہ ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔"

سیناپتی کی آدھی جان پہلے ہی نکل گئی تھی۔ راجہ نے اسے مہلت دی تو اس کے مردہ جسم میں جیسے پھر سے جان آ گئی۔ اس نے راجہ کو دعائیں دیتے ہوئے کہا۔

"مہاراجہ کی جے ہو۔ مہاراجہ نے مجھے مہلت دے کر مجھ پر اور میرے بچوں پر بڑا کرم کیا ہے۔ میں پورن مل کی گرفتاری میں اپنی جان لڑا دوں گا۔"

راجہ کے دربار سے جان چھڑانے کے بعد سیناپتی سیدھا فوجی چھاؤنی میں پہنچا۔ اس نے پچاس بہترین سواروں کا ایک دستہ تیار کیا اور اسے تیر تلوار سے پورری طرح آراستہ کر دیا۔ اب اس نے اپنا یہ دستور بنایا کہ صبح سورج نکلتے ہی وہ اپنے دستے کے ساتھ چل پڑتا اور صبح سے آدھی رات تک گاؤں گاؤں گھومتا رہتا۔ صرف دوپہر کو کھانا کھانے کے لیے وہ کسی جگہ ٹھہر جاتا اور کھانا کھاتے ہی پھر گشت پر نکل پڑتا اور نصف شب تک اسی طرح جگہ جگہ گردش کرتا رہتا۔

وہ ہر گاؤں میں رک کر لوگوں سے دریافت کرتا کہ کسی نے پورن مل یا اس کے کسی ڈاکو کو کسی جگہ دیکھا ہے اگر کوئی جھوٹ بھی بتاتا کہ اس نے فلاں گاؤں میں پورن مل یا اس کے کسی ساتھی کو دیکھا تھا تو سیناپتی فوراً اپنا دستہ لے کر وہاں پہنچ جاتا پھر اس آبادی کی پوری طرح ناکہ بندی کر کے گھر گھر تلاشی لیتا لیکن وہ ایک ہفتہ گزرنے کے باوجود ایک ڈاکو کو بھی نہ پکڑ سکا تھا۔

سیناپتی کو جس دن مہاراجہ نے مہلت دی تھی اس وقت مہینہ ختم ہونے میں سترہ دن باقی تھے۔ اس میں سے سات دن گزر چکے تھے اور اب تک سیناپتی کو کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ ہر رات جب وہ دن بھر کی گشت کے بعد اپنے گھر میں پہنچتا تو اس کی بے چینی اور پریشانی میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا تھا۔

دوسرے ہفتہ کے ابھی صرف دو ہی دن گزرے تھے کہ راج محل سے صرف ایک میل کے فاصلے پر ڈاکہ پڑا۔ پورن مل نے اب تک جتنے ڈاکے ڈالے تھے وہ تمام کے تمام

رات کو ڈالے تھے مگر اب اس کی دیدہ دلیری کی حد ہو گئی تھی کہ اس نے راج محل سے صرف ایک میل کے فاصلہ پر ڈاکہ ڈالا اور وہ بھی دن دہاڑے۔ سورج کی روشنی میں۔ پورن مل دو گھنٹے تک بے دھڑک آبادی میں اپنا گھوڑا دوڑاتا پھرا اور اس کے آدمی گاؤں کو لوٹتے رہے۔ کسی نے دم مارنے کی کوشش نہ کی اور وہ لوٹ مار کر کے اطمینان سے واپس چلا گیا۔

اس دن دہاڑے ڈاکے نے سیناپتی کی نااہلی پر مہر لگا دی۔ لطف یہ کہ اس کے چوبیس گھنٹے بعد یعنی دوسرے دن ٹھیک اسی وقت اور راج محل سے بالکل اتنے ہی فاصلے سے دوسرا ڈاکہ پڑا۔ ظاہر ہے کہ یہ ڈاکہ بھی دن دہاڑے ہی پڑا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ کل کا ڈاکہ راج محل کے شمال میں ایک میل پر پڑا تھا اور آج کا ڈاکہ اسی فاصلے پر جنوب میں پڑا تھا۔

اب تو راجہ اپنے آپے سے باہر ہو گیا۔ وہ محل کی ایک راہداری میں تیز تیز قدموں سے ٹہل رہا تھا اور سیناپتی کو اس کی عدم موجودگی میں صلواتیں سنا رہا تھا۔ مہاراجہ رائسین کی گیارہویں بیوی اپنے صرف دو ماہ کے بچے کے ساتھ راہداری کے سامنے' پھول بھرے پودوں کے ایک کنج میں کھڑی مہاراجہ کی بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

اس رانی سے پہلے کی تمام رانیوں میں سے کسی نے بھی اسے ریاست کا ولی عہد نہیں دیا تھا اور راجہ یا مہاراجہ کو ولی عہد حاصل کرنے کی اس قدر جلدی تھی کہ اس نے یکے بعد دیگرے دس شادیاں کر ڈالی تھیں۔ اس کی ہر رانی اس کے ساتھ صرف ایک سال رہتی تھی اور سال کے اختتام پر جب اس سے ولی عہد کے آثار نمودار نہ ہوتے تو وہ اس سے دامن جھٹک کر دوسری رانی لے آتا۔ اس طرح اس نے دس سال میں دس رانیاں تبدیل کی تھیں مگر گوہر مقصود پھر بھی ہاتھ نہ آیا تھا۔

یہ گیارہویں رانی بڑی خوش قسمت تھی۔ اس کے محل میں آنے کے دوسرے ہی مہینے یہ افواہ گرم ہوئی کہ رانی کے پاؤں بھاری ہو گئے۔ مہاراجہ کے کانوں تک یہ خبر پہنچی تو وہ بھاگا ہوا رانی کے پاس آیا رانی اسے دیکھ کر مسکرائی۔

راجہ نے بڑی لجاجت سے کہا۔

"او بھاگوان۔ ذرا یہ تو بتا کہ کیا بھگوان نے واقعی مجھ پر رحم کیا ہے؟"

"میں کیا جانوں۔" رانی نے شرماتے ہوئے منہ پھیر لیا۔

"مگر یہ افواہ۔۔۔۔۔"؟ راجہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"سچائی دیکھنا ہے تو کچھ انتظار کرنا ہوگا۔" رانی نے بڑی بے نیازی سے کہا۔

راجہ خوش ہو گیا۔ پھر راجہ واقعی ایک بیٹے کا باپ بن گیا۔ اسے اس کا ولی عہد مل گیا۔ پچھلی دس رانیاں تو معلوم نہیں کہاں غائب ہو گئیں مگر اس رانی کے تو پو بارہ ہو گئے۔ دماغ ایسے آسمان پر پہنچے کہ کسی سے سیدھے منہ بات ہی نہ کرتی تھی۔

کہتے ہیں پچھلی دس رانیوں میں ایک رانی بڑی فتنہ تھی۔ اس نے بڑی کوشش کے بعد یہ پتہ لگایا کہ راجہ کے گھر ہونے والا ولی عہد' راجہ کا نہیں بلکہ کسی اور ہی کا ہے۔ یہ خبر راجہ کے کانوں تک بھی پہنچائی گئی مگر نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ پھر راجاؤں اور بادشاہوں کو تو ولی عہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ ایسے جھگڑے میں نہیں پڑتے۔ان کے لیے یہ کافی ہوتا ہے کہ پیدا ہونے والا ولی عہد ان کی رانی یا ملکہ کے بطن سے پیدا ہوا ہے۔

راجہ کی یہ رانی بہت کم عمر تھی۔ خدا نے اسے حسن سے مالا مال بھی کیا تھا۔ مگر اس کا یہ عروج زیادہ دن قائم نہ رہ سکا۔ ولی عہد کی پیدائش کے چند ہی ماہ بعد ریاست میں پورن مل کے ڈاکوؤں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سیناپتی کی ناکامی پر راجہ کی طرح رانی بھی بہت تلملائی ہوئی تھی

راجہ جب راہداری میں ٹہلتے ٹہلتے تھک گیا تو سیڑھیاں اتر کے رانی کے پاس پہنچا۔ رانی اسے دیکھ کے ہنس پڑی۔

"تم ہنس رہی ہو رانی۔ ہمیں تو رات بھر نیند بھی نہیں آتی۔"

"کیا علاج سوچا ہے آپ نے؟ رانی نے سنجیدہ ہوتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔

"علاج کیا سوچا۔ راجہ نے کہا۔ "پتہ نہیں یہ ذلیل پورن مل کیسا زبردست ڈاکو ہے کہ ریاست کی پوری فوج اسے پکڑنے میں ناکام ہو گئی ہے؟"

"فوج ناکام نہیں ہوئی مہاراج۔" رانی نے بگڑ کر جواب دیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟۔" راجہ نرم پڑتے ہوئے بولا۔ "دو ماہ سے فوج اس کے پیچھے لگی ہے اور اب تک گرفتار نہیں کر سکی۔"

"فوج گرفتاری کی کوشش کر رہی ہے مگر آپ کے سیناپتی گھر بیٹھے آرام کر رہے ہیں۔" رانی کا غصہ کچھ اور بڑھ گیا۔ "جو سیناپتی ایک ڈاکو کو نہیں پکڑ سکتا وہ ریاست کی سرحدوں کی کیا حفاظت کرے گا۔"

راجہ نے گھبرا کر رانی کو دیکھا۔

"بات تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو رانی۔ مگر اب کیا کیا جائے؟"

رانی غصہ میں بھری ہوئی تھی۔ کڑک کے بولی۔

"کان کھول کے سن لیجئے مہاراج۔ میں راج محل میں اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتی۔ اگر آپ نے کوئی بندوبست نہ کیا تو میں اپنے بچے کو لے کے کسی اور جگہ چلی جاؤں گی۔"

"ارے ارے۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو رانی؟" راجہ گھبرا گیا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں پھر یہاں رہ کے کیا کروں گا؟"

"آپ کچھ بھی کیجئے۔ مجھے تو اپنے بچے کی حفاظت کرنا ہے۔" رانی کا غصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ "پورن مل ایسا ہی دلیر ہے تو کیا پتہ کسی دن راج محل پر حملہ کر کے میرے لال کو اٹھا لے جائے؟"

"نہیں نہیں رانی۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔" راجہ نے اسے تسلی دی۔ "میں اس کا کچھ اور انتظام کرتا ہوں۔"

رانی بولی۔۔

"آپ سے کوئی انتظام نہیں ہو سکے گا۔ مجھے اجازت دیجئے تو میں خود انتظام کر لوں۔؟"

"تم کیا انتظام کرو گی؟" راجہ نے پوچھا۔

"میں آپ کے سیناپتی کو نکال باہر کروں گی۔" رانی نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

"وہ بالکل ناکارہ اور نااہل ہے۔"

"پھر اس کی جگہ کس کو لگاؤ گی؟" راجہ نے تمسخر سے کہا۔

"اس کی جگہ میں پورن مل کو سیناپتی بنادوں گی۔ رانی نے بے دھڑک کہہ دیا۔

راجہ اچھل پڑا۔

"رانی تم جانتی ہو کہ تم کیا کہہ رہی ہو۔؟"

"اچھی طرح سے جانتی ہوں۔ رانی نے جواب دیا۔ "پورن مل دولت اور حکومت کا خواہش مند ہے۔ جب وہ سیناپتی بنے گا تو اسے دونوں چیزیں حاصل ہوں گی اور فوج کے سنبھالنے کی ذمہ داری اس کی عقل ٹھکانے لگا دے گی۔ آپ دیکھئے گا کیسا سیدھا ہوتا ہے پورن مل۔ پوری ریاست میں امن وامان ہو جائے گا۔ چور اچکے اس کے ڈر سے ریاست سے بھاگ جائیں گے۔"

راجہ رائسین کے دماغ میں اپنی رانی کی ایک ایک بات بیٹھتی چلی گئی۔ پھر کچھ غوروفکر کے بعد اس نے کہا۔

"رانی۔ کیا تمہیں امید ہے کہ پورن مل ہماری بات کا یقین کرے گا؟"

"کس بات کا یقین؟" رانی نے پوچھا۔ "آپ اعلان کر دیجئے۔ پھر دیکھئے وہ کیسا بھاگا چلا آتا ہے۔"

"اسے ہم سے خوف نہیں آئے گا؟" راجہ نے مزید کہا۔

"یقین۔ خوف۔ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں مہاراج۔" رانی بے دلی سے بولی۔ "آپ ہر بات میں اپنی آن برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم اسے سیناپتی بنانے کا اعلان کریں گے پھر وہ خوف کیوں کھائے گا؟"

راجہ نے کہا۔

"تم نہیں جانتی رانی۔ رعایا' راجہ کے اعلانوں پر اعتبار نہیں کرتی۔ ہو سکتا ہے کہ پورن مل ہمارے اعلان سے اور بھڑک جائے اور یہ سمجھے کہ ہم اسے سیناپتی بنانے کا اعلان کر کے اسے گرفتار کرنا چاہتے ہیں؟"

"یہ ہو جائے گا۔ وہ ہو جائے گا۔ آپ راج محل میں بیٹھے یونہی سوچتے رہئے اور ادھر پورن مل' رعایا کا قتل عام کرتا رہے۔" رانی نے منہ پھلا لیا۔

"ٹھیک ہے۔" راجہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "ہم آج ہی منادی کرائے دیتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کیا نتیجہ نکلتا ہے اس کا۔"

راجہ کے کہنے کی دیر تھی۔ ڈگی پیٹنے والے ڈھول تاشہ لے کے نکل پڑے اور منادی شروع کر دی۔

"ہمارے مہاراجہ رائسین نے اعلان کیا ہے کہ سیناپتی کو ہٹا کر اس کی جگہ رائے پورن مل کو نیا سیناپتی بنا دیا ہے۔ رائے پورن مل کو فوراً" راج محل پہنچ کر سیناپتی کا عہدہ سنبھال لینا چاہئے۔"

قرب وجوار میں تو فوراً" یہ خ -ام ہو گئی کہ راجہ نے سیناپتی کو ہٹا کر پورن مل ڈاکو کو نیا سیناپتی بنا دیا ہے۔ دور کے علاقوں میں اعلان کے لیے گھوڑ سوار دوڑائے گئے اور دوسرے دن شام تک پوری ریاست میں راجہ کا اعلان ریاست کے ہر گھر اور گلی کوچے میں پہنچ گیا۔

اس منادی پر پورن مل تو راج محل نہیں پہنچا مگر یہ ضرور ہوا کہ ریاست میں ڈاکے پڑنا بند ہو گئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے پورن مل واقعی کہیں چلا گیا ہے یا پھر ڈاکہ زنی چھوڑ کے گوشہ نشیں ہو گیا ہے۔

اصل بات یہ تھی کہ پورن مل جو خود کو راجپوت کہتا اور نام کے ساتھ "رائے" کے معزز لفظ کا استعمال کرتا تھا' نے بھی یہ اعلان سن لیا۔ پہلے تو وہ یہ اعلان سن کر بہت حیران ہوا۔ اس کے ایک ساتھی نے تو صاف الفاظ میں کہا۔

"سردار۔۔ یہ سب راجہ کی چالبازی ہے۔ وہ سرداری کا لالچ دے کر آپ کو پکڑنا چاہتا ہے اور پکڑتے ہی آپ کو سولی پر چڑھا دے گا پھر ہم لوگوں کی ایک ایک کر کے گردن مارے گا۔"

دوسرا ڈاکو جو ذرا سن رسیدہ اور اس پیشہ سے تنگ آ گیا تھا۔ اس نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے کہا۔

"سردار۔ ہو سکتا ہے کہ راجہ ہم لوگوں کو پکڑ کے سولی دینا چاہتا ہو مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ رائسین کی فوج کا سیناپتی واقعی ناکارہ ہو اور راجہ رعایا کی فریاد سے تنگ آ گیا ہو اور کسی عقلمند آدمی نے اسے یہ بات سمجھائی ہو کہ پورن مل کو "عہدے کی مار دے کر رام کیا جائے۔ یہ کہ وہ ڈکیتی چھوڑ کے فوج میں آ جائے اور ریاست کے دشمنوں سے لڑائی لڑے۔"

پورن مل جو اپنے ساتھیوں کی باتیں غور سے سن رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات بھی آئی۔ کیونکہ اس بات میں پہلے ساتھی کی بات سے زیادہ وزن تھا۔ پس اس نے اپنے

ساتھی سے کہا۔

"پھر تمہاری کیا رائے ہے اس سلسلے میں۔ مجھے کیا راجہ کے پاس چلا جانا چاہئے؟"

پورن مل کا ساتھی گھبرا گیا اس نے کہا۔

"سردار۔میں یہ نہیں کہتا کہ آپ بغیر سوچے سمجھے راجہ کے پاس جائیں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ راجہ نے اعلان کیا ہے وہ ٹھیک ہے تو پھر راجہ کے پاس کسی ساتھی کو بھیج کے اس سے بات کرنا چاہئے۔۔۔۔"

اس بات پر ڈاکوؤں کا پہلا ساتھی چڑ گیا۔ وہ بات کاٹ کے بولا۔

"اور اگر راجہ نے اس ساتھی کو پکڑ کے قلعہ میں بند کر دیا تو کیا ہو گا؟" دوسرے ساتھی نے اس کی پر زور مخالفت کی۔

"نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ اگر راجہ اپنے اعلان میں سچا ہے تو ہمارے ساتھی کو نہیں پکڑے گا بلکہ وہ کھل کے بات کرے گا اور راجہ ہمارے سردار پورن مل کو جو عہدہ اور مرتبہ دینا چاہتا ہے اس کے بارے میں ضرور کوئی ضمانت دے گا۔"

پہلے ساتھی نے پھر بھی مخالفت کی۔ بولا۔

"راجہ مہاراجہ کی بات پر یقین کرنا پرلے درجہ کی بیوقوفی ہے۔ یہ اپنے مطلب کے یار ہوتے ہیں۔ مطلب نکلتے ہی آنکھیں سر پر رکھ لیتے ہیں۔"

پورن مل فکر میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے سر اٹھا کے کہا۔

"بات تمہاری بھی ٹھیک ہے اور پہلے ساتھی کا شک شبہ بھی ٹھیک ہی معلوم ہوتا ہے لیکن جب تک کسی بات کو پرکھا نہ جائے اس وقت تک کچھ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اس پر پہلا ساتھی بولا۔ " اس کا مطلب ہے کہ سردار پورن مل ہم میں سے کسی کو راجہ کے پاس بھیج کر اس سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں؟"

"اس میں حرج ہی کیا ہے۔" پورن مل نے جواب دیا۔ "ہمارا آدمی راجہ سے بات کرے گا تو سچ اور جھوٹ کھل کے سامنے آ جائے گا۔"

"مگر سردار۔ راجہ کے پاس جائے گا کون؟" پہلے نے پھر اعتراض کیا۔

"راجہ کے پاس جانا اپنی موت کو بلانا ہے۔ اس کے لیے کون تیار ہو گا۔؟"

"اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔" دوسرے ساتھی نے کہا۔ "سردار پورن مل

حکم دیں تو ان کا پیغام لے کر میں راجہ کے پاس جاؤں گا۔"

"شاباش۔" پورن مل نے اپنے ساتھی کی پیٹھ ٹھونکی۔ "ہمارے آدمیوں کو اتنا ہی بہادر اور وفادار ہونا چاہئے۔"

پہلے ساتھی کی جان نکل گئی۔ اس کی تمام ہٹ دھرمی دھری رہ گئی کچھ دیر بعد پورن مل نے ساتھیوں سے کہا۔

"پہلے ہمیں یہ کرنا چاہئے کہ کچھ دنوں کے لیے ہم ڈاکہ زنی بند کر دیں پھر دیکھیں کہ راجہ پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر ہم راجہ سے رابطہ کریں گے۔"

اس فیصلہ کے بعد ریاست رائسین میں امن امان ہو گیا۔ راجہ نے سیناپتی کو اس کے عہدے سے برخاست کر دیا۔ ڈاکہ زنی بند ہونے راجہ کو یہ اطمینان ہو گیا کہ پورن مل پر اس کے اعلان کا اثر ہوا ہے۔

پورن مل دوسرا قدم بھی اٹھا لیتا مگر درمیان میں رتناولی آ گئی۔ رتناولی ایک نہایت خوبصورت اور جیدار عورت تھی مگر اس کے ساتھ ہی وہ اتنی ہی ظالم اور سفاک بھی تھی۔ رتناولی اچانک پورن مل کو ملی اور پھر اس کی ہو کر رہ گئی تھی۔



دو سوار مخالف سمتوں سے آئے اور ایک درخت کے پاس آ کر رک گئے۔

درخت کے نیچے ایک ہرن گرا ہوا سسک رہا تھا۔ ہرن کے جسم میں دو تیر پیوست تھے یہ تیر ان دونوں سواروں کے تھے جو مخالف سمتوں سے اس ہرن کے پاس آ کر رک گئے تھے وہ اپنے اپنے گھوڑوں پر بیٹھے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ ان کے منہ پر ڈھاٹے بندھے ہوئے تھے جس سے ان کے چہرے چھپے ہوئے تھے اور صرف آنکھیں چمکتی دکھائی دے رہی تھیں۔

پھر ایک مردانہ آواز ابھری۔ "ہرن میں نے مارا ہے۔ اس پر میرا حق ہے"۔

"نہیں۔ ہرن میرے تیر سے زخمی ہو کر یہاں گرا ہے۔ اس پر میرا حق ہے"۔ یہ دوسری آواز تھی۔ آواز اگرچہ بھاری تھی مگر اس میں نسائیت کا لوچ تھا۔

مردانی آواز والے سوار نے اسے گھور کے دیکھا۔ پھر جھجکتے ہوئے کہا۔

"اگر تم عورت ہو تو ہرن لے جا سکتی ہو۔ میں اپنا شکار تمہیں بخشتا ہوں"۔

"ہاں۔ میں عورت ہوں"۔ دوسرے سوار نے اعتراف کیا۔ "مگر میں دوسرے کا مارا ہوا شکار نہیں لیا کرتی۔ میں ہرن ضرور لے جاؤں گی اس لیے کہ اسے میں نے شکار کیا ہے"۔

مرد نے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا اور بولا۔

"اگر یہ دعویٰ ہے کہ شکار تم نے مارا ہے تو تم اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتیں"۔

عورت کے ڈھاٹے کے اندر ہنسنے کی آواز گونجی۔ اسی گونج میں اس نے کہا۔

"اگر تم چہرہ دکھا کر خود کو مرد ثابت کرنا چاہتے ہو تو میں تمہیں بتاتی ہوں کہ میں مردوں کی کلائیاں مروڑ کر انہیں زمین پر پھینک دیا کرتی ہوں"۔

مرد سوار نے فوراً اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔

"کلائی حاضر ہے۔ اپنا شوق پورا کر سکتی ہو؟"

عورت سوار نے ہاتھ بڑھا کر مرد کی کلائی ایک جھٹکے کے ساتھ پکڑی۔ گھوڑے پر بیٹھے ہوئے مرد کا پورا بدن لرز کے رہ گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی کلائی کسی شیر نے پکڑ لی ہے۔ مگر وہ فوراً ہی سنبھلا اور گھوڑے پر مضبوطی سے جم گیا۔

عورت سوار نے مرد کی کلائی کو کئی جھٹکے دیئے اور اسے گھوڑے سے گرانے کی کوشش کی مگر مرد گھوڑے پر جما رہا۔ ہاتھ اور کلائی کی یہ جنگ اتنی دیر جاری رہی کہ دونوں پسینے پسینے ہو گئے۔

آخر مرد نے کہا۔

"اگر شوق پورا ہو گیا ہو تو کلائی چھوڑ دو اور کوئی دوسرا داؤ آزماؤ؟"

عورت نے مرد کی کلائی چھوڑ دی اور اپنی کلائی آگے کر کے بولی۔

"تم بھی کلائی مروڑنے کا شوق پورا کر سکتے ہو؟"

مرز سوار نے اپنا ہاتھ عورت کی کلائی تک بڑھا کے روک لیا۔

"تم کوئی بھی ہو مگر میں تمہیں یہ جتا دینا چاہتا ہوں کہ میں کلائی پکڑ کر چھوڑا نہیں کرتا؟"

عورت نے فوراً جواب دیا۔ "تم بھی کوئی سہی مگر تمہیں یہ بات ذہن میں رکھنا

چاہیے کہ میں مرد کے ہاتھ سے کلائی چھڑانا بھی جانتی ہوں۔ آج تک میں نے کسی کو اپنی کلائی پر ہاتھ نہیں رکھنے دیا اور جس نے میری کلائی پر ہاتھ ڈالا اس کا ہاتھ میں نے توڑ دیا"۔

مرد بولا۔ "تمہیں اجازت ہے۔ طاقت ہو تو ہاتھ توڑ دینا"۔

جواب ملا۔ "تمہیں بھی اجازت ہے۔ کلائی پکڑ سکتے ہو۔ اگر طاقت ہو تو مت چھوڑنا"۔

مرد نے عورت کی کلائی پکڑ کر اس پر اپنی گرفت مضبوط کی۔ عورت کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی کلائی آہنی زنجیروں کے درمیان آ گئی ہے۔ عورت نے کلائی گھما کر جھٹکا دیا مگر اس جھٹکے کے ساتھ مرد کی گرفت پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئی۔ دوسرا' تیسرا اور چوتھا جھٹکا اس جھٹکے پر عورت کو ایسا لگا جیسے مرد کی انگلیاں اس کے گوشت میں پیوست ہوتی جا رہی ہیں۔

دونوں جوان اب تک اپنے اپنے گھوڑوں کی زین پر جمے ہوئے تھے۔ عورت نے کلائی گھما کر اس زور کا جھٹکا دیا کہ مرد سوار' گھوڑے کی زین سے کئی انچ اوپر اٹھ گیا مگر اس نے کلائی نہ چھوڑی۔

عورت پسینے میں تر ہو گئی اور اس کی سانس پھولنے لگی۔ اس نے پوچھا۔

"تم کس ریاست کے رہنے والے ہو؟"

مرد نے جواب دیا۔ "تم جس ریاست کی رہنے والی ہو اسی کا باسی میں ہوں"۔

"میں تو اسی ریاست رائسین کی باسی ہوں۔ یہیں پیدا ہوئی اور یہیں پلی بڑھی۔"

عورت نے شاید کلائی چھڑانے کی کوشش ترک کر دی تھی۔ شاید وہ مرد کو باتوں میں لگا کر دھوکہ دینا چاہتی تھی۔

مرد نے ہنس کے کہا۔ "تم بھی کتنا ہی باتوں میں لگاؤ مگر کلائی نہیں چھڑا سکو گی"۔

عورت کو غصہ آ گیا۔ بولی "میں تمہیں باتوں میں نہیں لگاتی۔ میں تمہاری اصلیت معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ تم کون ہو اور کس علاقے میں رہتے ہو؟"

مرد نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر اسے چڑایا۔

"اگر میں کہوں کہ تم مجھے جانتی ہو تو؟"

"تو میں کہوں گی تم جھوٹ بول رہے ہو۔ میں نے تمہیں کبھی نہیں دیکھا"۔

"تم نے مجھے دیکھا نہیں مگر پھر بھی تم مجھے جانتی ہو"۔

"جب میں نے دیکھا ہی نہیں تو کیسے جانوں گی؟"

"نہیں دیکھا تو غور سے دیکھو"۔ مرد نے اس کی کلائی چھوڑ دی۔ "لوگ مجھے رائے پورن مل کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں"۔

"پورن مل ڈاکو" عورت کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "اچھا تو پورن مل تم ہو"۔

"تمہیں کوئی شبہ ہے؟" پورن مل نے پوچھا۔

"نہیں--- کوئی شبہ نہیں"۔ یہ کہتے ہوئے عورت نے بھی اپنے چہرے کا کپڑا اتار پھینکا۔ "مجھے بھی پہچان لو پورن مل۔ میں ہوں رتناولی۔ ریاست کے ہر جوان نے میری خواہش کی مگر میری مار کھا کر بھاگ گیا۔ جب تم نے میری کلائی کو اپنے آہنی پنجے میں لیا تھا اس وقت میں سمجھ گئی تھی کہ آج میرا سابقہ کسی خاص مرد سے پڑا ہے-----"

رتناولی نے اس کے آگے بھی بہت کچھ کہا۔ مگر پورن مل کچھ بھی نہ سن سکا۔ اس کی آنکھیں تو رتناولی کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں اور کانوں میں صرف "رتناولی" کا لفظ گونج رہا تھا۔ قدرت نے رتناولی کو جسمانی طاقت کے ساتھ ساتھ حسن و شباب بھی دل کھول کے دیا تھا۔ رتناولی کی سرخ و سفید رنگت، لمبی لمبی کھینچی ہوئی آنکھیں، ستواں ناک، گلابی ہونٹ اور دراز قامتی نے اسے ایک خوبصورت پیکر میں ڈھال دیا تھا۔

پورن مل ایک نامی گرامی ڈاکو تھا۔ شراب اور عورت اس کی کمزوری تھی خوبصورت عورت تو اس کے ہاتھ سے بچتی ہی نہ تھی مگر آج وہ رتناولی کے حسن کو دیکھ کر بھونچکارہ گیا تھا۔ اس کی راتیں ڈاکہ زنی اور دن رنگ رلیوں میں گزرتے تھے۔ شادی اور گھر بسانے کا تصور اس کے ذہن کے کسی کونے میں نہ تھا مگر اس وقت رتناولی کو دیکھ کر نہ جانے اس کا کیوں دل چاہا کہ وہ بھی اپنا گھر بنائے جس میں اس کی گھر والی رہے۔

رتناولی نے پورن مل کو خیالوں میں کھویا دیکھا تو خود ہی چھیڑا۔

"کہاں کھو گئے پورن؟"

رتناولی نے اتنے پیار سے کہا کہ پورن مل تڑپ اٹھا۔ اس نے محبت بھری نظروں

سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"تم نے مجھے پورن کہا ہے ناں؟"

"ہاں کہا ہے" رتناولی مسکرائی۔ "کیا تمہیں برا معلوم ہوا ہے؟"

"بالکل نہیں"۔ پورن مل نے کہا۔ بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میں بھی تمہیں صرف رتنا کہا کروں؟"

"ضرور کہو۔ مجھے برا نہیں لگے گا"۔ رتناولی نے اسے حوصلہ دیا۔

پورن مل حوصلے سے بھی آگے بڑھ کے بولا۔

"رتنا میں نے تم سے ایک بات کہی تھی کہو تو اسے پھر کہہ دوں؟"

"کہو"۔ رتنا نے کچھ اور حوصلہ دیا "میں تمہارے کہنے کا برا نہ مانوں گی"۔ پورن مل نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کہا۔

"میں نے کہا تھا کہ میں ہاتھ پکڑ کے چھوڑا نہیں کرتا"۔

رتنا چونک پڑی پھر مسکراتی ہوئی بولی۔

"میں نے تمہیں جواب دیا تھا کہ میں ہاتھ چھڑانا جانتی ہوں"۔

"مگر میں یہ نہیں چاہتا رتنا"۔ پورن مل نے زور دے کے کہا "میں تمہارا ہاتھ ہمیشہ کے لیے پکڑنا چاہتا ہوں"۔

"اس خیال کو ابھی اپنے پاس ہی رکھو پورن"۔ رتنا ہنس پڑی۔ "پہلے یہ بتاؤ کہ تم رائسین کے سیناپتی کب بن رہے ہو؟"

پورن مل بھی ہنس پڑا۔ "اچھا تمہیں بھی اس کی خبر مل گئی؟"

"مجھے کیا۔ رائسین کا بچہ بچہ اس خبر سے واقف ہے"۔ رتنا نے جواب دیا۔

"تم کیا چاہتی ہو رتنا؟" پورن نے کہا۔ "تمہارے خیال میں مجھے سیناپتی بن جانا چاہیے؟"

"ضرور بننا چاہیے"۔ رتنا نے جواب میں کہا۔ "عزت ملے گی، شہرت ملے گی، دولت ملے گی۔ سب سے بڑی یہ بات کہ تمہاری بدنامی ختم ہو جائے گی اور تم غریبوں کی بد دعاؤں سے بچ جاؤ گے"۔

"ٹھیک ہے"۔ پورن مل بولا۔ میں نے اپنے دو آدمی راج محل میں لگا دیے ہیں۔ وہ

پتہ لگا رہے ہیں کہ کہیں مہاراجہ نے مجھے گرفتار کرنے کے لیے یہ چال تو نہیں چلی"۔

"یہ بھی تم نے ٹھیک ہے کیا"۔ رتنا نے کہا۔ "راجہ کی کوئی زبان نہیں ہوتی کسی سے خوش ہوئے تو اسے سر پر بٹھا لیا اور ناراض ہوئے تو پیروں سے مسل ڈالا"۔

پورن مل نے اپنی بیتابی ظاہر کی۔

"اچھا تو یہ طے ہو گیا کہ سیناپتی بننے کے بعد تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہو گا؟"

"یہ وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔ رتناولی نے اسے ٹالا۔ "سیناپتی ہونے کے بعد تم راجہ ہو گے اور میں تمہاری رعایا بن جاؤں گی مگر میں اپنے اوپر کسی کی حکومت پسند نہیں کرتی"۔

پورن مل کو شاید یہ بات ناگوار گزری۔ وہ خاموش رہا۔

پورن مل کی خاموشی طول کھینچ گئی تو رتناولی نے اکتا کے کہا۔

"ناراض ہو گئے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اگر کوئی مجھ پر حکومت کرے گا تو وہ صرف تم ہو گے یعنی رائے پورن مل"۔

پورن مل خوش ہو گیا۔

کچھ ہی دن بعد پورن مل نے راجہ کی پیش کش قبول کر لی۔ پورن مل سیناپتی بن گیا۔ اس نے اپنے ڈاکو ساتھیوں کو ریاستی فوج میں بھرتی کر لیا۔

پورن مل' رائے پورن مل بن کے راج محل میں پہنچا تو وہاں ایک اور گل کھلا رانی رائسین جس نے راجہ کو مشورہ دیا تھا کہ پورن مل کو سیناپتی بنا دے' وہ پورن مل کو دیکھتے اس پر ریجھ گئی۔ بوڑھا راجہ اس کی نظروں سے گر گیا۔

ادھر رتناولی نے پورن مل کو کئی محبت بھرے پیغام بھیجے مگر پورن مل' ریاست اور ریاست سے زیادہ رانی کے جھگڑے میں ایسا الجھا ہوا تھا کہ وہ رتناولی کو کوئی معقول جواب نہ بھیج سکا۔ رتناولی کو غصہ تو بہت آیا مگر وہ خاموش رہی اور وقت کا انتظار کرنے لگی۔ وہ وقت بھی جلد آ گیا۔ رائسین کے راجہ کا اچانک انتقال ہو گیا اس طرح پورن مل اور رانی کے درمیان کا پتھر بھی ہٹ گیا۔

راجہ کے مرتے ہی رانی کھل کھیلی۔ ریاستی فوج پورن مل کے ہاتھ میں تھی۔ ریاست کے دوسرے اراکین اور عمائدین نے رانی پر زور دیا کہ وہ ننھے راجکمار کے بالغ

ہونے تک خود راج گدی پر بیٹھ جائے مگر رانی نے اپنے بجائے پورن مل کو راجکمار کا اتالیق مقرر کر کے ریاست کے تمام اختیارات اسے سونپ دیئے۔ رانی اور پورن مل کے رنگ دیکھ کر راج محل والے بھی اسی رنگ میں رنگ گئے اور راج محل دیکھتے ہی دیکھتے رنگ محل بن گیا۔

رتناولی نے بھی راج محل میں اپنے جاسوس مقرر کئے تھے۔ جاسوس اسے روز کی خبریں پہنچاتے تھے۔ رتناولی کو جب پتہ چلا کہ پورن مل' رانی رائسین کے گھٹنے پکڑ کے بیٹھ گیا ہے تو وہ غصہ اور رقابت سے جل اٹھی۔ ایک دن وہ تھا کہ پورن مل نے رتناولی کا ہاتھ تھامنے کی درخواست کی اور اب یہ وقت آیا ہے کہ خود رتناولی چاہتی تھی کہ پورن مل اس کا تھام لے مگر پورن مل رانی رائسین کے ساتھ ایسا پھنسا ہوا تھا کہ دن کا سورج بھی نہیں دیکھتا تھا۔

رتناولی سے جب برداشت نہ ہوا تو وہ ایک دن گھوڑے پر سوار ہو کے سیدھی راج محل پہنچ گئی۔ پورن مل نے سنا تو اس کی جان ہی نکل گئی۔ وہ اگر دنیا میں کسی سے ڈرتا تھا تو وہ صرف رتناولی تھی۔ رتناولی کی آنے کی خبر پا کر وہ ننگے پاؤں بھاگتا ہوا راج محل کی سیڑھیوں تک پہنچ گیا۔ رتناولی کا خیال تھا کہ پورن مل اسے بھول گیا ہو گا مگر جب اس نے پورن مل کو اس طرح بدحواس ہو کر اپنے استقبال کے لیے آتے دیکھا تو وہ اپنی جگہ اکڑ گئی۔

"کیا حال ہے رائے پورن مل؟" رتناولی نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں رتنا"۔ پورن مل نے رتناولی کو سہارا دے کر گھوڑے سے اتارا۔

"ٹھیک نہیں بالکل تم بہت ٹھیک ہو رائے پورن مل"۔ رتناولی نے بھرپور طنز کیا۔

"تم ہی نے تو مجھے اس کام پر لگایا تھا۔ اب تم ہی مجھے طعنہ دے رہی ہو؟ پورن مل کے لہجے میں غصہ کے بجائے لجاجت اور خوشامد تھی۔

رتناولی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے رک کے بولی۔

"میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ راج محل میں جا کے ودھوا (بیوہ) رانی کے ساتھ رنگ رلیاں مناؤ؟" رتناولی کا غصہ کچھ اور تیز ہو گیا تھا۔

پورن مل نے کوئی جواب نہ دیا۔ بھیگی بلی بنا کھڑا رہا۔ رتناولی نے جواب کا انتظار کیا۔ جواب نہ ملا تو اس کا غصہ بھی ٹھنڈا ہونے لگا۔ پورن مل نے جھجکتے ہوئے رتناولی کے چہرے پر نظریں ڈالیں۔ رتناولی کا چہرہ پہلے ہی طرح شگفتہ اور شاداب تھا۔ وہ پورن مل کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں تو پہلی ملاقاتیں یاد آ گئیں۔

رتناولی نے راج محل میں پہنچتے ہی اس پر قبضہ کر لیا رانی رائسین اور راجکمار کو پورن مل کے حکم سے ایک پرانے محل میں منتقل کر دیا گیا۔ دو نوکرانیاں اور دو نوکر رانی کی خدمت کے لیے دے کر اسے راج محل سے ہمیشہ کے لیے بے دخل کر دیا گیا۔ اب وہاں رتناولی کا راج تھا۔ رتناولی، پورن مل کی صرف بیوی نہ تھی اور سب کچھ تھی۔ پورن مل نے رانی رائسین اور راجکمار کو قتل تو نہ کیا مگر پہلے راج محل سے پھر رائسین سے غائب ہو گئے۔

رتناولی جیسے راج محل میں پورن مل کی محبوبہ کی حیثیت سے رہتے ہوئے سولہ سال گزر چکے تھے، وہ روز اول کی طرح جوان، شہ زور اور پورن مل پر حاوی تھی۔ راج محل کے اندر اور باہر رتناولی کا حکم چلتا تھا۔ پورن مل بڑا خودسر تھا۔ وہ کسی کی پروا نہ کرتا مگر رتناولی کو دیکھ کے اس کی جان جاتی تھی۔ وہ عیاش اور رقص و موسیقی کا دلدادہ تھا۔ رتناولی نے اس کی ان حرکتوں کا کبھی برا نہ مانا بلکہ وہ خود اس کی عیاشیوں کے لیے مواقع فراہم کرتی تھی۔

رائسین کی ریاست اپنے محل وقوع کی وجہ سے بہت محفوظ تھی۔ شمالی ہند اور جنوبی ہند کے بڑے بڑے راجے اور بادشاہ، پورن مل کو نہیں چھیڑتے تھے اور اکثر اس کی زیادتیوں اور دیدہ دلیریوں کو نظرانداز کر دیتے تھے۔

ایک روایت کے مطابق جن دنوں پورن مل نے اپنی عیاشیوں کے لیے رائسین کی ہندو کنواریوں کو اغوا کرانا شروع کیا تو پوری ریاست میں کہرام مچ گیا۔ پورن مل نے اپنی فوجی طاقت کافی بڑھالی تھی اور اسی طاقت کے زور پر اس نے رائسین والوں کو ڈرا دھمکا کر خاموش کر دیا مگر لوگ پوری طرح خاموش نہیں ہوئے اور ان میں پورن مل کے خلاف نفرت اور حقارت پھیل گئی۔

رتناولی، پورن مل کے ہر اچھے برے کام میں اس کی ساتھی اور مشیر ہوتی تھی۔ اس

نے رعایا کی نفرت اور غصہ محسوس کیا اور فوراً" ان کے غصہ اور نفرت کو مسلمانوں کی طرف پھیر دیا۔ رائسین کے قرب و جوار میں مسلمان آبادیاں تھیں خاص کر وہاں سادات زیادہ آباد تھے۔ اس نے پورن مل کو مشورہ دیا کہ ریاستی لڑکیوں اور عورتوں کو پکڑنے کے بجائے وہ مسلم آبادیوں پر حملہ کر کے وہاں سے لڑکیاں اور عورتیں پکڑ لائے۔

رتناولی کی یہ بات پورن مل کے دل کو لگ گئی۔ اس نے نہ صرف خود مسلم علاقوں میں قتل و غارت اور عورتوں، لڑکیوں کو پکڑنا شروع کیا بلکہ رعایا کو بھی عام اجازت دیدی کہ وہ بھی مسلمانوں پر کھلے عام حملہ کر کے انہیں لوٹ سکتے ہیں۔ پھر تو اس کی وبا پھیل گئی۔ مسلمان آبادیوں کا جینا دوبھر ہو گیا۔ ان پر آئے دن حملے ہونے لگے۔ جس میں گاؤں کے گاؤں لوٹ لئے جاتے۔ عورتیں کنیزیں اور جوان لڑکیاں ساقی گری اور رقص پر مجبور کی جاتیں۔

یہی وہ وقت تھا جب بلگرام کے سادات کا ایک مظلوم وفد سلطان ابراہیم لودھی تاجدار ہند کے دربار آگرہ میں پورن مل کی زیادتیوں کے سلسلہ میں فریاد لے کر گیا تھا۔ سلطان نے مظلوموں کی فریاد بے دلی سے سنی اور بغیر کوئی تسلی دئے ان کی طرف سے منہ گھما لیا۔ فرید خاں (موجودہ سلطان شیر شاہ سوری) اس وقت دربار میں موجود تھا۔ مظلوموں کی فریاد اور ابراہیم لودھی کی بے رخی دیکھ کر اس نے عہد کیا۔

اور آج شیر شاہ اپنے اس عہد کو پورا کرنے کے لیے ریاست رائسین کے قلعہ پر دستک دے رہا تھا۔ روایت ہے کہ شیر شاہ کا رائسین آنا یہ پہلی مرتبہ نہ تھا بلکہ وہ گزشتہ سال بھی رائسین کا چکر لگا چکا تھا۔ رائسین آنے کی پہلے بھی یہی وجہ تھی کہ وہ پورن مل کے پنجے سے ان مسلمان عورتوں اور مردوں کو چھڑانا چاہتا تھا جن پر وہ رات دن ستم ڈھاتا تھا۔ اسے خبر دی گئی تھی کہ پورن مل مسلمان لڑکیوں کو پکڑ کر لاتا ہے اور انہیں شراب پلانے اور ناچنے پر مجبور کرتا ہے۔

بعض مورخوں نے سلطان کے رائسین پہلی بار آنے کا حال اس طرح بیان کیا ہے۔

پورن مل کو شیر شاہ کے آنے کی خبر ملی تو وہ فوراً" قلعہ بند ہو گیا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے دل میں چور تھا اور اس پر جو یہ الزام تھا کہ اس نے مسلمان عورتوں کو قلعہ میں قید کر رکھا ہے تو وہ سچ تھا ورنہ اسے چاہیے تو یہ تھا کہ سلطان شیر شاہ

سوری کی آمد کی اطلاع پاتے ہی اس کی سلامی کو حاضر ہوتا اور نذرانہ پیش کرتا جیسا کہ اس زمانہ کا دستور تھا۔

شیر شاہ نے پورن مل کو قلعہ بند دیکھا تو قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور ایک سردار کو پورن مل کے پاس بھیجا۔ سردار قلعہ کے صدر دروازے پر پہنچا تو دروازے کے پہریداروں نے چھوٹا دروازہ کھول کے اسے اندر کر لیا اور سردار کو پورن مل کے پاس پہنچا دیا۔

"سلطان ہند شیر شاہ سوری نے پورن مل کو حکم دیا ہے کہ وہ فوراً" سلطان کے حضور پیش ہو کے اس بات کی وضاحت کرے کہ پورن مل نے سلطان کی آمد کی اطلاع پا کر قلعہ کے دروازے کیوں بند کئے جبکہ شاہی دستور کے مطابق اسے سلطان کے سامنے پیش ہو کے نذرانہ پیش کرنا تھا"۔

پورن مل جواب دینا چاہتا تھا مگر رتناولی نے اس کا ہاتھ دبا کر خاموش کر دیا اور اس کے بجائے خود اس نے سردار کو جواب دیا۔

"اے سلطان الہند کے معزز سردار۔ آپ جانتے ہیں کہ اونچے نیچے پہاڑوں میں گھری ہوئی یہ چھوٹی سی ریاست ہے سلطان کے لشکر کی خبر سن کر رائے پورن مل اور رائسین کی پوری رعایا بہت زیادہ خوفزدہ ہو گئی ہے سب کا یہ خیال ہے کہ ہمارے کسی دشمن نے سلطان کو ہمارے خلاف بھڑکایا ہے رائے پورن مل کو سلطان کے حضور پیش ہو کر نذرانہ اور سلام ادا کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے مگر وہ چاہتے ہیں کہ انہیں یہ بتایا جائے کہ سلطان عالی مقام سے رائسین کے راجہ رائے پورن مل کی کسی نے شکایت کی ہے اور وہ شکایت کیا ہے؟"

سوری سردار اس لحیم شحیم مگر خوبصورت عورت کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ خاموش ہوئی تو وہ سخت لہجے میں بولا۔

"مجھے سلطان نے پورن مل کو اپنے ساتھ لانے کا حکم دیا ہے۔ میں پورن مل کی بیوی سے باتیں کرنے نہیں آیا؟"

"میں رائے پورن مل کی بیوی نہیں ہوں سردار"۔ رتناولی نے نہ جانے کیوں انکار کیا حالانکہ وہ اتنے سال سے پورن مل کے ساتھ بیوی نہ سہی داشتہ کے طور پر تو رہ رہی تھی۔

سوری سردار شاید ظرافت پسند انسان تھا اور اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ رتناولی اور پورن مل نے اب تک اپنی شادی کا اعلان نہیں کیا ہے پھر بھی اس نے مسکراتے ہوئے دوسری بار چوٹ کی۔

"میں خاتون سے اس غلط فہمی پر معافی کا خواستگار ہوں۔ بہرحال وہ پورن مل کی بیوی نہ سہی تو بہن ضرور ہوں گی جب ہی ان کی طرف سے پر زور الفاظ میں وکالت کر رہی ہیں"۔

"میں رائے پورن مل کی بہن بھی نہیں ہوں"۔ رتناولی نے پھر احتجاج کیا۔ میرا نام رتناولی ہے اور میں رائے پورن مل کی ریاستی معاملات کی مشیر ہوں"۔

"اب مجھے خاتون سے دوبارہ معافی مانگنا پڑے گی"۔ سوری سردار نے مصنوعی سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے جواب دیا "میں نے تسلیم کیا کہ آپ پورن مل کی مشیر ہیں حالانکہ اب تک سنا جاتا رہا ہے کہ مشیر عام طور پر عورتیں مقرر کرتی ہیں مگر رائسین میں شاید الٹا قانون چلتا ہے کہ ریاست کا راجہ خاموش رہے اور اس کی جگہ اس کی مشیر عورت شاہی پیغامبر سے بات کرے"۔

اب پورن مل سے نہ رہا گیا۔ رتناولی کے اشاروں کے باوجود آخر وہ بول ہی پڑا۔

"مہمان سردار۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں ایک ہفتہ سے سخت جاڑے بخار میں پڑا ہوں۔ میرے ویدجی نے مجھے کم بات کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے میری مشیر میری طرف سے بات کر رہی ہے۔ اس نے جو کچھ کہا ہے وہ آپ میرا ہی کہا ہوا سمجھئے"۔

سوری قاصد نے فوراً" اپنا رویہ تبدیل کیا اور سخت لہجے میں کہا۔

"رائے پورن مل۔ جو کچھ اس خاتون نے کہا ہے اگر وہ سب کچھ تمہارا کہا ہوا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ سلطان نے تمہیں فوراً" اپنے حضور طلب کیا ہے۔ میں تم سے بحث کرنے یا جواب دینے نہیں آیا تمہارا جواب سننے آیا ہوں مجھے صاف اور واضح جواب دو کہ تم میرے ساتھ چل رہے ہو کہ نہیں؟"

شاہی قاصد کے سخت لہجے میں پورن مل گھبرا گیا۔ اس نے فوراً" رتناولی سے مشورہ کیا پھر کہا۔ "معزز شاہی قاصد۔ مجھے سلطان کے حضور پیش ہونے میں کوئی عذر نہیں مگر میری سلطان سے یہ درخواست ہے کہ وہ اپنے الطاف خسروانہ کے تحت اپنے عالی مقام

سردار شجاعت خاں کو میرے پاس بھیج دیں تو میں ان کے ساتھ فوراً چلا آؤں گا"۔

"پورن مل"۔ شاہی قاصد نے اور زیادہ تلخ لہجے میں کہا۔ "تمہیں سلطان کے سامنے پیش تو ہونا پڑے گا۔ شجاعت خاں تمہیں اپنے سر پر تو بٹھا کے نہیں لے جائے گا۔ شجاعت خان سے تم یہ بھی امید نہ رکھو کہ وہ سلطان سے تمہاری سفارش کر لے گا۔ تم یہ بھی خیال رکھو کہ سلطان سفارش سے اور زیادہ بگڑ جاتا ہے"۔

پورن مل اور زیادہ خوفزدہ ہو گیا گھگیا کے بولا۔

"معزز قاصد۔ یہ میری درخواست ہے۔ آپ براہ کرم اسے سلطان تک پہنچا دیجئے؟"

شاہی قاصد اٹھ کے کھڑا ہوا۔

"اچھا یہ تو بتاؤ پورن مل۔ سلطان کے سامنے تم اکیلے پیش ہو گے یا تمہاری مشیر بھی تمہارے ساتھ آئیں گی"۔

"نہیں نہیں۔ میں شجاعت خاں کے ساتھ اکیلا ہی آؤں گا"۔ پورن مل نے شاہی قاصد کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

اسی وقت رتناولی نے اپنے گلے سے ایک جواہرات کا ہار اتار کر پون مل کو کچھ اشارہ کرتے ہوئے دیا۔ جس کے جواب میں پورن مل نے سر ہلایا پھر ہار کو قاصد کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کی نذر ہے شاہی قاصد"۔

"اس رشوت کی ضرورت نہیں پورن مل"۔ قاصد نے صاف انکار کر دیا "میں سلطان سے تمہاری کوئی سفارش نہ کر سکوں گا"۔

پورن مل عاجزی سے بولا۔

"معزز شاہی قاصد۔ میں کوئی سفارش نہیں چاہتا۔ صرف یہ خواہش کہ آپ سلطان سے میری مشیر کا کوئی ذکر نہ کیجئے تو بہت مہربانی ہو گی؟"

"ٹھیک ہے پورن مل" قاصد نے جواب دیا۔ "مجھے یا سلطان کو تمہاری ذاتی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں"۔

کہتے ہیں کہ پورن مل کی درخواست پر سلطان شیر شاہ نے پورن مل کو لانے کے لیے اپنے سردار شجاعت خاص کو قلعہ رائسین میں بھیج دیا۔

جس وقت شجاعت خاں کے ساتھ پورن مل جانے لگا تو رتناولی نے آنکھوں میں آنسو بھر کے شجاعت خاں سے کہا۔

"اے سلطان کے عظیم الشان سردار شجاعت خاں۔ اب رائے پورن مل کی حفاظت آپ کے ذمہ ہے جب رائے پورن" "سلطان سے مل کے واپس نہیں آئیں گے میں کھانا نہیں کھاؤں گی اور قلعہ کے اونچے برج پر بیٹھ کے ان کی راہ تکتی رہوں گی"۔

شجاعت خان نے جواب دیا تھا۔ "اطمینان رکھو رتناولی۔ جب تک رائے کی موت نہیں آئی انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا"۔

رتناولی نے نہ جانے شجاعت خاں کے جواب کا کیا مطلب نکالا کہ فوراً کہا۔

"شجاعت خاں اگر رائے واپس نہ آئے تو میں برج پر سے گر کے اپنی زندگی ختم کر لوں گی اور میری جان کا عذاب تم پر ہو گا"۔

شجاعت خاں ہنس دیا۔

"رتناولی۔ گھبراؤ نہیں۔ میں تمہاری جان کا عذاب اپنے سر نہیں لوں گا"۔



پورن مل کو اپنے جس قلعہ پر ناز تھا آخر اسے اس سے باہر آنا پڑا۔ شجاعت خاں نے ایسی چرب زبانی سے کام لیا کہ پورن مل بالکل ہی بکری بن گیا اور وہ چپ چاپ شجاعت خاں کے ساتھ سلطان شیر شاہ سوری کی سلامی کے لیے چل پڑا۔ سلطان کی سلامی اور نذرانے کے لیے پورن مل نے اپنے ساتھ چھ ہزار بانکے جوان لے لئے۔ اس میں ہر سوار پورن مل پر جان دیتا تھا پورن مل ان سواروں کو سلطان کی فوج میں اس لئے داخل کرنا چاہتا تھا کہ ایک تو اس کے گھناؤنے کردار پر پردہ پڑا رہے دوسرے یہ کہ اس کے سوار اس سے سلطان کی جاسوسی کرتے رہیں اور وقت ضرورت پورن مل کے لیے تلوار بھی اٹھا سکیں۔

شجاعت خاں کو قلعہ رائسین میں گفتگو کرتے اور پورن مل کو شیر شاہ سوری کی سلامی پر آمادہ کرتے بہت دیر لگ گئی۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا شیر شاہ کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ آخر جب امید سے کہیں زیادہ دیر ہو گئی تو سلطان شیر شاہ کو شبہ ہوا کہ پورن مل نے کہیں

شجاعت خاں کو گرفتار کر کے یرغمال نہ بنا لیا ہو اور اب وہ اس کے صلہ مراعات کا سوال کرے۔

یہ خیال آتے ہی شیر شاہ کا غصہ سے چہرہ لال بھبوکا ہو گیا۔ اس نے لشکر کو تیاری کا حکم دے دیا۔ حکم کی دیر تھی کہ ہر طرف "جنگ جنگ" کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ پیادوں نے تیر کمان، خنجر، تلوار اور بھالے سنبھالے۔ سواروں نے گھوڑوں پر ساز چڑھایا اور دم کے دم میں پورا لشکر کیل کانٹے سے درست ہو کے صف آرا ہو گیا۔

اسی وقت رائسین کے قلعہ کا دروازہ کھلا آگے آگے پورن مل اور شجاعت خاں تھے۔ ان کے پیچھے پورن مل کے چھ ہزار بانکے سوار قلعہ سے نکلنے لگے۔ پورن مل اور اس کے تمام سواروں کے نیزوں پر سفید پرچم لہرا رہے تھے جو امن و آشتی کی نشانی تھے۔ شیر شاہ کو اطلاع ہوئی تو اس نے خیمہ سے نکل کے دیکھا۔ نیزوں پر سفید پرچم لہراتے دیکھ کر شیر شاہ مسکرا کر اپنے خیمے میں واپس چلا گیا۔

شاہی خیمہ گاہ میں پہنچ کے شجاعت خاں اپنے گھوڑے سے اترا۔ اسے دیکھ کر پورن مل اور اس کے سوار بھی گھوڑوں سے اتر پڑے۔ شجاعت خاں نے شاہی خیمہ میں داخل ہو کر پورن مل کو پیش کرنے کی اجازت حاصل کی پھر واپس آ کر پورن مل اور اس کے بھائی چتر بھوج کو اپنے ساتھ اندر لے گیا۔

شیر شاہ کے سامنے پہنچ کے پورن مل اور چتر بھوج سلامی کے لیے سجدے میں گر پڑے۔

شیر شاہ نے شاہانہ کروفر کے ساتھ حکم دیا۔

"ہم سلام کا یہ غیر اسلامی طریقہ پسند نہیں کرتے۔ سلام کھڑے کھڑے سر کو ہلکا سا آگے کی طرف خم کر کے پیش کیا جائے۔ سلام کرنے کا یہ طریقہ ہماری سلطنت کے شمال و جنوب اور مشرق و مغرب میں ہر جگہ منادی کرایا جائے"۔

شجاعت خاں نے دونوں کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کے انہیں کھڑا کیا اور شیر شاہ کے بتائے ہوئے طریقے سے دونوں نے شہنشاہ ہند شیر شاہ سوری کو سلام پیش کیا۔ چتر بھوج نے فوراً جیب سے دو عدد جواہرات کے ہار نکالے اور سلطان شیر شاہ کے قدموں میں رکھ دیے۔

"پورن مل"۔ شیر شاہ نے اس قدر رعب دار آواز میں کہ پورن مل اچھل پڑا۔ پ

اس نے ڈرتے ڈرتے سلطان کو کنکھیوں سے دیکھا۔

"ہم تم ہی سے کہہ رہے ہیں پورن مل"۔ شیر شاہ نے دوبارہ کہا۔ "تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہم بھی ابراہیم لودھی کی طرح مسلمانوں پر کیے جانے والے تمہارے شرمناک ظلم و ستم سے آنکھیں بند کر لیں گے"۔

سلطان مائی باپ ہیں"۔ پورن مل گڑگڑایا۔ "میں نے مسلمانوں پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ سلطان کے حضور میں میرے دشمنوں نے غلط خبر پہنچائی ہے"۔

"جھوٹ مت بولو پورن مل۔ اقبال جرم کرنے سے سزا کم ہو جاتی ہے"۔ شیر شاہ نے قدرے نرمی سے کہا۔ "ہاں اگر تم اپنے انکار اور ہٹ دھرمی پر اڑے رہے ہم تمہیں سخت سزا دینے پر مجبور ہو جائیں گے"۔ پورن مل خوفزدہ ہو گیا۔ اس نے فوراً اقبال کیا۔

"مائی باپ۔ کئی سال پہلے قریب کے مسلمان بھائیوں سے میرے سپاہیوں کا کچھ جھگڑا ہو گیا تھا اس میں مسلمان بھائیوں کے ساتھ کچھ زیادتی ہو گئی تھی اس کے لیے میں سلطان سے معافی چاہتا ہوں اور تاوان دینے پر آمادہ ہوں"۔

بات چونکہ ابراہیم لودھی کے زمانہ کی تھی اسی وقت شیر شاہ نے جو اس وقت فرید خاں تھا، مسلمانوں کی زبانی پورن مل کی چیرہ دستیوں کی کہانی سنی تھی اس لیے اس نے سوچا کہ اب بات پرانی ہو گئی ہے اور پورن مل گڑگڑا کے معافی مانگ رہا ہے اس لیے انتقام لینے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ درگزر سے کام لیا جائے تاکہ پورن مل کو اپنی اصلاح کا موقعہ ملے اور وہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائے۔

سلطان نے اور نرم پڑتے ہوئے کہا۔ "نہ ہمیں مال و دولت کی ضرورت ہے اور نہ کسی قسم کے تاوان کی۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم مسلمانوں کی بستیوں سے دور رہو اور ان پر کسی قسم کا جبر یا تشدد نہ کرو"۔

"میں سلطان کو یقین دلاتا ہوں کہ میری طرف سے مسلمان بھائیوں پر کوئی ظلم نہ کر سکے گا۔ اگر کسی نے کسی مسلمان بھائی کی طرف انگلی بھی اٹھائی تو میں اس کی انگلی قلم کرا دوں گا"۔ پورن مل نے انتہائی عاجزی سے جواب دیا اور شیر شاہ کو مزید یقین دلانے کے لیے گنگا مائی اور مہادیو کی قسمیں بھی کھائیں۔

اسلام دشمن سے انتقام لینے کی اجازت دیتا ہے صرف اس حد تک جتنا دشمن نے

اس پر ظلم یا زیادتی کی ہو۔ سلطان شیر شاہ نے پورن مل کو سزا دینے کا عہد کیا تھا مگر اس وقت پورن مل معافی مانگ رہا تھا اور آئندہ کے لیے کسی قسم کی بدعنوانی اور زیادتی نہ کرنے کی قسمیں بھی کھا رہا تھا۔ سلطان نے سوچا کہ اگرچہ انتقام لیا جا سکتا ہے لیکن اسلام درگزر کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے جو بدلہ لینے سے زیادہ نیک کام ہے۔ اسی کے مطابق شیر شاہ نے فیصلہ کیا اور کہا۔

"پورن مل۔ تم اگرچہ اقبال جرم کرتے ہوئے معافی کے خواستگار ہو مگر اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم آئندہ مسلمانوں کو تنگ نہیں کرو گے؟"

چالاک پورن مل نے فوراً" اپنے بھائی چتر بھوج کا ہاتھ پکڑ کے سلطان کے سامنے جھکا دیا۔

"سلطان معظم"۔ پورن مل نے بڑی عقیدت سے کہا۔ "میں اپنے اس بھائی کو عالی جاہ کی خدمت میں ضمانت کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ یہ حضور کے لشکر میں میرا ضامن ہو گا اس کے علاوہ میں اپنے چھ ہزار سوار بھی شاہی لشکر کے لیے پیش کرتا ہوں جو شاہی لشکر میں ایک اضافہ کے ساتھ میری ضمانت بھی ہوں گے"۔

پورن مل کی اس پیش کش پر سلطان نے بھی فراخدلی کا اظہار کیا۔ اس نے کہا۔

"جاؤ پورن مل۔ اس بار ہم نے تمہیں معاف کیا۔ مگر خیال رہے کہ اگر آئندہ ہمیں تمہاری شکایت ملی تو تمہارے قلعہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی"۔

پورن مل کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

"میں شاہ عادل کا احسان عمر بھر نہ بھولوں گا"۔ اس نے بڑی مسرت سے کہا۔

"میں اپنے ساتھ جو چھ ہزار سوار شاہی فوج کے لیے لایا ہوں' اس کے لیے کیا حکم ہے عالی جاہ؟"

"ہمیں اپنے لشکر میں کسی اضافہ کی کوئی ضرورت نہیں"۔ شیر شاہ نے فوراً" انکار کر دیا اس لیے کہ وہ پورن مل کو اپنے لشکر کی جاسوسی کا موقعہ نہیں دینا چاہتا تھا۔

بہت بہت کرم نوازی عالی جاہ۔ پورن مل نے پھر سر جھکا کر کہا۔ "سلطان میرے بھائی چتر بھوج کو تو اپنی خدمت کا ضرور موقعہ دیں گے۔ میں اسے اپنی ضمانت کے طور پر شاہی لشکر میں چھوڑنا چاہتا ہوں؟"

شیر شاہ نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ پورن مل۔ ضمانت وہ طلب کرتے ہیں جنہیں اپنی طاقت پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ تم اگر اپنے عہد سے پھرو گے تو اس کا خمیازہ ضرور بھگتو گے"۔

پورن مل کے دل میں خوشی کے لڈو پھوٹ رہے تھے۔ وہ اپنی زیادتیوں کے باوجود صاف بچ گیا تھا۔ اس کے جاں نثار سوار اور پیارا بھائی جس کے متعلق اس کا خیال تھا کہ اسے سلطنت ضمانت کے طور پر ضرور اپنے ساتھ لے جائے گا' وہ بھی واپس ہو گیا جب شیر شاہ کو رخصتی سلام کر کے واپس ہوا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ ہواؤں میں اڑا رہا ہے۔

پورن مل نے شاہی خیمہ گاہ سے واپسی کے وقت تکلف کے طور پر سلطان اور اس کے لشکر کی ایک ہفتہ تک مہمان نوازی کی پیش کش کی تھی مگر سلطان نے وہ بھی قبول نہ کی اور اسی وقت لشکر کو واپسی کا حکم دیا۔

پورن مل نے اپنے قلعہ واپس ہوتے ہوئے بھائی سے کہا۔

"چتر بھوج۔ تو نے دیکھا کہ میں نے اپنی باتوں سے اس چالاک لومڑی کو کیسا الو بنایا اور آخر وہ واپس جانے پر مجبور ہو گیا"۔

چتر بھوج نے تمام باتیں سنی تھیں مگر اس نے بھی بھائی کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"رائسین کے رائے پورن مل کا مقابلہ سلطان نہیں کر سکتا۔ وہ تو آپ سے باتیں کرتے ہوئے بھی گھبرا رہا تھا۔ اچھا ہوا کہ وہ اپنی جان بچا لے گیا ورنہ اس کی لاش ہی یہاں سے واپس جاتی"۔

"تو نے بالکل ٹھیک کہا چتر بھوج۔" پورن مل بھائی کی چاپلوسی سے خوش ہو گیا۔ "مگر دیکھ۔ میرے اور شیر شاہ کے درمیان ہونے والی گفتگو کو سوائے تیرے اور کسی نے نہیں سنا۔ اب میں جو کچھ رتناولی سے کہوں تو اس کی تصدیق کرتا جائیو"۔

"میں سمجھ گیا پورن بھیا"۔ چتر بھوج نے کہا۔ "میں تو آپ کا غلام ہوں۔ آپ کے کہنے سے کب باہر جا سکتا ہوں"۔

پھر ایسا ہی ہوا۔ پورن مل نے قلعہ پہنچتے ہی اپنی محبوبہ رتناولی کے سامنے ڈینگیں مارنا شروع کر دیں۔

"تم نے سنا رتناولی میں نے سلطان سے کیا کہا۔۔۔۔۔؟"

"ہاں۔ مجھے معلوم ہے"۔ رتناولی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تمہیں معلوم ہے"۔ پورن مل گھبرا گیا۔۔۔۔ "تمہیں کس نے بتایا۔ میں اور چتر بھوج ابھی واپس آ رہے ہیں۔ پھر تمہیں کیسے معلوم ہو گیا۔۔۔۔؟"

رتناولی مسکرائی۔ "میں نے قلعہ کے اوپر سے معلوم کر لیا تھا"۔

پورن مل کچھ اور بوکھلا گیا۔ "کیسی بچوں والی باتیں کر رہی ہو۔ قلعہ پر سے کیسے معلوم ہوا۔ کس نے بتایا تمہیں"۔

پورن مل کو گھبراہٹ یہ تھی کہ شاید رتناولی کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا ہے کہ سلطان نے اسے کس طرح ڈانٹا اور پھٹکارا ہے۔ اس لئے وہ بوکھلا بوکھلا کے رتناولی سے سوال کر رہا تھا۔

آخر رتناولی نے آگے بڑھ کر کہا۔

"پیارے پورن۔ جب تم شیر شاہ سے ملنے گئے تو میں پریشان ہو کے قلعہ کے برج پر جا بیٹھی تھی اور بھگوان سے تمہاری خیریت سے واپسی کی دعائیں مانگ رہی تھی نہ پوچھو اس وقت میرا کیا حال تھا۔ میرا سانس تیز تیز چل رہا تھا اور دل میں پنکھے لگے ہوئے تھے۔ پھر میں نے تمہیں چتر بھوج اور اپنے بانکے سجیلے سواروں کے ساتھ واپس آتے دیکھا اور اس وقت مجھے یہ منظر بھی دکھائی دیا کہ شیر شاہ کا لشکر بدحواسی کے عالم میں اپنے خیمے ڈیرے اکھاڑ رہا ہے۔ میں سمجھ گئی کہ شیر شاہ تم سے ڈر گیا ہے اور ضرور تم سے صلح کرنے کے بعد واپس جا رہا ہے"۔

پورن مل اور چتر بھوج ہکا بکا منہ پھاڑے رتناولی کی صورت دیکھ رہے تھے۔ اس نے ذرا رک کے کہا۔

"پورن۔ مجھے حیران ہو کے کیوں دیکھ رہے ہو۔ کیا میں نے شاہی لشکر کے بارے میں غلط اندازہ لگایا؟"

پورن مل اس وقت تک اپنے حواسوں میں آ چکا تھا۔

"رتنا تو نے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا ہے میں حیران تو اس لیے ہو رہا تھا کہ مجھے یہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ میری رتنا بھی اس قدر عقلمند ہو گئی ہے اچھا یہ بتاؤ کہ یہ اندازہ صرف

تم نے لگایا یا دوسرے لشکریوں نے بھی یہی سمجھا ہے"۔

رتناولی منہ بنا کے بولی۔ "لشکری تو سب کے سب نرے بدھو ہیں۔ وہ ایسی باتیں کیسے سمجھ سکتے ہیں"۔

"اچھا تو پھر اعلان کرا دو"۔ پورن مل خوشی سے بے قابو ہو کے بولا۔

"کیا اعلان کرا دوں؟" رتناولی نے اسے خاموش دیکھ کے پوچھا۔

"اعلان!" پورن مل نے کہا۔ "یہ اعلان کرا دو کہ سلطان شیر شاہ قلعہ کا محاصرہ اٹھا کر بھاگ رہا ہے۔ قلعہ میں ایک ہفتہ تک جشن فتح و شادمانی منایا جائے۔ کسی گھر میں کھانا نہ پکے۔ ہر شخص کو ہماری طرف سے ہفتے بھر تک کھانے کے لیے بہترین کھانے اور پینے کے لیے "پرانی شراب" تحفے کے طور پر پیش کی جائے گی"۔

اس زمانہ میں راجہ اور بادشاہ کا حکم' خدائی احکام سے کم نہ سمجھا جاتا تھا پھر اب تو یہ جشن منانے کا حکم تھا۔ مشہور مثل ہے کہ جو مذہب بادشاہ کا وہ رعایا کا رائے پورن مل سدا کا عیاش تھا۔ اس کی دیکھا دیکھی رائسین کی پوری رعیت شراب و شباب کی رنگینیوں میں الجھ گئی تھی رائسین پر اس کی مشکل اور دشوار گذار محل وقوع کی وجہ سے دہلی و آگرہ کے بادشاہ حملہ نہ کرتے تھے۔ اس وجہ سے پورن مل اور زیادہ شیر ہو گیا تھا۔

پورن مل کا عام دنوں میں دستور تھا کہ وہ شراب کے مٹکے بیل گاڑیوں پر رکھواتا پھر اپنی محبوبہ رتناولی کے ساتھ ایک آراستہ رتھ میں سوار ہو جاتا مشہور تو یہ کیا جاتا کہ رائے پورن مل اپنی ریاست کے دورے پر جا رہا ہے مگر ہوتا یہ تھا کہ پورن مل دن بھر تو معہ اپنے لاؤ لشکر کے ریاست کی آبادیوں میں گھومتا اور رات ہوتے ہی کسی بڑے میدان میں خیمے لگائے جاتے۔ پھر محفل رقص و سرود برپا ہوتی اور نصف شب تک ایسا ادھم مچتا کہ شیطان بھی پناہ مانگ جاتا۔

اس قسم کی محفلوں کو پر رونق بنانے کے لیے رائے پورن مل آس پاس کی آبادیوں سے حسین و جمیل جوان عورتوں اور دوشیزاؤں کو پکڑوا لیتا۔ کبھی یوں بھی ہوتا کہ قلعہ رائسین میں پہلے سے قید مسلمان خواتین اور دوشیزاؤں کو بیل گاڑیوں پر سوار کر کے اپنے ساتھ رکھتا اور جہاں رات ہوتی اور محفل جمتی تو ان خواتین اور دوشیزاؤں کو نوک شمشیر پر شراب پلانے اور رقص کرنے پر مجبور کیا جاتا۔

ان محفلوں میں پورن مل کے ساتھ آنے والے تمام لشکری شریک ہوتے۔ شراب کا دور چلتے ہی چھوٹے بڑے اور سردار سپاہی کی تمیز اٹھ جاتی شراب و شباب کی ارزانی کی ان محفلوں میں بعض ایسے شرمناک مناظر بھی دیکھنے میں آتے کہ شرم کو بھی شرم آنے لگی۔ اس ماحول میں ساقی گری کرنے والی مسلمان دوشیزاؤں اور رقص پر مجبور مسلمان خواتین کا جو حشر ہوتا ہو گا اس کا صرف تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔

جشن عام اعلان ہوتے ہی لہو لعب کی محفلیں جم گئیں۔ قلعہ کے دروازے کھول دیئے گئے۔ قرب و جوار کی آبادی قلعہ میں در آئی اور ریاستی دعوت طعام اور شراب سے لطف اندوز ہونے لگی۔ شراب چونکہ انسانی اعضاء کو مضمحل اور دماغ و ذہن کو مختل کر دیتی ہے۔ اس لیے ان پڑھ دیہاتی شراب پی کر وہ کچھ کر گزرتے جو قحبہ خانوں میں بھی نہ ہوتا تھا۔

رائسین کا پورا قلعہ ایک بہت بڑے قحبہ خانے میں تبدیل ہو گیا ہر جگہ قحبہ خانے کھل گئے۔ عوامی محفلوں میں تو اس طرح کا ادھم دھاڑ مچا تھا مگر رائے پورن مل نے اپنی محفل کو کسی اور طرز سے آراستہ کیا تھا۔ اس کی محبوبہ رتناولی کو شعر و شاعری کا بھی کچھ شوق تھا۔ اس لیے رائے پورن مل نے محبوبہ کی خوشنودی کی خاطر ایک محفل مشاعرہ جسے "سنگیت سبھا" کا نام دیا گیا تھا۔ سجائی تھی۔ اس سبھا میں دور و نزدیک سے کئی بڑے شاعر بھی مدعو تھے۔

شعرا کو کھانا کھلایا گیا۔ اس کے بعد مشاعرہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے رتناولی نے اپنا گیت سنا کے داد حاصل کی اس کے بعد دوسرے شعراء نے ترنم یا بے ترنم اپنے اپنے گیت پیش کیے۔ اسی دوران شراب کا دور شروع ہوا۔ اس کے لیے پورن مل نے حکم دیا کہ قید کی ہوئی مسلمان لڑکیوں کو پیش کیا جائے۔ وہ مجبوراً" اس طرح محفل میں آئیں کہ ان کے جسموں پر برائے نام ہی لباس تھا۔ ان سب کو شراب پلانے پر لگایا گیا۔

جب محفل شراب میں دھت ہو گئی تو پورن مل نے رقص کا حکم دیا یہ رقاص عورتیں بھی تمام کی تمام مسلمان تھیں جنہیں پورن مل مختلف حملوں میں مختلف مسلم آبادیوں سے زبردستی اٹھا لیا تھا۔ یہ مجبور رقاصائیں شرم سے سر جھکائے محفل میں آئیں اور رقص میں مصروف ہو گئیں۔ شرابیوں کی بو الہوس نظریں انہیں گھورتیں یہ تمام وہ

مظلوم عورتیں اور لڑکیاں تھیں جن کی قلعہ میں موجودگی سے رائے پورن مل نے شیر شاہ کے سامنے انکار کیا تھا۔

ادھر تو یہ عریاں محفلیں غیرت اور تہذیب کا منہ چڑھا رہی تھیں دوسری طرف بلگرام والے جو ایک بار سلطان ابراہیم لودھی کے پاس پورن مل کی شکایت لے کر گئے تھے' کسی اور خوش فہمی میں مبتلا تھے۔ بلگرام والوں کو معلوم ہوا تھا کہ سلطان عادل نے قلعہ رائسین کا محاصرہ کر لیا ہے۔ اس خبر پر ایک محفل میں کچھ اس طرح تبصرہ ہو رہا تھا۔

ایک محفل نشیں نے بڑی عقیدت سے کہا۔

"اللہ کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔ پورن مل نے بہت ظلم ڈھا لئے۔ اب سلطان عادل نے اس کا گریبان پکڑ لیا ہے۔ وہ ایک ایک ظلم کا بدلہ لے گا"۔

"ہاں بھائی۔ تم نے ٹھیک کہا"۔ دوسرے نے اس میں اضافہ کیا۔ "خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ اب پورن مل کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا ہو گا"۔

تیسرے نے کہا۔ "میں تو کہتا ہوں کہ اس راجہ اور اس کی ریاست کا خاتمہ کر دیا جائے تو بہتر ہے نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری۔ اس کی محبوبہ رتناولی تو اس سے بھی زیادہ ظالم ہے"۔

وہاں ایسی ہی باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک سوار گھوڑا بھگاتا ان کے قریب پہنچا اور بولا۔

"بھائیو۔ تم نے رائسین ہونے والے جشن کا کچھ حال سنا؟"

ایک آدمی نے ہنس کے کہا۔ "کس زمانہ کی باتیں کر رہے ہو۔ رائسین میں تو اب جشن کے بجائے ماتم ہو رہا ہو گا"۔

دوسرے آدمی نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"تم نے ٹھیک کہا یار۔ سوار بیچارے کو یہ معلوم ہی نہیں کہ سلطان شیر شاہ سوری نے ان دنوں رائسین کے قلعہ کا محاصرہ کر رکھا ہے اور پورن مل اپنی جان بچانے کے لیے سلطان کی خوشامدیں کر رہا ہے"۔

سوار کو غصہ آگیا۔ اس نے گھوڑے سے اتر کے اس آدمی کا گریبان پکڑ لیا جس نے سلطان کے قلعہ رائسین پر حملہ کی بات کی تھی۔

"تم لوگ عقل کے اندھے۔ یہاں بیٹھے باتیں بنا رہے ہو اور رائسین میں مسلمان بہنوں اور بیٹیوں کو قلعہ کے دربار ہال میں ننگا نچایا جا رہا ہے۔ رائسین سے ایک چشم دید گواہ آیا ہے اور اس نے یہ بات ہم سب کو بتائی ہے۔ میں بڑے شاہ صاحب کے پاس بتانے جا رہا ہوں۔ سلطان کے پاس فوراً" ایک وفد فریاد لے کر جائے گا"۔

محفل کے ایک آدمی نے دخل دیتے ہوئے کہا۔

"ہم نے تو یہ سنا ہے کہ پورن مل اپنی جان بچانے کے لیے سلطان کی خوشامد کر رہا ہے مگر سلطان اسے معافی دینے پر آمادہ نہیں"۔

سوار نے جواب دیا۔ "تم نے بھی ٹھیک ہی سنا تھا۔ مگر یہ بات پرانی ہے۔ سلطان شیر شاہ سوری نے رائسین کے قلعہ کا محاصرہ کیا تھا رائسین کا پورن مل' سلطان کے حضور پیش ہوا تھا اور اس نے اپنی باتوں سے سلطان پر یہ ثابت کر دیا کہ اس نے مسلمانوں پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ اس کے دشمنوں نے سلطان سے اس کی غلط شکایت کی ہے"۔

"پھر کیا ہوا"۔ دوسرے نے گھبرا کے سوال کیا۔

"ہونا کیا"۔ سوار بولا "سلطان' پورن مل کی باتوں سے دھوکہ کھا گیا۔ اس نے تاوان بھی وصول نہیں کیا اور پورن مل کو معاف کر کے اسے کھلا چھوڑ دیا۔ سلطان کے دو منزل دور جاتے ہی اس نے جشن فتح منانے کا حکم دیا جس میں ہر رات مسلمان لڑکیاں مہمانوں کو شراب پلاتی اور عورتیں رقص کرتی ہیں"۔

خدا خیر کرے——" سب کی زبان سے ایک ساتھ نکلا۔

سوار چڑ کے بولا۔

"خدا اس کی خیر نہیں کرتا جو خود اپنی خیر نہیں مناتا۔ میں کہتا ہوں خواب غفلت سے بیدار ہو اور میرے ساتھ بڑے شاہ صاحب کے پاس چلو تاکہ سلطان کے پاس وفد بھیجنے کا انتظام کیا جائے"۔

سوار کی کھری کھری سنانے سے ان نادان بے فکروں کی عقل ٹھکانے آ گئی۔ وہ سب کے سب سوار کے ساتھ بڑے شاہ صاحب کے پاس پہنچے۔ شاہ صاحب اور ان کے ساتھ والے کچھ پریشان پریشان سے نظر آ رہے تھے آبادی والوں کو ایک سوار کے ساتھ آتے دیکھا تو اٹھ کے کھڑے ہو گئے۔

"کیا بات ہے خیریت تو ہے یہ سوار کہاں سے آیا ہے"۔ ان لوگوں کے قریب پہنچنے پر شاہ صاحب نے ایک ساتھ کئی سوال کر ڈالے۔

سوار نے خود آگے بڑھ کے شاہ صاحب کو بتایا۔

"شاہ صاحب۔ قصہ یہ ہے کہ ہم نے سلطان عادل سے بڑی بڑی امیدیں باندھ رکھی تھیں اور خیال یہی تھا کہ سلطان' رائسین پہنچ کے ظالم پورن مل اور اس کی داشتہ کا دماغ صحیح کر کے قلعہ میں قید مسلمان عورتوں کو رہا کرا دے گا۔ مگر وہاں تو بالکل الٹا ہی کام ہوا۔ سلطان نے پورن مل کو بلا کر اس سے کیا سوال و جواب کئے اس کا تو پتہ نہیں لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورن مل کی معافی ہو گئی۔ سلطان مطمئن ہو کر سارنگ پور ہوتا ہوا آگرہ چلا گیا یا پھر بنگال روانہ ہو گیا اس کے جاتے ہی پورن مل نے مسلمانوں پر پہلے سے کہیں زیادہ ظلم توڑنا شروع کر دیئے اب وہ کئی ہفتوں سے جشن فتح منا رہا ہے اور مسلمان عورتیں اور لڑکیاں سر جھکائے ساقی گری اور رقص میں مصروف ہیں۔ ان کا کوئی پرسان حال نہیں"۔

شاہ صاحب یہ تفصیل سن کے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولے۔

"ہمیں بھی کچھ ایسی ہی اطلاعات ملی تھیں اور ہم فکر مند ہو رہے تھے۔ اچھا ہوا کہ ان خبروں کی تصدیق ہو گئی۔ اب ہمیں فیصلہ کرنے میں آسانی ہو گی"۔

شاہ صاحب نے باہم مشورہ سے اس وقت فیصلہ کیا کہ پانچ پانچ پڑھے لکھے اور با اعتماد آدمیوں کے دو وفد تیار ہوں۔ ایک آگرہ اور دوسرا بنگال کی طرف روانہ ہو جائے۔ یہ دونوں وفود سلطان کے پاس جلد از جلد پہنچنے کی کوشش کریں اور انہیں خدا کا واسطہ دے کر ظالم پورن مل کے اصلی چہرے کو ان کے سامنے بے نقاب کر کے سلطان کو مجبور کرے کہ وہ پورن مل کو قرار واقعی سزا دے۔ مظلوم مسلمان خواتین کو اس کے پنجے سے آزاد کرائیں۔

یہ طے ہوتے ہی فوراً" دو وفد تیار ہوئے اور ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ایک آگرہ اور دوسرا بنگال کی طرف روانہ ہو گیا۔ وفد کو حکم تھا کہ وہ ایک دن میں دو دو منزلیں طے کریں اور راستہ میں کم از کم آرام کرنے کی کوشش کریں۔ وفد چونکہ بہترین شہسواروں پر مشتمل تھے اس لیے وہ اپنا سفر دو منزلہ اور سہ منزلہ کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف بڑھتے رہے۔

یہ بات غلط ثابت ہوتی کہ سلطان شیر شاہ سوری آگرہ کی طرف گیا ہے کیونکہ بنگال

کی سمت جانے والے وفد کو دوسری ہی منزل پر معلوم ہوا کہ سلطان شیر شاہ سوری بنگال میں موجود ہے یہ خبر پاتے ہی وفد نے اپنی رفتار اور زیادہ تیز کر دی تاکہ وہ جلد سے جلد سلطان تک پہنچ کے انہیں پورن مل کی عہد شکنی اور بد عنوانی کے واقعات سے آگاہ کریں۔

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان شیر شاہ سوری نے پہلی دفعہ رائسین کی طرف کوچ کرنے سے پہلے رہتاس خورد (پنجاب کا رہتاس جدید) سے خواص خاں کی عرضی موصول ہونے کے بعد اسے اپنے پاس بلا لیا تھا اور ہیبت خاں نیازی کو پنجاب کی حکومت کا پروانہ بھیجتے ہوئے اسے حکم دیا کہ وہ ملتان پر حملہ کر کے وہاں کے سرکشوں کو پوری طرح مغلوب کرے اور انہیں سزا دے۔

ان دنوں ملتان میں فتح خاں نامی ایک باغی نے بہت ادھم مچا رکھا تھا۔ اس نے ملتان اور اس کے گرد کی تمام آبادیوں کو لوٹ مار کر کے ویران کر دیا تھا۔ ہیبت خاں اسے سزا دینے کے لیے آندھی اور طوفان کی طرح ملتان کی جانب بڑھا۔ فتح خاں کو ہیبت خاں کے آنے کی اطلاع ملی تو اس نے بغیر مقابلہ کے فرار ہونے کی کوشش کی مگر اس کے ساتھ اس کے اہل و عیال بھی تھے اس لیے وہ فرار نہ ہو سکا بلکہ فتح پور نامی ایک چھوٹے سے قلعہ میں پناہ لے لی۔

ہیبت خاں نے وہاں پہنچ کے قلعہ فتح پور کا محاصرہ کر لیا۔ اس چھوٹے سے قلعہ میں دو اور باغی' ہندو بلوچ اور بخشو لنگاہ پہلے ہی سے پناہ لئے ہوئے تھے۔ ان میں ہندو بلوچ ملتان پر باغی کی حیثیت سے اپنی حکومت بنائے بیٹھا تھا۔ فتح خاں جاٹ اور بخشو لنگاہ' دہلی اور لاہور کے راستے میں آنے جانے والوں کو لوٹ لیا کرتے تھے اور یہ راستہ عوام کے لیے غیر محفوظ ہو گیا تھا۔

ہیبت خاں نے قلعہ فتح پور کا بڑا سخت محاصرہ کیا۔ باغیوں کے حوصلے تیسرے ہی دن پست ہو گئے۔ فتح خاں جاٹ نے اس وقت شیخ ابراہیم کا سہارا ڈھونڈا۔ شیخ ابراہیم حضرت بابا گنج شکر کی اولاد میں سے تھے۔ فتح خاں ایک رات قلعہ سے نکلا اور چھپتا چھپاتا شیخ ابراہیم کے پاس پہنچا۔

اس نے شیخ سے گڑگڑا کے التجا کی۔ "شیخ محترم۔ آپ حضرت بابا گنج شکر کی اولاد میں ہیں۔ میرے بال بچے قلعہ فتح پور میں ہیں اور قلعہ کو سلطان شیر شاہ کے گورنر پنجاب'

ہیبت خاں نے گھیر رکھا ہے۔ "آپ ہیبت خاں سے سفارش کر کے میری اور میرے بچوں کی جان بخشی کرا دیجئے؟"

شیخ بزرگ نے متانت سے فرمایا "مجھے ہیبت خاں کے پاس جانے اور تمہاری سفارش کرنے میں کوئی عذر نہیں لیکن یہ ایک ملکی اور سیاسی معاملہ ہے اور مجھے یہ نہیں معلوم کہ شاہی لشکر نے تمہارے قلعہ فتح پور کا محاصرہ کس وجہ سے کیا ہے؟"

فتح خاں نے روتے ہوئے کہا۔

"شیخ بزرگ۔ اس وقت مسئلہ قلعہ کے محاصرے کا نہیں بلکہ کئی انسانی جانوں کے ختم ہونے کا ہے۔ اگر آپ سفارش پر آمادہ ہو جائیں تو یہ زندگیاں بچ سکتی ہیں؟"

"پھر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" بزرگ شیخ نے بات مختصر کی۔

فتح خان جاٹ نے کہا۔ "براہ کرم آپ ہیبت خاں کے پاس تشریف لے جائیے اور میرے اور میرے بچوں کی جاں بخشی کا ہیبت خاں سے عہد لے لیجئے؟"

بزرگ شیخ نے کہا "ملکی معاملات میں دخل دینا میرے مسلک کے خلاف ہے فتح خاں۔ پھر بھی یہ کئی انسانی جانوں کا سوال ہے اس لیے میں تمہارے ساتھ ہیبت خاں کے پاس ضرور چلوں گا۔ اب یہ اس کی مرضی پر ہے کہ وہ کیا فیصلہ کرتا ہے"۔

فتح خاں جاٹ گھبرا گیا۔ "مگر بزرگ شیخ۔ میں اگر آپ کے ساتھ ہیبت خاں کے پاس گیا تو وہ مجھے ضرور قتل کرا دے گا۔ بہتر ہے کہ آپ اس کے پاس جا کر میری جاں بخشی کرائیے؟"

"یہ کیسے ممکن ہے؟" بزرگ شیخ نے کہا۔ "تمہارا میرے ساتھ چلنا ضروری ہے خواہ ہیبت خاں تمہیں معاف کرے یا قتل کرا دے۔ ہاں میں یہ وعدہ ضرور کرتا ہوں کہ تمہارے بال بچوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچنے دوں گا"۔

فتح خاں جاٹ بہت دیر تک اس معاملہ پر غور کرتا رہا اس نے بزرگ شیخ کو ایک بار پھر تنہا جانے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی مگر بزرگ شیخ نے صاف الفاظ میں تنہا جانے اور اس کی سفارش کرنے سے انکار کر دیا۔

آخر فتح خان جاٹ' بزرگ شیخ کے ساتھ ہیبت خاں کے پاس جانے پر آمادہ ہو گیا پھر جب وہ یہ خبر لے کر قلعہ واپس گیا تو ہندو بلوچ اور بخشو لنگاہ نے بھی بزرگ شیخ کے ساتھ

جانے پر آمادگی ظاہر کی انہیں معلوم تھا کہ ان کی موت تو دونوں صورتوں میں ہو گی مگر بزرگ شیخ کے ساتھ جانے میں ایک امید موہوم ضرور پائی جاتی تھی۔



بزرگ شیخ ابراہیم کا ہیبت خاں کی خیمہ گاہ میں درود کا منظر بھی دیکھنے والا تھا۔ دراصل یہ جلال و جمال اور دین و دنیا کے یکجا ہونے کا ایک ایسا نظارہ تھا جو دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ ایک طرف سلطان ہند شیر شاہ سوری کا عظیم اور پر ہیبت گورنر پنجاب ہیبت خاں سراپا عجز و انکسار بنا ہوا شیخ کے استقبال کے لیے سر جھکائے کھڑا تھا تو دوسری طرف عرفان و تصوف کے تاجدار حضرت بابا گنج شکر کے صاحبزادے شیخ ابراہیم اس طرح نظریں نیچی کئے آگے بڑھ رہے تھے جیسے وہ زبان حال سے کہہ رہے ہوں کہ اس دنیا کی عظیم ترین ہستی بھی اپنے خالق کی نظروں میں ایک ذرۂ خاک سے زیادہ نہیں۔

بزرگ شیخ نے پاکپتن سے اپنے ایک عقیدت مند کے ذریعہ ہیبت خاں کے پاس یہ پیغام بھجوا دیا تھا کہ وہ خود گورنر سے ملاقات کے لیے اس کی خیمہ گاہ پر آ رہے ہیں۔ ہیبت خاں، بزرگ شیخ کا نام سن کے کانپ اٹھا تھا۔ پھر جب اسے یہ معلوم ہوا کہ بزرگ شیخ ابراہیم کے ساتھ شیر شاہی سلطنت کے تینوں باغی۔ فتح خاں جاٹ۔ ہندو بلوچ اور بخشو لنگاہ بھی ہیں تو وہ سخت پریشانی میں پھنس گیا۔

ہیبت خاں اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ بزرگ شیخ ابراہیم ان باغیوں کی سفارش کے لیے تشریف لا رہے ہیں کہ جن کی کم از کم سزا "سزائے موت" ہی ہو سکتی ہے۔ وہ پریشان تھا کہ اگر بزرگ شیخ نے باغیوں کی سفارش کی تو وہ انہیں کیا جواب دے گا۔ بہرحال اسے بزرگ شیخ کا سامنا تو کرنا ہی پڑے گا۔ اس لیے ہیبت خاں اپنے تمام سرداروں کو ساتھ لے کر اپنی خیمہ گاہ سے نصف منزل آگے پہنچ کے بزرگ شیخ کا انتظار کرنے لگا۔

شیخ ابراہیم تشریف لائے اطلاع کے مطابق تینوں باغی ان کے ساتھ تھے شیخ ابراہیم سر جھکائے ہوئے تھے اس لیے کہ فقر و تصور کے متوالے نظریں اونچی کر کے نہیں چلا کرتے دوسری طرف ہیبت خاں کا سر بھی جھکا ہوا تھا اس لیے اسے بزرگ شیخ پسر بابا فرید گنج شکر کا احترام مقصود تھا۔ وہ تو انہیں آتا دیکھ کر ہی گھوڑا چھوڑ کر پا پیادہ ہو گیا تھا۔

قریب پہنچنے پر بزرگ شیخ اور ان کے ساتھی بھی گھوڑوں سے اتر پڑے ہیبت خاں نے بزرگ شیخ کو ادب سے سلام کیا اور انہوں نے دعا دے کر ہیبت خاں کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔

"حضور۔ سوار ہو کے خیمہ گاہ میں تشریف لے چلئے" ہیبت خاں نے بڑی عقیدت سے کہا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہیبت خاں"۔ بزرگ شیخ نے فرمایا۔ "تم خود چل کے ہمیں لینے آئے ہو۔ خدا تمہیں اس عقیدت کا صلا عطا فرمائے"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے حضور"۔ ہیبت خاں نے زور دے کے کہا۔ کم از کم دو تین روز تو اس گنہگار کو شرف مہمان نوازی عطا کیا جائے؟"

"ہیبت خاں"۔ بزرگ شیخ نے بڑے پیار سے کہا۔ "ہم اپنی درسگاہ کو چھوڑ کے آئے ہیں۔ تشنگان معرفت انتظار میں ہوں گے" پھر انہوں نے فتح خاں، ہندو بلوچ اور بخشو لنگاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ "سلطان الہند کے باغی حاضر ہیں۔ یہ اپنے فعل پر نادم ہیں اور معافی کے خواستگار ہیں۔ ان کے بارے میں یہیں کھڑے کھڑے فیصلہ کر دو اور ہم مطمئن ہو کر واپس چلے جائیں"۔

ہیبت خاں کو اسی بات کا ڈر تھا اس نے بزرگ کی خدمت میں عرض کیا۔

"بزرگ شیخ ۔ اگر مجھے ان کو معاف کرنے کا اختیار ہوتا تو یقین کیجئے کہ آپ کا صرف نام ہی کافی تھا اور یہ معاف کر دئے جاتے۔ مگر یہ سلطان کے مجرم ہیں۔ ان کے قتل کا فرمان جاری ہو چکا ہے اگر میں فرمان کی نافرمانی کروں تو اس کا انجام آپ جانتے ہی ہیں"۔

"ہیبت خاں"۔ بزرگ شیخ نے فرمایا۔ "جس نے ان کے قتل کا حکم صادر کیا ہے اس نے تم کو پنجاب کا گورنر بھی بنایا ہے اور اس صوبے کے سیاہ و سفید کرنے کا پروانہ بھی جاری کیا ہے سلطان کے حکم کی نافرمانی کرنے کو ہم نہیں کہتے مگر یہ ضرور کہیں گے کہ تم اپنے اختیارات بروئے کار لاتے ہوئے جو بھی رعایت ان کے ساتھ کر سکتے ہو اس سے دریغ نہ کرو؟"

"حضور کا حکم سر آنکھوں پر"۔ ہیبت خان نے عاجزی سے کہا ۔ "اگر یہ لوگ پسند

کریں تو میں انہیں گرفتار کر کے دربار سلطانی میں روانہ کر دوں۔ اب آگے ان کی تقدیر۔ سلطان اپنا حکم واپس لے کر انہیں معاف بھی کر سکتے ہیں اور چاہیں تو قتل کرا سکتے ہیں"۔

بزرگ شیخ نے باغیوں کی طرف دیکھا۔ "کیوں۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ ہیبت خاں کے اختیار میں تمہاری رہائی نہیں ہے؟"

فتح خاں اپنے دونوں ساتھیوں سے مشورہ کرنے لگا۔ "اس وقت ہیبت خاں نے بزرگ شیخ سے کہا۔ "حضور آپ انہیں سمجھا دیجئے کہ اگر یہ لوگ دربار سلطانی جانے پر آمادہ نہیں اور جنگ جاری رکھنا چاہتے ہیں تو یہ اپنے اپنے مقامات پر بے خوف ہو کے واپس جا سکتے ہیں سلطانی لشکر اس وقت تک ان سے مزاحمت نہ کرے گا جب تک یہ لوگ حفاظت سے اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ نہیں جاتے"۔

"یہ بھی تمہاری ایک مہربانی ہو گی"۔ بزرگ شیخ نے فرمایا "ہاں یہ بتاؤ ہیبت خاں کہ ان لوگوں کے سلطان کے پاس جانے کے بعد ان کے بال بچوں سے کیا سلوک کیا جائے گا"۔

"بزرگ شیخ"۔ ہیبت خاں نے اور زیادہ عقیدت سے کہا۔ "میں بھی مسلمان ہوں۔ اسلام میں خطا وار کی سزا ہے۔اس کے بال بچوں کی کوئی خطا نہیں ہوتی اس لیے انہیں کوئی تکلیف نہیں دی جائے گی۔ سب کے اہل و عیال قلعہ فتح پور یا جس جگہ چاہیں رہ سکتے ہیں اور ان کی کفالت کی ذمہ داری سلطان پر عائد ہوتی ہے میں سلطان کی طرف سے ان سب کے قیام و طعام اور اخراجات کا بندوبست کروں گا"۔

جب تینوں باغی فوجی پہرے میں آگرہ پہنچے تو وہاں موجود مظلوموں نے ان پر حملہ کر دیا اور ان کے محافظ بڑی مشکل سے انہیں بچانے میں کامیاب ہو سکے۔ یہ بات شیر شاہ کے اصول کے خلاف تھی کہ کسی ملزم کا مقدمہ سنے بغیر اسے نقصان پہنچایا جائے مگر باغیوں پر حملہ کرنے والے لوگ بھی جذبات سے بھرے ہوئے تھے۔ اس لیے سلطان نے حملہ آوروں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی اور باغیوں کا مقدمہ اسی دن سنا۔

فتح خاں جاٹ اور میدو بلوچ (اسے ہندو بلوچ بھی لکھا گیا ہے) کے خلاف تو اس قدر الزامات تھے کہ انہیں کئی بار سولی پر چڑھایا جا سکتا تھا۔ مقدمہ کے لیے چشم دید گواہ ڈھونڈنے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ ملتانی فریادی ان دونوں کے خلاف سراپا احتجاج بنے

دربار میں موجود تھے۔ ہیبت خاں نے سلطان کو اس سلسلہ میں جو عرضداشت بھیجی تھی اس میں فتح خاں جاٹ اور میدو بلوچ کے بارے میں کوئی سفارش نہ کی تھی۔ اس نے بخشو لنگاہ کے سلسلہ میں صرف دو جملے لکھے تھے۔

"اگر بخشو کی جاں بخشی ہو سکے تو بعد اصلاح سلطنت کے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے"۔

عینی گواہوں کی موجودگی میں شیر شاہ کو فتح خاں جاٹ اور میدو بلوچ کا فیصلہ کرنے میں کوئی وقت نہ ہوئی۔ ان دونوں کو پھانسی کا حکم ہوا۔ بخشو لنگاہ کے سلسلے میں حکم ہوا کہ اس کی جاں بخشی اس شرط پر کی جاتی ہے کہ بخشو لنگاہ یا اس کا بیٹا یعنی باپ بیٹے میں سے ایک ہستی کو افغان لشکر میں دربار آگرہ میں رہنا پڑے گا۔ بخشو کی زمین واپس کرنے کا بھی حکم دیا گیا۔

ہیبت خاں کو اس خدمت کے سلسلہ میں اعظم ہمایوں کا خطاب عطا ہوا اور سرخ سراپردہ بھی دیا گیا۔ ملتان شہر آئے دن کی لوٹ مار سے تباہ و برباد ہو گیا اس لیے سلطان شیر شاہ نے شہر کی ترقی کے لیے بہت سے محصولات معاف کر دیئے۔ کچھ عرصہ بعد یہ علاقہ فتح جنگ کے سپرد ہوا۔ اس نے بہترین انتظام کیا ا ور ملتان دیکھتے ہی دیکھتے ایک بارونق شہر میں تبدیل ہو گیا۔

فتح جنگ نے سلطان شیر شاہ کی خوشنودی کی خاطر اس علاقہ میں ایک نیا شہر آباد کیا جس کا نام اس نے شیر شاہ کے نام پر شیر گڑھ رکھا۔ یہ شہر اب تک موجود ہے۔ اس کے علاوہ شیر شاہ کے نام سے بھی ایک شہر ہے۔ پتہ نہیں اسے کس وقت اور کس نے آباد کیا تھا۔



اب ہم آپ کو ایک بار پھر رائسین کے پورن مل کی طرف لئے چلتے ہیں جس نے اپنی وفاداری کا سلطان کو یقین دلایا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ اب وہ مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی نہ کرے گا لیکن سلطان کے واپس ہوتے ہی اس نے مسلمانوں کے ساتھ انتقامی کارروائیاں شروع کر دیں اور انہیں پہلے سے کہیں زیادہ عذاب میں مبتلا کر دیا۔ مسلمان

اگرچہ سلطان شیر شاہ سوری کی طرف سے نا امید ہو گئے تھے مگر بلگرام کے بعد معزز شہریوں اور علماء نے یہ رائے دی کہ سلطان شیر شاہ کو ایک بار پھر پورن مل کی حرکتوں سے آگاہ کیا جائے تاکہ انہیں یہ یقین ہو جائے کہ پورن مل واقعی فریبی ' دھوکہ باز اور بدکار ہے۔ انہوں نے دو وفد تیار کئے ایک کو آگرہ اور دوسرے کو بنگال کی طرف روانہ کیا مگر یہ دونوں وفود کی بدقسمتی تھی کہ ان دونوں کو سلطان نہ مل سکا۔ دراصل قصہ یہ ہوا کہ سلطان شیر شاہ کا ارادہ آگرہ کو واپس جانے کا تھا اس لیے وہ روانہ آگرہ کی طرف ہوا مگر ایک منزل جانے کے بعد اس نے اپنا رخ بنگال کی طرف کر لیا۔ ممکن ہے کہ اس میں سلطان کی کوئی مصلحت ہو۔

چنانچہ جو وفد آگرہ گیا تھا اس کا جانا بیکار ہو گیا اور جو وفد بنگال کی طرف بھیجا گیا تھا وہ بھی سلطان سے ملاقات نہ کر سکا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ سلطان شیر شاہ' بنگال کے سفر کے دوران ہی بیمار پڑ گیا اسے شدید بخار ہوا اور اسے صاحب فراش ہونا پڑا۔ اس کے سرداروں نے آگرہ واپس ہونے کا مشورہ دیا مگر سلطان نے ایک عجیب فیصلہ کیا۔

سلطان نے حکم دیا۔ "لشکر قلعہ رائسین واپس جائے گا۔ اس کے لیے انتہائی مختصر راستہ اختیار کیا جائے خواہ راستہ کتنا ہی دشوار گزار کیوں نہ ہو۔ ہمیں جلد سے جلد رائسین پہنچنا ہے"۔

شخصی حکومت اور بادشاہت میں چوں چرا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ شہنشاہ یا سلطان کا حکم قانون ہوا کرتا ہے۔ ہاں اگر سلطان کسی شرعی معاملہ میں علماء کرام سے مشورہ طلب کرے تو یہ اس کا احسان سمجھا جاتا تھا۔

حکم ہوتے ہی لشکر اک دم رائسین پلٹ پڑا۔ شیر شاہ کا حکم تھا کہ مختصر راستہ اختیار کیا جائے اس لیے ہراول دستوں کے آگے بھی بیس سواروں کا ایک دستہ روانہ کیا گیا کہ وہ مختصر اور صحیح راستے کی نشان دہی کرتا رہے۔ اس کے عقب میں ہراول دستے پر پورا سلطانی لشکر رائسین کی طرف ایک نئے راستے سے روانہ ہو گیا۔ اسی وجہ سے بلگرام سے آنے والے مسلمان وفد کی شاہی لشکر سے ملاقات نہ ہو سکی اور وہ سلطان کو تلاش کرتا ہوا بنگال میں اور دور تک شاہی لشکر کی تلاش میں سرگرداں رہا۔

رائسین کی طرف اچانک واپسی کے سفر کے دوران ایک منزل پر سلطان شیر شاہ کی ایسی حالت ہو گئی کہ اس کے لیے گھوڑے پر بیٹھنا مشکل ہو گیا۔ سلطان شیر شاہ کا شاہی طبیب مہانند ایک ہندو حکیم تھا۔ اس نے دست بستہ عرض کیا۔

"سلطان عالی۔ مجھے اجازت د ۔ ۔ کہ میں سپہ سالار سے اس منزل پر کم از کم ایک ہفتہ تک پڑاؤ کی درخواست کروں؟"

"کیوں۔ اس کی کیا ضرورت ہے؟" شیر شاہ نے مہانند کو گھور کے دیکھا۔

طبیب مہانند نے جرات کر کے کہا۔ "میں سلطان کو اس منزل پر ایک ہفتہ آرام کرنے سے پہلے سفر جاری رکھنے کی اجازت نہیں دے سکتا"۔

سلطان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ بولا۔ "مہانند۔ کیا یہ ہمارے حضور گستاخی نہیں؟"

"سلطان معظم"۔ مہانند نے اور زیادہ جرات سے جواب دیا۔ "میرے طب کے پیشے میں گستاخی یا حکم عدولی کوئی ایسی بیماری نہیں جس کی میں پروا کروں۔ اس وقت میرا تعلق سلطان کی موجودہ بیماری' بخار کی شدت اور نقاہت کی زیادتی سے ہے۔ میں سلطان کو گھوڑے پر سوار ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ سلطان اس وقت میرے زیر علاج ہیں اگر انہوں نے میرا مشورہ تسلیم نہ کیا تو میں اور زیادہ گستاخی پر آمادہ ہو جاؤں گا"۔

سلطان کو مہانند کے حوصلہ اور جرات پر تعجب ہوا۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے مہانند۔ ہم اپنے طبیب کا مشورہ رد کر کے اسے اور زیادہ گستاخی کا موقعہ نہیں دینا چاہتے۔ تمہارا مشورہ ہے کہ ہم گھوڑے کی سواری نہ کریں۔ ہم نے یہ مشورہ قبول کیا اور تمہارے حوصلے کی داد اس لیے دیتے ہیں کہ اس میں خلوص پایا جاتا ہے مگر ــــــ" شیر شاہ کہتے کہتے رک گیا۔ اس نے گھبرا کے سلطان کا چہرہ دیکھا۔

سلطان شیر شاہ نے اسے کسی مخمصے میں نہ رکھا اور واضح الفاظ میں حکم دیا۔

"مہانند۔ جاؤ اور ہمارے حاجب سے کہو کہ وہ ہمارے لئے پالکی کا انتظام کرے۔ ہم گھوڑے پر سواری کے بجائے پالکی میں بیٹھ کے سفر کریں گے۔

مہانند کا حیرت سے منہ کھل گیا۔ وہ دل ہی دل میں بہت خوش ہو رہا تھا کہ آج اس

نے سلطان کو اپنے طبیب کا حکم ماننے پر مجبور کر دیا مگر سلطان اس سے زیادہ ذہین تھا اس نے طبیب کا وقار بھی برقرار رکھا اور اپنے وقار سے بھی نیچے نہیں آیا۔

○

سلطان پالکی میں سوار رائسین سے ابھی دو منزل دور تھا کہ ایک اور واقعہ پیش آیا جس نے رائسین اور پورن مل کے حالات کو اک دم پلٹ کے رکھ دیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ سلطانی لشکر کے آگے ہراول تھا اور ہراول سے بھی آگے بیس سوار راستہ ڈھونڈنے والے چل رہے تھے۔ ان سواروں کی مڈبھیڑ ایک ایسے سوار دستہ سے ہو گئی جن کی تعداد پچاس ساٹھ سے کم نہ تھی۔ یہ سوار مخالف سمت سے آ رہے تھے اور ان کے ساتھ رسیوں اور زنجیروں میں جکڑی ہوئی درجنوں خواتین' لڑکیاں' بچے اور مرد گھوڑوں کے ساتھ گھسٹتے ہوئے چل رہے تھے۔ ان گھسٹنے والوں کی حالت بڑی قابل رحم تھی اور ان کی حالت زار دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

سلطانی لشکر کے سواروں نے آنے والوں کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ پورن مل کے سوار دستے ہیں جو کسی مسلمان بستی کو تہہ و بالا کر کے مسلمان مردوں' عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر قلعہ رائسین لئے جا رہے ہیں۔ اس کی تصدیق قریب آنے پر چیختے چلاتے اسیروں نے خود ہی کر دی۔ اللہ جن لوگوں کو بچانا چاہتا ہے ان کے لیے بچت کے سامان اور ذرائع پیدا کر دیتا ہے۔ان اسیروں نے خود ہی سلطانی سواروں کو پہچان لیا اور دہائیاں دینا شروع کر دیں۔

"خدا کے لیے ہمیں ان ظالموں سے بچاؤ"۔

تمہیں نبی پاک کی قسم ہے۔ ہماری عزتیں بچاؤ"۔

ظالموں نے ہمارے گھر جلا دیئے ہیں اور ہمیں زبردستی پکڑ لائے ہیں۔

اب تو کسی بات کا شبہ ہی نہیں رہ گیا تھا۔ سلطانی سواروں کی تعداد صرف بیس تھی اور مخالف سوار پچاس سے بھی زیادہ تھے مگر سلطانی لشکریون نے اس کی کوئی پروا نہ کی اور انہیں للکارا۔

"ان سب کو فوراً" آزاد کر دو ورنہ-----

پورن مل کے سوار جو رک کے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے تین صفیں ترتیب دے لیں تھیں۔ پہلی صف میں بیس کے قریب نیزے بردار تھے جنہوں نے نیزے سنبھال لئے تھے دوسری صف میں شمشیرزن تھے اور انہوں نے تلواریں لہرانا شروع کر دی تھیں۔ تیسری صف میں وہ سوار تھے جن کے گھوڑوں کے ساتھ اسیروں کی رسیاں اور زنجیریں بندھی تھیں۔

ان کے سردار نے قہقہ لگا کر کہا۔ "ورنہ------ ورنہ تم کیا کر لو گے؟"

"ورنہ۔ ہم تمہارے سر' تمہارے تن سے جدا کر دیں گے"۔ یہ جواب تھا سلطانی رہبر دستے کے سردار کا۔

پورن مل کے نیزہ برداروں نے اس کا جواب نیزوں سے دیا اور بیس کے بیس نیزے انہوں نے سلطانی دستے پر کھینچ مارے۔ سلطانی دستہ پہلے ہی ہوشیار تھا۔ انہوں نے اپنے گھوڑے دائیں بائیں گھما کر ان کا وار خالی دیا پھر انتہائی پھرتی سے تلواریں سونتے ہوئے دشمن پر جا پڑے۔ دشمن سوار نیزے پھینک کر تلواریں نکال چکے تھے۔ اس لیے تلوار سے تلوار بھڑ گئی اور شمشیرزنی شروع ہو گئی۔ پندرہ بیس منٹ کی جنگ کے بعد پورن مل کے سواروں کی پہلی ٹکڑی میں سے چار آدمی مارے گئے تو ان میں سستی کے آثار پیدا ہوئے۔ اس وقت ان کی دوسری ٹکڑی جو اب تک تماشہ دیکھ رہی تھی اور خوش ہو رہی تھی کہ مسلمانوں کے ان بیس آدمیوں کو جلد ہی مار لیا جائے گا۔ وہ مجبور ہو کر شمشیریں لہراتی ان کی مدد کو آگے بڑھنے لگی۔

اس جنگ کا یہی فیصلہ کن وقت تھا۔ سلطانی سوار جن کا اب تک کوئی آدمی نہ مارا گیا تھا اور ان کے حوصلے بلند تھے وہ سب ایک ساتھ گھوڑے گھما کر دس قدم پیچھے ہٹے پھر انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ دی اور راسیں ڈھیلی کر کے اتنا تیز حملہ کیا کہ دشمن ششدر رہ گیا۔ انہیں یہ محسوس ہوا جیسے ان پر پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو انہوں نے خود سنبھلنے اور گھوڑوں کو روکنے کی بہت کوشش کی مگر شدید دباؤ کی وجہ سے گھوڑوں کے منہ پھر گئے اور وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

انہیں بھاگتا دیکھ کر ان کی مدد کو آنے والوں نے بھی اپنے گھوڑے پھیر لئے اور بے تحاشہ دوسری سمت بھاگنے لگے۔ اب رہ گئی وہ تیسری ٹکڑی جو قیدیوں کی حفاظت پر مامور

تھے ان کی تو اپنے ساتھیوں کو بھاگتے دیکھ کر جان پر بن آئی اور وہ قیدیوں کی رسیاں اور زنجیریں چھوڑ چھاڑ کے خود بھی میدان چھوڑ بھاگے۔

اس غیبی مدد نے نہ صرف اسیروں کو رہائی دلائی بلکہ دشمن کے خلاف ایک زندہ شہادت مہیا کر دی۔ سواروں نے سب کی زنجیریں اور رسیاں کھول کے انہیں آزاد کر دیا اور وہ سب ایک ساتھ سر بسجود ہو کر اس مالک کون و مکان کا شکرانہ بجا لائے جس نے انہیں ظالموں کے پنجوں سے نجات دلائی تھی۔



یہ رائسین کی آخری منزل تھی اور راہگیروں نے بتا دیا تھا کہ رائسین کا قلعہ صرف چند میل دور ہے اس لیے ان سواروں نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا اور لشکر کا انتظار کرنے لگے۔ شام ہونے سے پہلے ہی سلطانی لشکر وہاں پہنچ گیا۔ سواروں نے سلطان کے حضور پیش ہو کر دشمن سے جھڑپ اور قیدیوں کی رہائی سے سلطان کو آگاہ کیا تو وہ سواروں سے بہت خوش ہوا اور ان کے درجوں میں اضافہ کر دیا۔

اس کے بعد سلطان کے سامنے وہ مظلوم پیش کیے گئے جنہیں دشمنوں سے جنگ کر کے چھینا گیا تھا۔ ان کی حالت دیکھ کر سلطان کو غصہ بھی آیا اور صدمہ بھی ہوا۔ صدمہ انہیں دیکھ کر ہوا اور غصہ پورن مل پر آیا کہ اس بدعہد نے سلطان کو فریب دے کر نہ صرف اپنی جان بچائی بلکہ پھر اپنی پرانی روش پر چل پڑا اور مسلمانوں کی دل آزاری میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

سلطان مظلوموں کے حالات سن کر اس قدر پریشان ہوا کہ بغیر پڑاؤ کیے سب کو ساتھ لئے ہوئے نصف شب کے قریب رائسین کے قلعہ کے سامنے پہنچ گیا۔ پورن مل کے بھگوڑے سواروں نے قلعہ پہنچ کر اسے بتایا کہ سلطانی لشکر کے دو سو سواروں نے انہیں اچانک گھیر لیا تھا اس لیے وہ ان سے لڑتے بھڑتے حلقہ توڑ کر بڑی مشکل سے یہاں تک پہنچ سکے ہیں۔ پورن مل کو یقین نہ آ رہا تھا کہ سلطان یہاں سے مطمئن ہو کر آگرہ واپس جا چکا ہے اب وہ اس قدر جلد ہی واپس آ گیا۔

پورن مل نے احتیاط کے طور پر قلعہ کے تمام دروازے سر شام ہی بند کرا دیئے اور

فصیل پر فوجیں پہنچا دیں۔ ادھر سلطان نے اپنی آمد کو پوشیدہ رکھنے کے لیے قلعہ سے کچھ دور اپنے مورچے قائم کئے اور لشکریوں کو حکم دیدیا کہ خبردار کسی جگہ آگ روشن نہ کی جائے۔ جن لوگوں کو بھوک لگی ہو وہ خشک میوے سے اپنا پیٹ بھریں۔ سلطان کے اس حکم پر سختی سے عمل کیا گیا۔



وہ رات بھی شب دیجور کی طرح خوفناک اور اندھیری تھی۔ قلعہ والے رات بھر فصیل پر پہرہ دیتے رہے اور ان کی نظریں چاروں طرف گھومتی رہیں مگر انہیں قطعی یہ شبہ نہ ہو سکا کہ سلطانی لشکر قلعہ کو اپنے گھیرے میں لے رہا ہے۔ سلطان بذات خود رات کی تاریکی میں جگہ جگہ لشکری مقرر کرتا رہا۔ تیر اندازوں کو خاص طور پر بلند جگہوں پر پہنچا دیا گیا۔

پورن مل کی خودسری دراصل اس کے قلعہ کی بلندی اور دشوار گزار راستوں کی وجہ سے تھی۔ اس کے پاس زیادہ فوج نہ تھی مگر وہ بلندی پر ہونے کی وجہ سے بڑے سے بڑے لشکر کو قلعہ تک آنے سے کافی عرصہ تک روک سکتا تھا۔ بہرحال سلطان نے تو اب یہ قلعہ فتح کر کے پورن مل کے عذاب سے قرب و جوار کی مسلمان آبادی کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دینا تھا۔

تمام انتظام کرنے کے بعد سلطان نے رات ہی میں اپنے تمام بڑے بڑے سردار جن میں حمید خاں کاکڑ اور عیسیٰ خاں نیازی بھی شامل تھے' ان سب کو اپنے خیمے میں بلوا لیا تمام سردار اکٹھے ہو گئے تو سلطان نے کہا۔

”تم لوگ یہ ضرور سوچ رہے ہو گے کہ آخر ہم نے طبیب کے منع کرنے کے باوجود اپنا سفر ملتوی نہیں کیا بلکہ اس میں اور زیادہ تیزی پیدا کر دی“۔

عیسیٰ خاں نیازی سلطان کا منہ چڑھا سردار تھا' اس نے کہا۔

”سلطان معظم۔ سچ بات تو یہ ہے کہ جس وقت آپ نے مہانند طبیب کا مشورہ رد کر کے گھوڑے کے بجائے پالکی پر سفر کرنا شروع کیا تو مجھے اس بات پر سخت غصہ آیا تھا اور میں یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ شاید خاکم بدہن سلطان کا دماغ الٹ گیا ہے جو وہ شدید

بخار کے باوجود سفر جاری رکھنے پر بضد ہے مگر مجھے اور حمید خاں کو ایک خیال یہ بھی آیا تھا کہ سلطان نے شاید کوئی بہت اہم منصوبہ بنایا ہے جس کے تحت اس کا سفر جاری ضروری ہو گیا ہے"۔

"تمہارا دوسرا خیال کسی حد تک ٹھیک ہے نیازی خاں"۔ سلطان نے عیسیٰ خاں نیازی کی بات کی تائید کی۔ بات یہ تھی کہ جس صبح ہم نے لشکر کی رائسین کی طرف روانگی کا حکم دیا ہے اس سے پہلے شب میں نے ایک عجیب خواب دیکھا تھا جس نے مجھے بے چین کر کے رکھ دیا تھا۔ خواب کچھ اس طرح کا تھا کہ جیسے میں ایک ویران شہر میں پہنچ گیا ہوں۔ وہ شہریوں دکھائی دیتا تھا جیسے اسے کسی نے لوٹ کھسوٹ کے تباہ و برباد کر دیا ہو۔ اسی وقت مجھے ایک درخت کے نیچے چند عورتیں بیٹھی دکھائی دیں میں حالات معلوم کرنے کے لیے ان کے قریب پہنچا تو ان میں ایک ایک عورت نے رو کر کہا۔

"آؤ بھائی ہمارا حال دیکھو اور واپس جا کر اپنے شہر والوں کو بتاؤ کہ ہمارا سلطان اس قدر بے حس اور بے غیرت ہو گیا ہے کہ اس کے قبضہ میں ظالم پورن مل آ گیا تھا مگر اس نے اسے معاف کر دیا اور اسے آزادی دے دی کہ وہ جو چاہے کرتا پھرے اسے کوئی نہ روکے گا اور نہ ٹوکے گا۔ ہم نے تو برسوں دعائیں مانگ کے سلطان کو یہاں تک بلوایا تھا مگر وہ پورن مل کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گیا اور اسے بغیر سزا دیئے واپس چلا گیا اب سوائے روز حشر کے اور کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں ہم شکوہ شکایت کر سکیں۔ ہم سب سربرہنہ یہاں بیٹھے خدا سے دعائیں کر رہے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ تو روز حشر برپا کر دے اور ہمارا انصاف کر______"

ہم نے یہیں تک خواب دیکھا تھا کہ ہماری آنکھ کھل گئی۔ اس وقت مجھے، احساس ہوا کہ ہم پر بخار کا یہ دوسرا حملہ اس وجہ سے ہوا ہے کہ ہم نے پورن مل او۔ اس کے مظالم کو ختم کرنے کے بجائے اسے ظلم و ستم کرنے کی کھلی چھٹی دیدی ہے۔ اب جب تک ہم پورن مل کا پوری طرح بندوبست نہیں کرتے ہمارا بخار نہیں اترے گا"۔

یہ کہہ کے سلطان نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہو کر سوچ میں گم ہو گیا۔

خاں نیازی نے ذرا دیر انتظار کے بعد زبان کھولی۔

"سلطان عالم۔ ہم لوگوں کا بھی یہی خیال تھا کہ پورن مل نے آپ کو فریب دیا ہے

مگر ہم آپ کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتے تھے اس لیے خاموش رہے تھے مگر اس دفعہ پورن مل کو اس کے انجام تک پہنچا کر ہی رہیں گے"۔

سلطان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "اللہ نے چاہا تو ایسا ہی ہو گا"۔



رات گزری۔ سویرا ہوا تو قلعہ والے یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ سلطانی لشکر نے قلعہ تو پوری طرح اپنے گھیرے میں لے لیا ہے۔ پورن مل تمام رات سلطانی لشکر کے خوف کی وجہ سے سو نہ سکا تھا۔ صبح دم اس کی آنکھ لگی تھی کہ اس کی محبوبہ رتناولی نے اسے جگا دیا۔

"اٹھو پورن۔ شاہی لشکر نے قلعہ اپنے گھیرے میں لے لیا ہے"۔

"شاہی لشکر!" پورن مل آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا مگر اس پر سکتہ سا طاری تھا۔

رتناولی نے اسے حوصلہ دیا۔ "گھبراؤ نہیں پورن۔ اس قلعہ میں آج تک کوئی دشمن داخل نہیں ہو سکا۔ شیر شاہ بھی کچھ دن محاصرہ کرنے کے بعد منہ پیٹتا چلا جائے گا"۔

"نہیں رتناولی۔ یہ بات نہیں ہے"۔ پورن مل گھبرائے لہجے میں بولا۔ "شیر شاہ ایسا دشمن نہیں کہ آسانی سے ہمیں چھوڑ دے۔ اس نے تو مغل شہنشاہ ہند ہمایوں بادشاہ کو ہندوستان سے نکال باہر کیا ہے"۔

"پھر اب کیا کرنے کا ارادہ ہے"۔ رتناولی بھی گھبرا گئی۔ "کیا اس کے آگے ہتھیار ڈال دو گے؟"

"اگر ہتھیار ڈالنے پر بھی جان بچ جائے تو بڑی بات ہو گی"۔ پورن مل بہت گھبرایا ہوا تھا۔ "ہم ایک بار اسے فریب دے چکے ہیں۔ اب وہ ہمارے چکمہ میں نہیں آئے گا"۔

اسی وقت پورن مل کا سیناپتی حاضر ہوا اور بولا۔

"راجہ رائے پورن مل۔ ہم راجپوت ہیں اور راجپوت اپنی آن پر کٹ مرنا جانتے ہیں۔ شاہی لشکر نے ہمیں گھیر لیا ہے۔ ہمارے بہادر سپاہیوں میں جوش خروش پیدا ہو گیا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ انہیں قلعہ کے دروازے کھول کے میدان میں افغان لشکر سے جنگ کرنے کی اجازت دی جائے؟"

"یہ سراسر بیوقوفی ہے"۔ پورن مل غصہ سے بولا۔ "جنگ کے بجائے ہمیں صلح کے ذریعہ اس مصیبت کو ٹالنا ہے ورنہ ہم ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائیں گے۔ اگر راجپوت بہادر ہیں تو افغان بھی کچھ کم نہیں۔ ہم کوشش کریں گے انہیں کچھ لے دے کے یہاں سے رخصت کر دیں"۔

سینا پتی کچھ نہ بولا۔ رتناولی نے پورن مل کی حمایت کی۔

"ہمارے لئے صلح زیادہ بہتر ہے"۔

پورن مل نے صلح کی گفتگو کا آغاز کیا۔

پورن مل بہت فکر مند تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس مصیبت سے کس طرح چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ سوائے پورن مل اور رتناولی کے اس کے تمام سردار جنگ کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے ایک بار پھر اپنے سپہ سالار کو پورن مل کے پاس بھیجا کہ وہ اسے جنگ پر آمادہ کرے۔

پورن مل کے سپہ سالار نے پہلے کی طرح پھر ڈینگیں مارنا شروع کیں۔

"راجہ بہادر۔ قلعہ میں چھ ماہ کے لیے راشن پانی موجود ہے اس لیے ہمیں بے کھٹکے جنگ کرنا چاہیے۔ اتنے روز تک سلطان محاصرہ جاری نہیں رکھ سکتا۔ وہ تھک ہار کر واپس چلا جائے گا۔ ہمیں کمزوری نہیں دکھانا چاہیے"۔

پورن مل بگڑ گیا۔ اس نے سپہ سالار کو ڈانٹ پلائی۔

"تم کہتے ہو چھ ماہ کے لیے کھانے پینے کا انتظام ہے اس لیے ہار نہ مانی جائے اور اگر وہ چھ ماہ تک محاصرے کئے پڑا رہا تو کیا ہو گا۔ راشن کہاں سے ملے گا۔ اس نے قلعہ کو اس طرح گھیرا ہے کہ باہر سے پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا"۔

سالار نے دیکھا کہ پورن مل اپنی جگہ سے ہٹنے کو تیار نہیں تو اس نے خود خاموشی اختیار کر لی اور صرف اتنا کہہ سکا۔

"اگر راجہ بہادر کو خیال ہے کہ سلطان سے کوئی باعزت معاہدہ ہو سکتا ہے تو اس کے لیے کوشش کی جائے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں"۔

سالار سے فارغ ہونے کے بعد پورن مل نے اپنے بھائی چتر بھوج کو بلا کے سمجھایا۔

"دیکھو چتر بھوج۔ اب قلعہ رائسین اور ہم سب کی عزت تیرے ہاتھ ہے۔ تو

سلطان کے پاس جا اور اسے ایسے سبز باغ دکھا کہ وہ پہلے کی طرح چپ چاپ واپس ہو جائے"۔

چتر بھوج بھائی سے سخت ناراض تھا۔ اس نے غصہ سے کہا۔

"راجہ بھائی میں نے پہلے ہی سمجھایا تھا کہ آپ مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ چھوڑ دیں مگر آپ نے میری ایک نہ سنی اور سلطان کے منہ گھماتے ہی آپ نے پھر وہی ننگا ناچ شروع کر دیا۔ بے غیرت سے بے غیرت برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی بہو بیٹیاں غیر قوم والے پکڑ کے لے جائیں اور ان سے محفلوں میں ننگا نچائیں۔ میں سلطان کے پاس کس منہ سے جاؤں۔ آپ نے رتناولی کو اپنے اوپر سوار کر رکھا ہے۔ جب تک آپ اس کے کہنے میں رہیں گے کسی نہ کسی مصیبت میں پھنستے رہیں گے۔۔۔۔۔۔"

رتناولی کے نام پر پورن مل بھڑک اٹھا۔

"چتر بھوج۔ میں نے تجھے کام کے لیے بلایا ہے۔ تیری نصیحتیں سننے کو نہیں بلایا ہے۔ تو رتناولی کا ایسے نام لیتا ہے جیسے وہ تیری بھاوج نہیں ہے۔ بڑی بھاوج ماں کے مانند ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں کچھ کہتے ہوئے تجھے شرم نہیں آتی؟"

چتر بھوج کو رتناولی سے ہمیشہ کا بیر تھا۔ اس نے جواب دیا۔

"ہاں راجہ بھائی۔ مجھے شرم آتی ہے مگر یہ شرم اس وقت آتی ہے جب رتناولی' آپ اور آپ کے دوستوں کے درمیان بیٹھ کے شراب پیتی ہے اور وہ خود مسلمان لڑکیوں کو ننگا ناچنے کا حکم دیتی ہے۔ میرے خیال میں وہ عورت ہی نہیں ہے۔ اگر وہ عورت ہوتی تو لڑکیوں اور عورتوں کو ننگا ناچتے دیکھ کر وہ خود شرم سے پانی پانی ہو جاتی۔۔۔۔۔۔"

"چپ ہو جا چتر بھوج"۔ پورن مل غصے سے کھڑا ہو گیا"۔ اب اگر لفظ بھی تو نے رتناولی کے خلاف نکالا تو میں تیری زبان کاٹ دوں گا۔ بس اب تو سیدھا سلطان کے پاس جا اور جیسے بھی ہو سکے اسے رائسین سے رخصت کر دے"۔

چتر بھوج نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔ اس نے غضبناک نظروں سے پورن مل کو دیکھا اور اس کے سامنے سے ہٹ آیا۔ چتر بھوج نے اپنے دوستوں اور وفادار سپاہیوں کا ایک گروہ بنا رکھا تھا جو اسے مشورہ بھی دیتے تھے اور اس کے لیے جان دینے پر بھی آمادہ رہتے تھے۔ چتر بھوج نے ان سے مشورہ کیا انہوں نے چتر بھوج کا ہر حال میں ساتھ دینے کا

اظہار کیا مگر بات یہاں پر آکر ٹھہری کہ دشمن قلعہ کو گھیرے ہوئے ہے اگر اس وقت پورن مل کے خلاف بغاوت کی گئی تو رائسین تباہ ہو کر رہ جائے گا اور جب قلعہ تباہ ہوا تو پھر کیا پورن مل اور کیا چتر بھوج کوئی بھی زندہ نہ بچ سکے گا اس لیے سب سے پہلے سلطان کی مصیبت سے چھٹکارا پانا ضروری ہے۔

چتر بھوج پندرہ سواروں کے ساتھ اس شان سے سلطان شیر شاہ سوری کی طرف روانہ ہوا کہ دس سواروں کے پاس دو دو بڑے بڑے تھیلے تھے اور ان تھیلیوں میں سونے کی اینٹیں بھری ہوئی تھیں۔ باقی پانچ سوار جس میں چتر بھوج بھی شامل تھا ان کے پاس ایک ایک چھوٹا تھیلا تھا جو منہ تک جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ خاص کر چتر بھوج کے پاس جو تھیلا تھا اس میں لعل اور بڑے موتیوں کے ایسے نایاب دانے تھے جو خود سلطان شیر شاہ سوری کے شاہی خزانے میں بھی موجود نہ تھے۔

○

چتر بھوج نے سلطان کو سلامی پیش کی اور اس سلامی میں تھیلوں کو سلطان کے سامنے الٹ دیا گیا۔ ایک طرف سونے کی سلیں دوسری طرف قیمتی جواہرات کی جگمگاہٹ۔ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو کر رہ گئیں۔ سلطان کے امرا نے مسکرا مسکرا کے ایک دوسرے کو دیکھنا اور اشارے کرنا شروع کر دئے۔

شیر شاہ سوری نے دولت کے اس ڈھیر پر جو ایک بڑے خزانہ سے کسی طرح کم نہ تھا، صرف ایک طائرانہ نظر ڈالی اور غضبناک لہجے میں بولا۔

"تم سلطان الہند کے انصاف اور غصہ کو ان بے حقیقت ٹھیکروں سے خریدنا چاہتے ہو؟"

"ہرگز نہیں عالی جاہ۔" چتر بھوج نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا۔ "یہ بے حقیقت سونا اور جواہر ریزے تو اس قابل بھی نہیں کہ اعلیٰ حضرت کے قدموں میں ڈالے جائیں ہاں اگر عالی جاہ اسے عزت افزائی کے طور پر شرف قبولیت عطا فرمائیں تو رائے راجہ پورن مل اور رائسین کی رعیت کے لیے فخر کا باعث ہو گا"۔

سلطان کا غصہ، قہر میں تبدیل ہو گیا۔

"ہرگز نہیں چتر بھوج۔ ہرگز نہیں۔ ہم تمہارے الفاظ تم ہی کو واپس کرتے ہیں یہ ٹھیکرے ان مظلوموں کی آہوں اور فریادوں کا بدل نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم نے اب بھی ان کی فریاد نہ سنی تو روز قیامت ہم کیا جواب دیں گے۔ فرشتہ ہمارا گریبان پکڑ کے پوچھے گا کہ فرید خاں، تجھے مالک کائنات نے ہندوستان کی سلطانی عطا کی تھی پھر تو مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کو ایک کافر کی قید سے کیوں نہ آزاد کرا سکا۔ اس وقت-----"

"عالی جاہ۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی آپ کو یقین دلاتا ہوں-----"

"چپ ہو جا چتر بھوج-----" سلطان نے بھی اس کی بات بالکل ہی قطع کر دی جس طرح چتر بھوج نے سلطان کی قطع کلامی کی تھی۔

"ہم تیری بات ضرور سنتے لیکن تو نے ہماری بات کاٹ کے گستاخی کی ہے۔ اس لئے ہم بھی تیری بات سننے سے انکار کرتے ہیں" سلطان شیر شاہ سوری نے اسے جلال کے عالم میں کہا کہ چتر بھوج کے بدن میں رعشہ پیدا ہو گیا۔

"رحم---- رحم---- عالی جاہ رحم۔ غلام اپنی گستاخی کی معافی چاہتا ہے"۔ یہ کہتے ہوئے چتر بھوج نے اپنی پیشانی زمین میں ٹیک دی۔

"اے کم بخت اٹھ کے کھڑا ہو جا-----" سلطان نے اسی جلال کے عالم میں کہا---- "تو ہمیں گنہگار کرنا چاہتا ہے۔کیا تو نہیں جانتا کہ مسلمان سوائے خدا کے نہ تو کسی کو سجدہ کرتے ہیں اور نہ کسی کا سجدہ قبول کرتے ہیں"۔

چتر بھوج فوراً سجدے میں اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔

سلطان نے فرمایا "چتر بھوج جا اور پورن مل کو ہمارا حکم سنا دے اگر اس کی قید میں کوئی مسلمان عورت یا لڑکی نہیں ہے تو قلعہ کے دروازے کھول دے۔ ہم قلعہ کی تلاشی خود لیں گے اور اگر وہ اپنے قول میں سچا نکلا تو اسے قلعہ واپس کر دیا جائے گا اور تلافی کے طور پر جتنی رقم وہ طلب کرے گا شاہی خزانہ سے ادا کر دی جائے گی"۔

چتر بھوج کی لائی ہوئی دولت کے اس ڈھیر کو دیکھ کر سپاہیوں اور امراء کی آنکھیں چکا چوند ہو گئی تھیں۔ انہوں نے اپنے طور پر فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر صلح کی بات ناکام ہوئی اور چتر بھوج نے سونا اور جواہرات واپس لے جانے کی کوشش کی تو اسے ایسا نہیں کرنے دیا جائے گا اور دولت اس سے زبردستی چھین لی جائے گی۔

دوسری طرف چتر بھوج بہت پریشان تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اتنی دولت کو دیکھ کر سلطان کے منہ میں پانی بھر آئے گا اور وہ پہلے کی طرح ایک بار پھر رائسین میں ہونے والے ظلم و ستم کو نظرانداز کر کے واپس چلا جائے گا مگر سلطان نے دو ٹوک بات کی اور واضح کر دیا کہ صلح اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک قلعہ کی تلاشی لے کر یہ یقین نہیں کر لیا جاتا کہ وہاں کوئی مسلمان عورت یا لڑکی موجود نہیں ہے چتر بھوج کے دل میں چور تھا اور چور کیوں نہ ہوتا۔ قلعہ میں ظلم و ستم اور عیاشی و فحاشی کا بازار گرم تھا اور سلطان کی پہلی معافی سے پورن مل نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔

اب چتر بھوج کو بات چیت کی ناکامی سے زیادہ دولت کے اس ڈھیر کی فکر تھی جو وہ پورن مل کی اجازت کے بغیر اپنے طور پر اس لیے سمیٹ کے لیے آیا تھا کہ اس کے خیال میں ہر غلطی اور ہر ظلم کا جواب دولت اور صرف دولت تھی مگر سلطان نے دولت کی طرف سے منہ پھیر کر اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ پورن مل تلاشی دینے پر کسی طرح آمادہ نہ ہو گا۔

چتر بھوج کے پاس سوچنے سمجھنے کا وقت نہ تھا۔ اسے ہاں یا نہیں میں جواب دے کر واپس جانا تھا اگر وہ جواب کے لیے کچھ وقت بھی مانگتا تو بھی اس کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ دولت کے اس ڈھیر کو تھیلوں میں دوبارہ بھر کر واپس لے جائے۔ سلطان یا اس کے امیر اس بات کی اسے کسی طرح اجازت نہ دیتے۔

آخر اس نے بہت سوچ کے کہا۔ "اے سلطان الہند۔ میں صاحب اقتدار نہیں اس لیے آخری جواب کے لیے مجھے قلعہ واپس جانا ہو گا۔ میرے لئے راجہ رائے پورن مل کا حکم تھا کہ یہ دولت سلطان کی خدمت میں صلح کی پہلی قسط کے طور پر پیش کی جائے۔ باقی اقساط اس کے بعد حاضر خدمت کی جانی تھیں مگر سلطان معظم نے جو شرط عائد کی ہے اگرچہ وجہ مشکل بات نہیں ہمارا دل صاف ہے اور ہم قلعہ کی تلاشی دے سکتے ہیں مگر یہ حکم رائے پورن مل کی طرف سے ہو گا۔ اس لیے نئی شرائط کے لیے مجھے اجازت یہ سونا اور جواہرات قلعہ واپس لے جانے کی اجازت دی جائے۔ امید ہے کہ اعلیٰ حضرت حکم خسروانہ فرمائیں گے"۔

"چتر بھوج"۔ سلطان بے دلی سے بولا۔ "تمہیں یہ بوجھ واپس لے جانے کی ضرورت

نہیں۔ تم قلعہ واپس جاؤ اور پورن مل جو جواب دے اس سے ہمیں مطلع کرو اگر کل صبح تک تمہاری طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو بلا انتظار قلعہ پر حملہ کر دیا جائے گا پھر اس کا جو نتیجہ ہو گا اس کی ذمہ داری پورن مل پر ہو گی"۔

چتر بھوج کا منہ اتر گیا اور وہ سلطان کو سلام کر کے چپ چاپ واپس ہو گیا۔ اس نے قلعہ پہنچ کر مضمحل آواز میں پورن مل اور دوسرے سرداروں کو بتایا۔

"شیر شاہ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح ملیچھ اور کمینہ ہے۔ اس نے الٹی میٹم دیا ہے کہ یا تو قلعہ کی تلاشی دو یا پھر فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

پورن مل کے تو پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اس کا خیال تھا کہ اتنی زیادہ دولت دیکھ کر شیر شاہ کا دماغ گھوم جائے گا اور واپس جانے پر تیار ہو جائے گا۔ اگر بہت کچھ ہوا تو وہ کچھ اور دولت طلب کرے گا جو اسے بھجوا دی جائے گی مگر وہ تو تلاشی لینے پر اڑ گیا ہے۔ تلاشی کس طرح دی جا سکتی ہے جبکہ قلعہ میں اس وقت مسلم خواتین اور لڑکیاں قید تھیں۔

پورن مل دیر تک خیالات میں الجھا رہا تو اس کے ایک سردار نے جو سب سے زیادہ متعصب اور پر جوش تھا وہ کھڑا ہو گیا اور غصہ سے بولا۔

"میں نے رائے پورن مل سے پہلے ہی کہا تھا کہ ہمیں قلعہ سے باہر نکل کے شاہی لشکر سے مقابلہ کی اجازت دی جائے۔ مسلمان ہمیشہ کے ہی کمینے ہیں۔ ان لوگوں نے آدھے ملک پر زبردستی قبضہ کر رکھا ہے مگر یہ بہادر نہیں بلکہ بزدل ہیں۔ ہم ان کے ناپاک قدم قلعہ رائسین میں نہیں آنے دیں گے"۔

اس کے دو اور سرداروں نے بھی اسی قسم کی رائے ۔ ۔ پورن مل سخت پریشان تھا اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب کیا قدم اٹھایا جائے۔ قلعہ کی تلاشی کی اجازت دینے سے بھانڈہ پھوٹ جانے کا امکان تھا۔ اتنی بہت سی مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کو نہ تو چھپایا جا سکتا تھا اور نہ انہیں قتل کر کے ختم ہی کیا جا سکتا تھا۔ قتل کی صورت میں ان کی لاشیں کہاں چھپائی جائیں۔

اس وقت اس کی محبوبہ رتناولی نے اس کی مدد کی۔ بولی۔

"میرے راجپوتو اور راجپوت کے سپوتو۔ تم نے جو کہا میں اس کی حمایت کرتی ہوں۔

ملیچھ مسلمانوں سے معافی مانگنا یا اپنے آپ کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دینے سے میدان جنگ میں لڑ کر جان دینا زیادہ بہتر ہے"۔

پہلے سردار نے فوراً" اس کی تائید کی۔

"بس بس فیصلہ ہو گیا۔ شیر شاہ کو قلعہ میں نہیں آنے دیا جائے گا۔ ہم باہر نکل کر خود اس سے جنگ کریں گے اور اسے میدان سے بھگائیں گے"۔ پھر اس نے رائے پورن مل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "امید ہے کہ رائے پورن مل بھی دیوی رتناولی کی رائے سے اتفاق کریں گے؟"

آخر پورن مل کو بھی بولنا پڑا۔ "رتناولی کا فیصلہ' ہمارا فیصلہ ہے۔ ہم شیر شاہ کا مقابلہ کریں گے لیکن قلعہ سے باہر نکل کے نہیں بلکہ قلعہ بند ہو کر۔ اس قلعہ کی یہ تاریخ ہے کہ اس پر کسی مسلمان نے آج تک قبضہ نہیں کیا۔ فصیل پر فوج پھیلا دی جائے آگ روشن کر کے اس پر تیل کے کڑھاؤ چڑھا دیئے جائیں اور اعلان جنگ کے طور پر ایک ہزار تیروں کا تحفہ فوراً" سلطانی لشکر کی طرف بھیجا جائے"۔

رتناولی نے پورن مل کے اعلان میں فوراً" ترمیم کی۔ اس نے کہا۔

"رائے راجہ رائسین پورن مل نے ہندو جاتی کے دلوں کی ترجمانی کی ہے۔ بالکل وہی ہونا چاہیے جیسا رائے راجہ نے اعلان کیا ہے سوائے اس کے کہ اس وقت تیر پھینک کر اعلان جنگ نہ کیا جائے بلکہ اس عمل کو صبح تک روک دیا جائے تاکہ ہمیں ایک طرف تو ضروری تیاریوں کے لیے ایک رات کا وقفہ اور مل جائے۔ پھر اس رات کو ہم اپنی فتح کا جشن بھی منانا چاہتے ہیں۔ پتہ نہیں کہ کل ہماری شکست ہو یا فتح مگر ہم شکست کا لفظ اپنے ذہن سے نکالنے کے لیے پہلے ہی سے فتح کا جشن منانا چاہتے ہیں"۔

رائے راجہ رائسین جو انتہائی پریشان تھا اسے اپنی محبوبہ کی باتوں سے بڑی تقویت ملی۔ اس میں حوصلہ بھی پیدا ہو گیا۔ چنانچہ اس نے رتناولی کے بعد ایک اور اعلان کیا۔

"ہماری محبوب ہستی رتناولی نے یہ اعلان بھی بہت خوب کیا ہے۔ اس کی وضاحت ہم اس طرح کرتے ہیں کہ اس قلعہ رائسین میں جتنی بھی مسلمان عورتیں موجود ہیں وہ تمام کی تمام بلا تفریق عمرو صورت و شکل بڑے ہال میں بالکل برہنہ حالت میں لائی جائیں اور انہیں تمام رات برہنہ رقص و ساقی گری کے کام پر لگایا جائے۔

یہ تو بدمعاشوں کے دل کی بات تھی۔ انہوں نے اس اعلان پر خوب جے جے کار مچائی۔ یہ اعلان پورے قلعہ میں کیا گیا تو وہاں جشن کا سماں پیدا ہو گیا۔

رائے راجہ پورن مل کے اس حکم کی مخالفت میں عورتوں نے بہت احتجاج کیا مگر ان پر اس قدر ڈنڈے برسائے گئے کہ وہ سب بے حال ہو گئیں اور اسی عالم میں انہیں برہنہ کر کے قلعہ کے رقص کے ہال میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں پورن مل اور اس کی محبوبہ رتناولی ایک تخت پر بیٹھی تھی اور تمام بڑے اور چھوٹے سردار ان کے سامنے سر جھکائے بیٹھے تھے۔

دوسری طرف میدان جنگ میں شاہی لشکر جواب کا منتظر تھا مگر جب فصیل پر آگ روشن ہوئی تو شاہی لشکر میں بے چینی پیدا ہو گئی۔ امرائے لشکر دوڑ کے شاہی خیمہ میں پہنچے اور سلطان الہند شیر شاہ کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ شیر شاہ کو یہ سن کر تعجب ہوا۔ قلعہ کتنا ہی مضبوط اور ناقابل تسخیر سہی لیکن اس کی فصیلوں کو آج نہیں تو کل شاہی لشکر کے سامنے سرنگوں تو ہونا ہی تھا۔

دراصل شیر شاہ میدان میں یا محاصرہ کے دوران ہمیشہ یہ کوشش کرتا کہ اسے کم از کم جانی نقصان برداشت کرنا پڑے۔ میدان جنگ میں کچے قلعے بنانے کا رواج بھی شیر شاہ ہی نے ڈالا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے میدان میں کچے قلعے بنانے کی رسم مغل بادشاہ بابر نے ابراہیم لودھی کے خلاف پہلی بار استعمال کی تھی مگر عملی طور پر اور تاریخی اعتبار سے یہ اعزاز شیر شاہ کو جاتا ہے کہ اس نے بعض اہم جنگوں میں کچے قلعے بنا کر اپنے لشکر کی حفاظت کی تھی۔

مطلب یہی تھا کہ لشکر کا کم از کم نقصان ہو اور فتح بھی حاصل ہو جائے۔ شیر شاہ نے تحمل سے کام لیا۔ اس نے رات میں قلعہ پر حملہ کا حکم اس وجہ سے بھی نہیں دیا کہ اس نے چتر بھوج کو دوسرے دن صبح تک کا سوچنے کا وقت دیا تھا۔ اگرچہ فصیل پر آگ روشن ہونے کا مطلب ظاہر تھا کہ قلعہ اپنی مدافعت کے لیے تیار ہے پھر بھی شیر شاہ نے صبح کا انتظار کیا۔



اس رات قلعہ کے اندر اور فصیل پر رائسین کے فوجیوں نے اس قدر شور غل کیا

اور ادہم مچایا کہ جیسے وہاں مچھلی بازار لگا ہوا یا کئی باراتیں ایک ساتھ چڑھی ہوں۔ سلطان نے اپنے لشکریوں کو قلعہ سے دور رکھ کر صرف محاصرہ کیا تھا مگر اتنی دور ہونے کے باوجود قلعہ کاشور صاف سنائی دیتا تھا پر فصیل پر ہندو پہریدار شراب کی بوتلیں سنبھالے اور رقص کرتے ہوئے نظر آئے۔ اس سے شاہی لشکریوں میں بہت جوش پیدا ہوا مگر وہ بغیر حکم شاہی کے قلعہ پر حملہ نہیں کر سکتے تھے۔

سلطان شیر شاہ نے صبح کو بھی حملہ کا حکم نہیں دیا۔ اسے اپنے لشکری اس قدر عزیز تھے کہ وہ ایک سپاہی بھی بلاوجہ ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا اور یہ خیال صحیح بھی تھا کہ قلعہ والے محاصرے سے تنگ آ کر ہفتہ دو ہفتہ میں ہتھیار ڈال دیں گے پھر قلعہ پر حملہ کر کے لشکریوں کی جانوں کا کیوں نقصان کیا جائے۔ ہاں سلطان نے یہ ضرور کیا کہ قلعہ کے محاصرے میں اور زیادہ سختی کر دی تاکہ قلعہ کے اندر' باہر سے کسی قسم کی مدد نہ پہنچ سکے۔

بعض مورخین نے محاصرۂ قلعہ رائسین کے بارے میں بہت سی غلط باتیں لکھی ہیں۔ دراصل ہماری اسلامی تاریخ کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ ایک بادشاہ کے دور میں جو تاریخ مرتب ہوتی تھی اگر دوسرا بادشاہ اس کے خلاف ہوتا تو وہ تاریخ کو بدلوا دیا کرتا تھا۔ شیر شاہ کے دور حکومت میں جو تاریخ لکھی گئی تھی اسے مغلوں کے دور حکومت میں تقریباً" یکسر تبدیل کر دیا گیا۔ تاریخ بتاتی ہے رائسین کا محاصرہ چھ ماہ تک جاری رہا۔ یہ بات قطعی ناقابل یقین ہے۔ اس لیے کہ تاجدار ہند جس نے مغل بادشاہ ہمایوں کا تعاقب کر کے اسے ہندوستان سے نکال دیا تھا وہ محض ایک قلعہ کی تسخیر کے لیے چھ ماہ کیسے محاصرہ رکھ سکتا تھا۔ بہرحال شیر شاہ کا رویہ بہت محتاط تھا اور اس نے چند دن یا ممکن ہے کہ یہ چند ماہ ہوں' قلعہ پر عام حملہ کا حکم نہیں دیا۔ اسی لیے افغانوں کو بزدلی کا طعنہ دیا گیا۔

سلطانی لشکر کی طرف سے صرف خاموش محاصرہ کا یہ اثر ضرور ہوا کہ قلعہ والے بہت شیر ہو گئے اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ قلعہ رائسین ناقابل تسخیر ہے اور سلطان کسی بہانے اپنی جان چھڑا کے واپس جانا چاہتا ہے۔ چنانچہ قلعہ کے لشکری فصیل پر کھڑے ہو کے محاصرہ کرنے والے شاہی لشکریوں کو نہ صرف منہ چڑھاتے بلکہ ان پر غلیظ الفاظ میں طعنہ زنی کرنے سے بھی باز نہ آتے تھے۔

سلطانی لشکری غصہ سے لال پیلے ہو جاتے مگر انہیں صبر کرنا پڑتا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ ایک افغان سپاہی نے آپس میں گفتگو کرتے ہوئے کہا۔

"قلعہ کے ان بے غیرتوں کو دیکھو۔ اوپر کھڑے ہو کر کیسے کیسے منہ بناتے اور طعنے دیتے ہیں اگر بہادر ہیں تو میدان میں نکلیں پھر معلوم ہو کہ کون کتنے پانی میں ہے؟"

اس کا ساتھی شاید کچھ زیادہ جلا بیٹھا تھا اس نے جواب دیا۔

"وہ بے غیرت ہیں بلکہ بہادر بھی ہیں۔ راجپوتوں کی بہادری یوں بھی پورے ہندوستان میں مشہور ہے۔ اس وجہ سے تو قلعہ اب تک فتح نہیں ہو سکا"۔

پہلا بگڑ گیا۔ بولا۔ "تم نے یہ کیا بات کی۔ وہ بہادر ہیں تو کیا ہم بزدل ہیں۔ آدھا ہندوستان ہم نے فتح کر لیا ہے۔ پھر بھی تم اپنے کو طعنہ دے رہے ہو"۔

دوسرا بھی اکڑ گیا۔ اس نے کہا۔ "میں بہادری اور بزدلی کو نہیں جانتا مگر کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اتنے روز سے ہم قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں اور سلطان نے ہمیں اب تک حملہ کا حکم نہیں دیا"۔

"ہو سکتا ہے کہ سلطان کی اس میں کوئی مصلحت ہو"۔ پہلے نے سلطان کی پوزیشن بچائی۔

مگر دوسرا زیادہ منہ پھٹ تھا اس نے فوراً" جواب دیا۔

"مصلحت کا دوسرا نام بزدلی ہوا کرتا ہے۔ بہادر وہ ہیں جو ہمارا مذاق اڑاتے ہیں اور ہم یہاں دم دبائے بیٹھے ان کی گالیاں سنتے رہتے ہیں"۔

پہلے کو اس بات پر بہت غصہ آیا یا اسے غیرت معلوم ہوئی اس نے فوراً" اعلان کیا۔

"بھائیو۔ تم میں سے کون کون میرا ساتھ دے گا؟"

کسی نے پوچھا۔ "آخر تم کرنا کیا چاہتے ہو پہلے اپنا مقصد تو بیان کرو؟"

پہلے نے ادھر ادھر نظریں دوڑا کے کہا۔

تمہیں اپنے ماں کے دودھ کی قسم ہے یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں کسی کو نہ بتانا۔ کل صبح میں قلعہ رائسین کے دروازے پر جا کر اپنا مد مقابل طلب کروں گا اور اس سے کہوں گا کہ بہادری یہ ہے کہ قلعہ سے نکل کر دو بدو مقابلہ کرو پھر معلوم ہو گا کہ کون کتنے پانی میں ہے"۔

اس کی یہ بات سن کے تقریبا" پندرہ افغان کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ وہ اس کے ساتھ چلیں گے اور قلعہ والوں کو چیلنج کریں گے ان افغانوں میں ایسا جوش و خروش پیدا ہوا کہ سب نے ہاتھ پر ہاتھ مار کے قسم کھائی کہ کل وہ اپنے فیصلہ پر عمل کریں گے نیز یہ کہ اس کی خبر سلطان کو نہیں پہنچائی جائے گی۔

یہ افغان اس قدر پر جوش ہو گئے تھے کہ رات کو اچھی طرح سو بھی نہ سکے اور نماز فجر کے فورا" بعد کمریں کس کے مقابلہ پر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ چونکہ انہوں نے اپنے منصوبے کو پوشیدہ رکھا تھا اس لیے کسی نے ان کی طرف توجہ نہ کی اور ڈیڑھ ہزار کا یہ گروہ تیر تلوار لے کر خیمہ گاہ سے نکلا اور چند ہی لمحوں میں بڑھ کے قلعہ رائسین کے دروازے پر پہنچ گیا۔



پہریداروں نے افغان گروہ کو ادھر آتے دیکھا تو بھاگ کے اپنے افسروں کو خبر دی۔ یہ خبر فورا" رائے پورن مل کو بھی پہنچائی گئی۔ وہ فورا" دروازے پر پہنچا اوپر کی برجی میں آ کر بیٹھ گیا۔

افغان گروہ دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ پورن مل نے ایک آدمی کے ذریعہ ان سے دریافت کیا۔

"افغان لشکری قلعہ کے دروازے پر کیوں آئے ہیں۔ کیا وہ سلطانی لشکر سے باغی ہو کر آئے ہیں اور پناہ چاہتے ہیں"۔

منصوبہ بنانے والا افغان سب سے آگے تھا اس نے جواب دیا۔

"نہ ہم باغی ہیں اور نہ پناہ چاہتے ہیں۔ قلعہ والے فصیل پر کھڑے ہو کر ہمارا مذاق اڑاتے ہیں اور ہم پر طرح طرح کی پھبتیاں کستے ہیں۔ وہ ہمیں بزدل کہتے ہیں ہم اس لیے آئے ہیں کہ انہیں قلعہ کے باہر بھیجا جائے پھر ہمارا اور ان کا مقابلہ ہو۔ جو بزدل ہو گا وہ میدان چھوڑ بھاگے گا۔ اگر انہیں اپنی بہادری پر ناز ہے تو وہ ہمارا چیلنج قبول کریں۔

یہ واقعی بڑی بے غیرتی کی بات تھی۔ رائے پورن مل نے اپنے سرداروں سے مشورہ کیا۔ منچلے جوان مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے۔

اوپر سے اعلان کیا گیا۔

"ملیچھ مسلمانوں کا چیلنج قبول کیا گیا۔ ہمارے بہادر قلعہ سے باہر آ رہے ہیں"۔

پورن مل نے اپنے چار بڑے سرداروں کو حکم دیا کہ رائسین کے لشکریوں میں سے دو ہزار بہادر، منچلے اور جیدار سپاہیوں کا انتخاب اور انہیں پوری طرح مسلح کر کے قلعہ کے باہر بھیجے جانے کا انتظام کریں انسرداروں نے سب سے پہلے ان سپاہیوں کو بلوایا جو افغانوں پر آوازے کستے تھے اور انہیں بزدلی کا طعنہ دیتے تھے مگر ان میں سے آدھے سے زیادہ منہ چرا گئے اور سامنے نہ آئے۔

پھر بھی ہندو لشکر جس میں راجپوتوں کی تعداد زیادہ تھی، میں دو ہزار سے زیادہ ایسے سپاہی نکل آئے جنہوں نے اپنے آپ کو افغانوں کے مقابلہ کے لیے پیش کیا۔ چونکہ یہ دونوں لشکروں کی عزت کا سوال تھا اس لیے راجپوت سرداروں نے ان سپاہیوں کی پچھلی کارکردگی کے متعلق پوری تحقیق کی اور صرف ان سپاہیوں کو مقابلہ پر بھیجنے کے لیے منتخب کیا جو مانے ہوئے تیر انداز اور شمشیر زن تھے۔ اس کے بعد بھی آخری انتخاب کے لیے ان سپاہیوں کو پورن مل کے سامنے پیش کیا گیا۔

مقابلہ پر آنے والے افغانوں کی تعداد پندرہ سو سے زیادہ نہ تھی پھر بھی پورن مل نے ان کے مقابلہ پر دو ہزار سپاہیوں کو بھیجنے کا فیصلہ کیا مگر اس نے افغانوں کو اطلاع بھجوائی کہ ان کی تعداد کے برابر ہی قلعہ سے راجپوت سپاہی باہر بھیجے جا رہے ہیں نیز یہ کہ مقابلہ کا میدان چھوٹا ہے اس لیے تیر اندازی نہ کی جائے اور دونوں طرف کے سورما صرف شمشیر زنی کے جوہر دکھائیں۔

افغان تو سر سے کفن باندھ کے آئے تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ سلطان شیر شاہ کی اجازت کے بغیر قلعہ والوں سے دو بدو مقابلہ کر رہے تھے اور انہوں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اس مختصر جنگ میں بہادری اور شمشیر زنی کا ایسا مظاہرہ کریں گے کہ جب وہ واپسی پر سلطان کے سامنے پیش ہوں تو سلطان ان کی بہادری کے پیش نظر انہیں معاف کر دے۔

افغانوں نے رائسین والوں کی تمام شرطیں مان لیں۔ دراصل وہ لڑنے کے لیے اس قدر بے چین تھے کہ انہیں صرف میدان جنگ ہی دکھائی دے رہا تھا اور وہ جلد سے جلد دشمن کے مقابل ہونا چاہتے تھے۔ تمام باتیں اور شرطیں طے ہونے کے بعد پورن مل نے

افغانوں کو اطلاع دی کہ وہ قلعہ سے کم از کم چار سو گز پیچھے ہٹ جائیں تاکہ دونوں فوجوں کے درمیان ایک چھوٹا سا میدان جنگ پیدا ہو جائے۔

افغان پیچھے ہٹ گئے قلعہ کافی بلندی پر واقع تھا اور قلعہ کے دروازے کے سامنے بہت مختصر میدان تھا اس کے بعد ڈھلوان شروع ہو جاتا تھا پھر بھی افغان جہاں تک میدان تھا اس کے سرے تک پہنچ کے کھڑے ہو گئے۔ پھر قلعہ کا دروازہ کھلا اور دو ہزار راجپوت جنہیں اپنی بہادری پر گھمنڈ تھا' باہر نکل کے صف آرا ہوئے۔

اس وقت پورن مل نے قلعہ کے برج سے کپڑا ہلا کر مقابلہ کا اعلان کیا اور دونوں فوجیں تلواریں سونت کے تیز قدم اٹھاتی ہوئی آگے کی طرف بڑھنا شروع ہوئیں۔



رائے پورن مل قلعہ کے برج میں بیٹھا یہ لڑائی دیکھ رہا تھا۔اور وہیں سے اپنے جوانوں کے دل بڑھا رہا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ راجپوت بڑی بہادری سے لڑے مگر اللہ کا نام لینے والے مسلمان ان سے کب دبنے والے تھے۔ پھر جب مقابلہ کفر و اسلام اور حق و باطل کا ہو تو مسلمان اس وقت سیسے کی دیوار بن جاتا ہے اور آگے بڑھتا ہے تو جیسے فولاد اور آہن کے پتلے حرکت کرتے ہیں۔

ایک طرف "جے جے کار" کی پکار تھی تو دوسری طرف "نعرہ تکبیر" بلند ہو رہا تھا اور وہ غیرت مند افغان جو کئی ہفتوں سے رائسین والوں کے طعنے تشنے سن سن کے تاؤ کھا رہے تھے وہ اس وقت نہ صرف سینہ سپر تھے بلکہ راجپوتوں کے قدم اکھاڑنے کے لئے زور لگا رہے تھے اور ان کے حملوں میں شدت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ راجپوت کسی نہ کسی طرح دوپہر تک قدم جمائے رہے مگر افغانوں کی غیرت نے آخر ان کے قدم اکھاڑ دیئے اور انہیں دھکیلتے ہوئے قلعہ کے دروازے تک لے گئے۔

اوپر بیٹھے ہوئے رائے پورن مل کے چہرے پر ہوائیاں اڑ گئیں۔ اس نے چیخ چیخ کر اپنا گلا سجا لیا۔ راجپوتوں کو بھی شاید غیرت آ گئی۔ ان کی قلعہ میں واپسی کیلئے اگرچہ دروازے کھول دیئے گئے تھے لیکن انہوں نے آخری کوشش کے طور پر پھر قدم جمائے مگر یہ شکست و موت کا آخری سنبھالا تھا۔ افغانوں نے محسوس کر لیا تھا کہ کافروں کے قدم اکھڑ

چکے ہیں۔ انہیں ذرا بھی سہارا ملا تو یہ پھر پلٹ آئیں گے۔ چنانچہ انہوں نے زور لگا کر ایک زبردست نعرہ لگایا۔

افغانوں کے اس نعرے نے راجپوتوں کے قدم ایسے اکھاڑے کہ ان کے منہ میدان جنگ سے قلعہ کے دروازے کی طرف گھوم گئے اور وہ بد حواس ہو کر بھاگنے لگے۔ اس پسپائی میں سینکڑوں راجپوت مارے گئے اور جو بچ کے قلعہ میں واپس پہنچے ان کے جسم زخموں سے داغ دار تھے۔ ان کے سر جھک گئے تھے اور طعنہ دینے والی زبانیں جیسے گنگ ہو گئی تھیں۔

بھگوڑوں کو قلعہ کے اندر لے کر دروازے بند کر لئے گئے۔ پھر بھی ان بھاگنے والوں کی کم از کم پانچ سو لاشیں قلعہ کے باہر بکھری پڑی تھیں اور قلعہ والوں پر افغانوں کا ایسا رعب طاری ہو گیا تھا کہ دروازے بند ہونے پر بھی ان کے جسم خوف و دہشت سے کانپ رہے تھے۔ دوسری طرف فاتح افغان خوشیاں مناتے اور نعرے لگاتے اپنے لشکر کی طرف واپس ہوئے مگر اب انہیں یہ فکر دامن گیر تھی کہ ان کے اس اقدام نے اگرچہ افغانوں کی ناک رکھ لی تھی اور انہیں قلعہ والوں کے طعنوں سے نجات مل گئی تھی مگر یہ سب کچھ انہوں نے اپنے طور پر کیا تھا اور ان کا اقدام سلطان شیر شاہ سوری کے کسی زبانی یا تحریری حکم کے بغیر تھا۔

افغانوں اور قلعہ والوں کی اس دوبدو جنگ کے بارے میں صبح تک تو شیر شاہ کو کوئی اطلاع نہ ملی تھی مگر جب ڈیڑھ دو ہزار افغان لشکر سے نکل کر قلعہ کی طرف نعرے لگاتے اور تلواریں لہراتے بڑھے تو محافظوں اور چوکیداروں نے بھاگ کے سلطان کو اطلاع دی۔ سلطان پریشان ہو کر خیمہ سے نکل آیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ یہ افغان اس کے حکم کے بغیر قلعہ رائسین پر حملہ کرنے کیوں جا رہے ہیں۔

شیر شاہ اسی فکر و تردد میں تھا کہ ایک افغان نے آگے بڑھ کے سلطان سے دست بستہ عرض کیا۔

"عالی جاہ۔ گستاخی کی معافی عطا ہو تو افغانوں کی اس جرات اور خلاف قاعدہ اقدام کی وجہ بیان کروں؟"

"ضرور بیان کرو...." سلطان نے پریشانی سے پوچھا۔

"آخر یہ سب کیا ہے۔ اس ہڑبونگ کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔"

"عالی جاہ۔ گستاخی معاف۔" اس نے جواب دیا۔

"یہ ہڑبونگ نہیں بلکہ یہ سب کچھ ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت کیا گیا ہے اور اس کی ذمہ داری افغانوں کی جرات اور شجاعت پر عائد ہوتی ہے۔"

"تم کیا کہہ رہے ہو۔" سلطان کی سمجھ میں کچھ نہ آ سکا۔ "جلد بتاؤ اور مختصر بتاؤ!"

پھر اس نے صاف اور واضح الفاظ میں سلطان کو بتایا۔

"عالی جاہ۔ جس دن سے ہم نے قلعہ رائسین کا محاصرہ کیا ہے اس روز سے قلعہ کے محافظ فصیل پر کھڑے ہو کر افغانوں کو بزدل اور ڈرپوک ہونے کے طعنہ دیتے ہیں۔ وہ شراب پی پی کر ناچتے اور ہمیں غلیظ غلیظ گالیاں نکالتے ہیں۔ جن سپاہیوں کا پہرہ قلعہ سے زیادہ قریب ہے وہ ان کے طعنے اور کمینی حرکتیں دیکھتے اور سنتے سنتے تنگ آ گئے....."

سلطان نے اسے ٹوکا

"اگر یہ بات تھی تو اس کی خبر ہمیں کیوں نہیں پہنچائی گئی؟"

"عالی جاہ....." اس نے بتایا۔ "سب کا خیال تھا کہ قلعہ پر جلد ہی عام حملہ کا حکم ہو جائے گا اور وہ ان سے پورا پورا انتقام لے سکیں گے مگر عام حملہ کے حکم میں تاخیر کی وجہ سے افغان برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ قلعہ کے قریب پہنچ کے قلعہ والوں کو باہر نکل کے جنگ کی دعوت دیں گے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کون بہادر اور کون بزدل ہے۔"

سلطان چند لمحے سوچنے کے بعد بولا۔

"ٹھیک ہے۔ ان کی مدد کو کوئی آگے نہ جائے۔ ہاں ان کے انجام سے ہمیں ضرور آگاہ کیا جائے۔"

یہ کہہ کے سلطان خیمہ میں واپس چلا گیا۔ دوسرے لوگ بھی اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔

پھر دن بھر جنگ ہوتی رہی اور شام کو جب افغان فاتح نعرے لگاتے واپس ہوئے تو سلطان کو اطلاع دی گئی۔

"مبارک ہو سلطان عادل= افغانوں نے فتح پائی۔ انہوں نے قلعہ کو برابر کے دو بدو مقابلہ کی دعوت دی۔ قلعہ والے راضی ہوگئے۔ ہمارے افغان صرف ڈیڑھ ہزار تھے۔ ان

کے مقابلہ پر رائے پورن مل کے دو ہزار راجپوت قلعہ کے باہر بھیجے۔ تمام دن خوب مقابلہ ہوا۔ آخر افغانوں نے شام کے وقت انہیں پسپا کر کے قلعہ میں واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ قلعہ والے پانچ سو لاشیں میدان میں چھوڑ کر قلعہ میں بھاگ گئے۔"

سلطان نے خدا کا شکر دل ہی دل میں ادا کیا مگر حکم دیا۔

"حکم عدولی کرنے والے اس گروہ میں لشکر کے جتنے چھوٹے بڑے سردار شامل ہوئے ہیں ان سب کو ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔"

شاہی ہرکارہ یہ حکم لے کر فوراً باہر کی طرف بھاگا۔ افغان نعرے لگاتے واپس آ رہے تھے۔ انہیں شاہی ہرکارہ اپنی طرف آتا دکھائی دیا تو ان کے قدم ایک دم رک گئے۔ ہر طرف خاموشی طاری ہوگئی۔

شاہی ہرکارے نے حکم شاہی سنایا۔

"سلطان عادل کا حکم ہے کہ بلا اجازت حملہ کرنے والے اس گروہ میں چھوٹے بڑے جتنے سردار ہوں انہیں حضور سلطانی میں پیش کیا جائے۔"

افغان یہ سن کر گھبرائے۔ انہوں نے ایک دوسرے کا منہ دیکھا۔ پھر ان میں سے ایک نے شاہی ہرکارے سے کہا۔

"اے شاہی قاصد۔ ہم نافرمانوں میں کوئی سردار موجود نہیں۔ ہم سب کے سب سپاہی ہیں اور اپنی غلطی کی سزا بھگتنے پر آمادہ ہیں۔ آگے جو حکم حاکم ہو۔"

ہرکارہ یہ جواب سن کر حیران رہ گیا۔ مقابلہ کرنے والے اس گروہ نے قلعہ کی طرف جانے سے پہلے ہی اپنے میں سے سرداروں کو الگ کر دیا تھا۔ کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر سردار ان میں شامل رہے تو سلطان کا غصہ تیز ہو جائے گا اور سرداروں کی شامت آ جائے گی۔

شاہی ہرکارے نے بڑے جوش سے کہا۔

"خبردار۔ تم لوگ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھانا۔ میں تمہارا جواب حضور سلطانی میں پیش کروں گا اور دوسری ہدایات حاصل کر کے واپس آؤں گا۔"

ہرکارہ یہ حکم دے کہ شاہی خیمہ کی طرف واپس گیا اور یہ لوگ خاموش کھڑے ہو کر اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کیا دیکھتے ہیں کہ آگے آگے شاہی

ہرکارہ اور پیچھے پیچھے سلطان عادل معہ اپنے تمام سرداروں کے ایک جلوس کی شکل میں ادھر ہی بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ انہوں نے سلطان کی چال سے اندازہ لگایا کہ وہ غصہ کے عالم میں ہیں اور اب ان پر عتاب نازل ہونے والا ہے۔

سلطان عادل کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی ان خود ساختہ باغیوں نے اپنی تلواریں اتار کر اپنے گلوں میں لٹکا لیں۔ یہ اطاعت اور اظہار ندامت کا مہذب طریقہ تھا اور بڑے بڑے سرداران فوج یا گرفتار ہونے والے باغی جب سلطان کے سامنے پیش کئے جاتے تو وہ اطاعت کے اظہار کے طور پر اپنے گلے میں تلوار لٹکا لیا کرتے تھے۔

سلطان شیر شاہ کے قریب پہنچنے پر تمام خود سر لشکریوں نے اپنے سروں کو سلطان کے سامنے جھکا دیا۔ ان کی تلواریں ان کی گردنوں میں بدستور لٹک رہی تھیں۔ سلطان نے ان پر ایک طائرانہ نظر ڈالی پھر امیر قطب خاں کو مخاطب کیا۔

"ان بدبختوں کو دیکھتے ہو قطب خاں۔ ان کی خود سری کا یہ عالم ہے کہ محاذ پر ہمارے موجود ہوتے ہوئے انہیں ہمارے پاس آتے ہوئے شرم محسوس ہوئی اور اپنے جوش اور گھمنڈ میں قلعہ والوں کو لڑنے کی دعوت دے کر ان پر جا پڑے۔ ذرا سوچو تو اگر جھوٹا اور مکار پورن مل ان کے مقابلہ پر چار پانچ ہزار سپاہی بھیج دیتا تو ان کا کیا حشر بنتا۔ الزام سراسر ہمارے سر آتا اور ان کے عزیز و اقارب ہمیں بددعائیں دیتے۔ مگر..... مگر....."

سلطان کہتے کہتے رک گیا۔ قطب خاں نے فوراً سفارش کی۔

"عالی جاہ... یہ ان کی غلطی تھی مگر خدا نے انہیں محفوظ رکھا اور کامیابی سے بھی ہمکنار کیا۔ سلطان معظم اگر ان کی خطا معاف فرمائیں تو بندہ پروری ہوگی؟؟"

"نہیں نہیں قطب خاں۔" سطان نے اس غصہ کے عالم میں کہا۔" "یہ تو ہمارے احکام کی کھلی ہوئی تذلیل ہے.... بغاوت ہے یہ تو....."

اور اس کے ساتھ ہی سلطان بغیر کوئی قدم اٹھائے یا حکم دیئے جیسے خیمہ سے برآمد ہو کر یہاں تک آیا تھا اسی طرح تیز قدم اٹھاتا پھر خیمہ میں چلا گیا۔ ادھر قطب خاں نے ان تمام سرپھروں کو اپنی اپنی یونٹوں میں جانے کا اشارہ کیا۔ جب یہ لوگ ادھر چلے تو امیر قطب خاں بھی واپس ہوا اور سلطان کے حضور میں پہنچ گیا۔

سلطان نے اس سلسلہ میں اپنے سرداروں سے کافی دیر گفتگو کی پھر حکم دیا کہ ان

سرپھروں کو دوبارہ اسکے حضور پیش کیا جائے۔ سلطان کے خیمے کے سامنے اس کی مسند لگائی گئی۔ تمام امراء وزراء جمع ہوئے اور ان خود سر فاتح لشکریوں کو سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔

سلطان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں اس قدر جوش و خروش دکھانے کی کیا ضرورت پیش آئی کہ تم نے تمام احتیاطی تدابیر کو بالائے طاق رکھ دیا اور بھیڑیوں کے بھٹ میں گھس گئے۔ جہاں تک تمہاری بہادری اور جرات کا سوال ہے تو اس سے کون واقف نہیں۔ ہم نے دراصل محاصرہ کو اس لئے کچھ طول دیا تھا کہ ہم چاہتے تھے کہ افغان بہادروں کی جانیں کم از کم ضائع ہوں مگر معلوم ہوتا ہے کہ پورن مل ہٹ دھری پر آمادہ ہے اس لئے اس کا علاج ضروری ہوگیا ہے۔"

پھر سلطان نے امیر قطب خاں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہمیں بتایا گیا ہے کہ بہادری کا مظاہرہ کرنے والے اس گروہ میں ایک بھی سردار موجود نہیں ہے۔ پس ہم حکم دیتے ہیں کہ ان کا ہر سپاہی' بیس بیس سپاہیوں پر سرادر مقرر کیا جائے مگر یہ بات بھی ان کے ذہن نشین کرا دی جائے کہ اگر آئندہ کوئی اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ حرکت کی گئی تو اس کی سزا ان کے تصور سے بھی زیادہ ہوگی۔"

سلطان کے اس فیصلے اور انعام کے اعلان سے لشکریوں کے جوش و جذبہ میں کچھ اور اضافہ ہوگیا۔ اسی دن حکم دیا گیا کہ لشکر میں برتنوں کی صورت میں جس قدر تانبہ اور پیتل موجود ہے وہ سب ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ ان کے مالکوں کو اس کی دوگنی قیمت ادا کی جائے پھر اس تانبہ اور پیتل کو گلا کر توپیں ڈھالی جائیں اور ان توپوں کیلئے گولے تیار کئے جائیں۔

سلطانی حکم ہوتے ہی تمام لشکر اس طرف لگ گیا۔ لشکر کے علاوہ پاس پڑوس کی آبادیوں سے بھی منہ مانگے داموں پر تانبہ اور پیتل خریدا گیا۔ پھر انہیں گلا کے دھڑا دھڑ توپیں تیار ہونا شروع ہو گئیں۔ ان توپوں کیلئے گولوں کی تیاری کا الگ کام شروع ہوگیا۔

ایک روایت کے مطابق تین ہفتوں کی کوششوں کے بعد آٹھ ہلکی توپیں تیار ہو گئیں۔

ایک دن نماز جمعہ کے بعد توپوں نے قلعہ رائسین پر گولے اگلنا شروع کر دیئے۔ یہ

بات قلعہ والوں کے تصور میں بھی نہ تھی۔ وہ اطمینان سے قلعہ میں خوش فعلیاں کرتے پھر رہے تھے کہ ان پر گولوں کی شکل میں موت نازل ہونا شروع ہو گئی۔ اتنے دن کے محاصرے اور فصیل پر پتھر پھینکنے سے اتنا نقصان نہ ہوا تھا جتنا نقصان توپ کے ان گولوں نے صرف نصف دن کی گولہ باری میں کیا۔ قلعہ رائسین کی فصیل کئی جگہ سے شکستہ ہو گئی اور قلعہ والوں کو یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ اگر اسی طرح گولہ باری جاری رہی تو دوسرے دن فصیل زمین کے برابر ہو جائے گی۔

گولہ باری کے دوران ہی قلعہ رائسین کا دروازہ کھلا اور پورن مل کا بھائی چتر بھوج چار اور سرداروں کے ساتھ نیزوں پر سفید پرچم اڑاتا' برآمد ہوا۔ سلطان کو اطلاع ملی تو انہوں نے فوراً" گولہ باری روکنے کا حکم صادر کر دیا۔ قلعہ کی فصیل پر فوراً" خاموشی طاری ہو گئی۔ چتر بھوج اور اس کے ساتھیوں کو اسی وقت سلطان کے حضور میں پیش کیا گیا۔

چتر بھوج نے حسب عادت سجدے کی حد تک جھک کر تسلیمات پیش کیں۔

سلطان کی تیوریاں چتر بھوج کو دیکھتے ہی چڑھ گئی تھیں۔ انہوں نے کرخت لہجے میں کہا۔

"چتر بھوج۔ ہم نے پہلے بھی تمہیں بتا دیا تھا کہ ہمارے مذہب میں انسان کو انسان کا سجدہ کرنا جائز نہیں۔ سیدھے کھڑے ہو کر جو کہنا ہے صاف صاف کہو؟"

"سلطان عادل" چتر بھوج نے سیدھا ہو کر کہا۔

"رائے پورن مل نے سلطان عادل کی اطاعت کا اعلان کیا ہے۔ اور شاہی لشکر میں آنے کی درخواست کی ہے۔"

"اس لئے کہ اب اسے اپنی موت نظر آ رہی ہے؟"

سلطان نے غصہ سے کہا "اس نے مسلمان آبادیوں سے ایسی تباہی مچائی ہے اور مسلم خواتین اور دوشیزاؤں کو گرفتار کر کے ایک ناقابل معافی جرم کیا ہے۔ اسے خود کو غیر مشروط طور پر ہمارے حوالے کرنا پڑے گا۔"

"سلطان عادل" چتر بھوج نے گھما کر بات کی۔

"پورن مل۔ آپ کی غلامی تسلیم کر رہا ہے اس لئے اس کی اور اس کے متعلقین کی جان بخشی کا اعلان فرما کر الطاف خسروانہ کا مظاہرہ فرمایا جائے۔"

"ہرگز نہیں۔" سلطان نے انکار کیا۔ "ہر جرم کی نوعیت مختلف ہوتی ہے اس لئے صرف اقبال جرم پر مجرم کو معاف نہیں کیا جا سکتا۔ اسے ہمارے سامنے پیش ہو کر اپنی صفائی دینا ہو گی۔ پھر جو ہم فیصلہ کریں گے اس پر عمل ہو گا۔"

"سلطان معظم۔" چتر بھوج نے جرح کا انداز اختیار کیا۔ "پورن مل کا جرم سیاسی نوعیت کا ہے اس لئے اس کے معافی نامہ پر غور فرمایا جائے۔"

"ہم جرح اور ولیلوں کو پسند نہیں کرتے" سلطان چڑ گیا۔ "تم سفارت واپس لے جا سکتے ہو۔ ہم حکم دیتے ہیں کہ جب تک تم قلعہ میں واپس نہ پہنچ جاؤ' گولہ باری ملتوی رکھی جائے۔"

چتر بھوج کے پسینے چھوٹ گئے۔ اس کا خیال تھا کہ سلطان' پورن مل کے معافی نامہ اور اطاعت سے خوش ہو جائے گا مگر یہاں تو بات ہی بگڑ گئی تھی۔ اس نے فوراً" خوشامدانہ انداز اختیار کیا۔

"سلطان معظم۔ پورن مل غیر مشروط خدمت عالی میں حاضر ہونے کو تیار ہے۔ براہ کرم شہزادہ عادل خاں یا امیر قطب خاں کو میرے ساتھ قلعہ بھیجا جائے تاکہ وہ پورن مل کو اپنے ساتھ لے کر حضور شاہی میں پیش کریں۔"

سلطان نے فرمایا "چتر بھوج کی درخواست قبول کی جاتی ہے۔ امیر قطب خاں قلعہ میں جائیں گے اور پورن مل کو اپنے ساتھ لے کر آئیں گے۔"

"سلطان عادل نے الطاف خسروانہ کا مظاہرہ کیا ہے اس کے لئے سلطان معظم کا جان و دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔" چتر بھوج گداگروں کی طرح گڑگڑایا۔ اس کے ساتھ یہ غلام ایک اور درخواست پیش کرنا چاہتا ہے' اجازت دی جائے؟"

"اجازت ہے مگر گفتگو کو طول نہ دیا جائے۔" سلطان نے کہا۔

"سلطان عالی مقام!" چتر بھوج نے کہنا شروع کیا "قلعہ رائسین کے پورن مل ہی نے نہیں بلکہ اس کے بیوی بچوں' تمام متعلقین اور لشکریوں نے بھی سلطان کے حضور اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کیا ہے اس لئے پورن مل کے ساتھ ان تمام لوگوں کو بھی شاہی لشکر میں آنے کی اجازت عطا کی جائے وہ سلطان کی غلامی قبول کرنے کے خواہشمند ہیں۔"

"انہیں بھی آنے کی اجازت ہوگی مگر اس امر کا فیصلہ بعد میں ہوگا کہ ہم انہیں اپنی غلامی اور ملازمت میں قبول کرتے ہیں کہ نہیں۔ اب تم جا سکتے ہو" اور سلطان نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

چتر بھوج کی سفارت کسی حد تک کامیاب ہوئی تھی۔ اس نے امیر قطب خاں کو ساتھ لیا اور خوشی خوشی قلعہ واپس ہوا۔ قلعہ والے سخت پریشان تھے یہ فصیل شکستہ ہونے کے علاوہ قلعے کے اندر کئی گولے گرے تھے اور وہاں قیامت برپا تھی۔ یہ منجنیق سے پھینکے ہوئے پتھر نہیں تھے بلکہ بارود بھرے گولے تھے۔ یقین کیا جاتا ہے کہ ظہیر الدین بابر نے بھارت میں پانی پت کے میدان میں بارود (باروت) کا استعمال کیا تھا اور اس کے توپ کے گولوں نے سلطان ابراہیم لودھی کی شکست کو یقینی بنا دیا تھا۔

چتر بھوج کے ساتھ امیر قطب خاں کو دیکھ کر پورن کو اطمینان ہوا تھا پھر اس نے قطب خاں کو سلام کرنے کے بعد چتر بھوج سے اشاروں میں کچھ پوچھنے کی کوشش کی تھی اور چتر بھوج نے ترنگ میں اسے بتایا تھا۔

"رائے پورن مل کو صلح مبارک ہو۔ سلطان عادل نے اسے اور اس سے تعلق رکھنے والے تمام لوگوں کی اطاعت قبول کر لی ہے اور اب ہم سب سلطان کی چاکری (ملازمت) میں ہیں۔" امیر قطب خاں نے اس کی گرفت کی اور کہا۔

"چتر بھوج! تم غلط کہہ رہے ہو۔ سلطان عادل نے تم لوگوں کو شاہی لشکر میں آنے کی اجازت دی ہے۔ جہاں تک تمہاری چاکری کا سوال ہے تو اس بارے میں سلطان عادل نے صاف طور پر ارشاد فرمایا تھا۔ کہ اس امر کا فیصلہ بعد میں ہوگا کہ آیا سلطان تم لوگوں کو اپنی ملازمت میں قبول کرتے ہیں کہ نہیں۔"

چتر بھوج کچھ بولنے والا تھا کہ پورن مل نے اسے اشارہ سے روک دیا اور بولا۔

"چلو۔ سلطان عادل کی یہ کیا کم مہربانی ہے کہ انہوں نے ہمیں اپنے لشکر میں قبول کر لیا ہے۔"

"یہ بات یہیں پر ختم ہوگئی۔ پورن مل اس سلسلہ میں مزید کرید نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے امیر قطب خاں کا جواب سن لیا تھا اور گھبرا رہا تھا کہ اگر اس نے اس بارے میں کچھ اور پوچھ گچھ کی تو کہیں امیر قطب خاں ناراض ہو کر واپس نہ چلا جائے۔

پورن مل کی محبوبہ رتناولی کو معلوم ہوا کہ چتر بھوج کے ساتھ امیر قطب خاں آیا ہے تو وہ جلدی جلدی بناؤ سنگھار کر کے قطب خاں کے پاس پہنچی اور اس کے سامنے جھک کے چاہا کہ قدم چومے مگر قطب خاں فوراً" پیچھے ہٹ گیا۔

"کیا کرتی ہو رتناولی "قطب خاں نے کہا......" ہمارے یہاں ہاتھ پیر چومنے کی کوئی رسم نہیں۔"

رتناولی نے برق پاش نظروں سے امیر قطب خاں کو دیکھا۔ وہ بڑی تیز عورت تھی۔ انداز ایسے دکھاتی کہ سامنے والا بے خود ہو جاتا مگر امیر قطب خاں کے سر پر سلطان عادل کی دہشت اور خوف کی تلوار لٹک رہی تھی۔ اس نے رتناولی سے نظریں چرا کے نیچے دیکھنا شروع کر دیا۔

رتناولی نے ادائیں دکھاتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے امیر قطب خاں! تم پہلے ایسے تو نہ تھے۔ اب تمہیں کیا ہو گیا کہ نظر ملا کر بات بھی نہیں کرتے؟"

امیر قطب خاں نے جواب دیا۔

"رتناولی! وقت وقت کی بات ہے۔ پہلے جوانی کا جوش تھا۔ اور نظریں بھٹکتی تھیں مگر سلطان عادل کی ملازمت نے مجھے تجربہ اور الوالعزمی کا سبق دیا ہے۔ تم لوگ جلدی سے تیار ہو کے میرے ساتھ چلو۔ سلطان میری واپسی کے منتظر ہوں گے۔"

"اتنی بھی جلدی کیا ہے امیر قطب خاں" رتناولی اٹھلائی۔ مگر امیر قطب خاں' سلطان عادل کی صحبت میں ایک ایسا پتھر بن چکا تھا جس پر جونک اثر نہیں کرتی تھی۔ وہ اسی عالم میں قطب خاں کے بالکل مقابل آ کے کھڑی ہوگئی۔

"تمہیں جلدی ہو یا نہ ہو مگر مجھے ضرور جلدی ہے۔" قطب خاں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "خیال رہے رتناولی میں سلطان کے حکم سے تم لوگوں کو ساتھ لے جانے کے لئے آیا ہوں۔ تمہارے ساتھ رنگ رلیاں منانے نہیں آیا....."

اسی وقت ایک بوڑھی عورت بدحواسی کے عالم میں بھاگتی ہوئی آئی اور قطب خاں کے پاس پہنچ کے چیخی۔

"یہ .... یہ کافر ہے۔ یہ سب کافر ہیں۔ ان کا اعتبار نہ کرنا۔ مسلمان عورتوں اور

لڑکیوں کو انہوں نے قید کر رکھا تھا اور یہ عورت .... یہ آوارہ ہے' شراب پیتی ہے' خود ننگی ناچتی ہے اور مسلمان لڑکیوں کو بھی ننگا کر کے اپنے ساتھ نچاتی ہے......"

"بس بس ..... بس کرو اماں ....." رتناولی نے بڑی بی کی بات کاٹ دی۔ "قطب خاں تم چاہو تو قلعہ کی تلاشی لے سکتے ہو۔ میں قسم کھا کے کہتی ہوں کہ قلعہ میں ان اماں کے علاوہ ایک بھی مسلمان عورت یا لڑکی موجود نہیں۔ یہ افواہیں تو ہمیں بدنام کرنے کے لئے پھیلائی گئی ہیں۔"

"یہ جھوٹی ہے....." بڑی بی غصہ میں بھری رتناولی کے پاس پہنچ گئی ہے۔ "میں تمہیں بتاتی ہوں کل تک مسلمان عورتیں اور لڑکیاں اس قلعہ میں قید تھیں مگر جب قلعہ کی دیواریں ٹوٹنے لگیں تو ان ظالم ہندوؤں میں خوف پھیل گیا اور صلح کے لئے آدمی بھیجنے کا فیصلہ ہوا مگر اس سے پہلے ان لوگوں نے مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کو قلعہ کے خفیہ راستے سے باہر نکالا اور انہیں جانوروں کی طرح ہنکاتے ہوئے مسلمان آبادیوں میں پہنچا آئے ہیں......"

"امیر قطب خاں......" رتناولی نے پھر دخل دیا۔ "ان کا دماغ بڑھاپے کی وجہ سے چل گیا ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ قلعہ میں ایک بھی مسلمان عورت یا لڑکی موجود نہیں ہے سوائے ان اماں کے۔ یہ اماں کتنے ہی سال سے ہمارے ساتھ رہتی ہیں۔ انہوں نے خود اپنی مرضی سے ہمارا مذہب اختیار کیا ہے۔ پورا قلعہ انہیں اماں' اماں کہتا ہے مگر اس وقت یہ ہمارے خلاف زہر اگل رہی ہیں۔"

"خیر چھوڑ ان باتوں کو ......" امیر قطب خاں نے پیچھا چھڑاتے ہوئے کہا۔ پھر بڑی بی کو مخاطب کیا۔ "اماں تم فکر نہ کرو میں ان سب کو قلعہ سے سلطان عادل کے پاس لئے جا رہا ہوں۔ اگر انہوں نے حکم دیا تو میں واپس آکر قلعہ کی تلاشی لوں گا۔ اس وقت میں بہت جلدی میں ہوں۔"

بڑی بی کو شاید قطب خاں کی مجبوری کا احساس ہوگیا۔ انہوں نے دبی زبان سے کہا۔

"اللہ تمہاری عمر دراز کرے مگر مجھے بھول نہ جانا۔ میں نے انہیں دھوکہ دینے کے لئے ان کا مذہب اختیار کیا تھا۔ میں مسلمان قیدی عورتوں کو چھپا چھپ کے کھانے پینے کی چیزیں پہنچایا کرتی تھی۔"

رتناولی کھا جانے والی نظروں سے بڑی بی کو گھورے جا رہی تھی۔

پورن مل نے بڑی مجبوری کی حالت میں ہتھیار ڈالے تھے۔ وہ خفیہ راستہ سے جان بچا کر بھاگ سکتے تھے مگر اس صورت میں قلعہ ہمیشہ کے لئے ان کے ہاتھ سے نکل جاتا۔ اس وقت انہیں امید تھی کہ سلطان شیر شاہ سے کسی نہ کسی شرط یا شرائط پر صلح ہو جائے گی اور وہ اپنے قلعہ میں واپس آ جائیں گے۔

اس مرتبہ جب سلطان عادل نے رائسین کا قلعہ محاصرہ میں لیا تھا پھر چتر بھوج سلطان سے صلح کی بات چیت کرنے لگا تھا تو پورن مل نے ہیرے جواہرات کے ساتھ ساتھ چھ سات ہزار راجپوت لشکری بھی سلطان کی خدمت میں ذکر میں بھجوائے تھے کہ انہیں شاہی لشکر میں بھرتی کرلیا جائے۔ اس ذکر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ پورن مل کے ساتھ قلعہ کے اندر دس پندرہ ہزار سے کم فوج نہ تھی۔ پھر جب وہ قطب خاں کے ساتھ اپنے بھائی اور بال بچوں کو لے کر چلا تو اس کا پورا لشکر بھی اس کے ساتھ تھا۔

اس بات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پورن مل کے دل میں پہلے ہی فتور موجود تھا ورنہ جب اس نے سلطان کی ملازمت کی خواہش کی تھی تو اس لشکر کو شاہی خیمہ گاہ میں لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ بال بچے تو اس کے صرف نام ہی کے تھے۔ پورن مل کی رتناولی ہی سب کچھ تھی۔ وہ اس کے دل پر بھی راج کرتی تھی اور قلعہ پر بھی۔ اس کے حکم کے بغیر قلعہ میں پتا بھی نہ ہلتا تھا۔

پورن مل ایک جلوس کی صورت میں شاہی لشکر گاہ میں پہنچا۔ سلطان عادل کو اس کی یہ بات سب سے زیادہ ناگوار گزری۔ اس نے بڑے تند لہجے میں پورن مل سے کہا۔

"پورن مل تم ہماری ملازمت اور چاکری کے لئے آئے ہو یا ہم سے ملاقات کو آئے ہو؟"

پورن مل نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"میرا اور سلطان عادل کا کیا مقابلہ۔ میں تو سلطان کی چاکری کے لئے حاضر ہوا ہوں۔"

"پھر اس لاؤ لشکر کی کیا ضرورت تھی؟" سلطان تلخ لہجے میں بولا "کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اس لشکر کو دیکھ کر ہم تمہیں کوئی رعایت عطا کریں گے؟"

پورن مل اور گھبرا گیا بولا "عالی جاہ! میں تو اس لشکر کو اس لئے لایا ہوں کہ شاہی ملازمت کے بعد مجھے اس لشکر کی ضرورت نہ رہے گی۔ عالی جاہ انہیں شاہی لشکر میں شامل کر سکتے ہیں۔"

سلطان شیر شاہ کو پورن مل کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ اس نے امیر قطب خاں سے دریافت کیا۔

"قطب خاں! تم نے قلعہ رائسین میں کسی مسلمان عورت کو تو نہیں دیکھا۔"

سلطان کے اس سوال پر پورن مل اور چتر بھوج کے منہ دھواں دھواں ہو گئے۔ انہوں نے ملتجیانہ نظروں سے امیر قطب خاں کی طرف دیکھا مگر قطب خاں ان کی کوئی مدد نہیں کر سکا۔ قطب خاں نے سلطان کو جواب دیا۔

"عالی جاہ! قلعہ رائسین میں میرے پاس ایک بوڑھی عورت آئی تھی۔ اس نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ ایک رات پہلے تمام مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کو قلعہ کے خفیہ راستے سے نکال کر قریب کی مسلمان آبادیوں میں پہنچا دیا گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس ضعیفہ نے جو کچھ کہا ہے وہ یقیناً" درست ہو گا۔"

سلطان شیر شاہ کا دماغ اور زیادہ چڑچڑا ہو گیا۔ اس نے حکم دیا۔

"قطب خاں! پورن مل اور ان کے لواحقین کو جنوب کی طرف شاہی لشکر سے ایک میل کے فاصلہ پر ٹھہرایا جائے۔ یہ لوگ وہاں اس وقت تک قیام کریں گے جب تک ہم ان کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔"

"تعمیل حکم ہو گی عالی جاہ۔" قطب خان نے سر خم کرتے ہوئے کہا۔

"ان کے قیام و طعام کا معقول انتظام کیا جائے۔"

سلطان نے مزید حکم دیا۔ "ہمارے لشکر کو مطلع کیا جائے کہ انہیں جنوب کی طرف جانے کی سخت ممانعت ہے۔ اسی طرح پورن مل کا کوئی لشکری، شاہی لشکر کی طرف نہیں آئے گا۔"

اس کے ساتھ ہی سلطان نے فرشی دربار برخاست کر دیا۔

شاہی حکم کے مطابق پورن مل اور اس کے متعلقین کیلئے سلطانی لشکر کے جنوب میں ہزاروں خیمے نصب کرا دیئے گئے۔ یہ خیمے اتنی دور دور تک پھیلے ہوئے تھے جیسے سلطانی خیمہ

گاہ کے سامنے ایک اور نئی خیمہ گاہ لگا دی گئی۔ سلطان نے چونکہ قلعہ کی مسلمان عورتو کے بارے میں مزید پوچھ گچھ نہ کی تھی اس لئے پورن مل اور رتناولی کو اطمینان ہو گیا ک سلطان نے ایک بار پھر ان کی غلطیوں سے چشم پوشی کی ہے اور انہیں جلد ہی قلعہ واپس کر کے دوبارہ راجہ بنا دیا جائے گا۔

ایک تو یہ بات سرے سے غلط تھی اور اگر سلطان نے کسی اشارے کنائے سے یہ بات ظاہر کی ہوتی تو پورن مل کو احسان مندی اور شکر گزاری کا اظہار کرنا چاہئے تھا مگر ہوا یہ کہ پورن مل اور اس کے ساتھیوں کو اپنی جان کی طرف سے اطمینان ہوا تو ان کی شیطانی سرشت پھر عود کر آئی۔

آخر پورن مل کے سلطان کے ہاتھوں گرفتار ہو کر محصور ہونے کی خبر قرب و جوار میں پھیلی۔ مظلوم مسلمانوں نے سنا تو وہ خوش ہوئے اور امید بندھی اس دفعہ سلطان شیر شاہ، ظالم رائے پورن مل سے ضرور بدلہ لے گا مگر ہفتہ سے زیادہ گزر جانے کے باوجود سلطان نے پورن مل کے بارے میں نہ کوئی اعلان کیا اور نہ فیصلہ کیا۔ اس سے قریب رہنے والے مسلمانوں میں سخت بے چینی اور خوف و ہراس پیدا ہو گیا۔

مسلمانوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ سلطان نے اگرچہ پورن مل کو محصور کر لیا ہے مگر پچھلے سال کی طرح اس دفعہ بھی اسے معاف کر کے ریاست و قلعہ اسے واپس کر دیا جائے گا اور وہ حسب معمول مسلمانوں پر اور زیادہ ظلم و ستم ڈھانا شروع کر دے گا۔ اس پریشان کن خیال نے انہیں اس قدر بد حواس کیا کہ قرب و جوار کی آبادیوں کے تقریباً" دو سو مرد اور عورتیں جمع ہوئیں اور انہوں نے طے کیا کہ وہ خود ننگے سر اور ننگے پیر سلطان کے حضور فریادی بن کے پیش ہوں گے اور اپنے اوپر توڑے جانے والے ظلم و ستم کی فریاد کریں گے۔

ایک دن دو سو مردوں اور عورتوں پر مشتمل یہ فریادی قافلہ شاہی خیمہ گاہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس قافلہ میں عام طور سے وہ مرد اور عورتیں شامل تھیں جن کے شوہروں اور بھائیوں پر پورن مل نے ظلم توڑے تھے اور ان کی لڑکیوں اور جوان عورتوں کو پورن مل اور اس کے سوار زبردستی پکڑ لے گئے تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ پورن مل گرفتار شدہ جوان عورتوں اور لڑکیوں سے ساقی گری کا کام لیتا اور انہیں شراب میں دھت ہندو

لشکریوں کے سامنے رقص کرنے پر مجبور کرتا تھا۔

یہ قافلہ جب شاہی خیمہ گاہ کے سامنے پہنچا تو اس کی کیفیت یہ تھی کہ مظلوم خواتین اپنے سروں پر خاک ڈال کر بال نوچ رہی تھیں اور مرد سینہ کوبی کر رہے تھے۔ ان سب کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا۔

"سلطان عادل' انصاف انصاف"

اس قافلہ کو خیمہ کے پہریداروں نے روک لیا تھا مگر اس کی آوازیں شاہی خیمہ کے اندر تک پہنچ رہی تھیں۔ سلطان کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔ اس نے قریب کھڑے حاجب سے پوچھا۔

"یہ شور کیسا ہے۔ اسے فوراً" بند کیا جائے؟"

اس وقت سلطان کا ایک سردار خیمے میں داخل ہوا۔ سلطان نے حاجب کو ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے آنیوالے سردار سے دریافت کیا۔

"یہ باہر شور کیسا ہو رہا ہے؟" سردار نے پہلے سلطان سے آنکھیں چار کیں پھر نظریں نیچی کر کے جواب دیا۔

"سلطان معظم۔ چندیری اور قرب و جوار کے مظلوم فریاد لے کر آئے ہیں اور انصاف کے طلب گار ہیں"

"ان پر کس نے ظلم کیا ہے؟" سلطان نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"عالی جاہ۔ یہ تمام لوگ رائے پورن مل کے زخم خوردہ ہیں۔ ان کے مردوں کو پورن مل کے حکم سے قتل یا قید کیا جاتا تھا اور خواتین اور دوشیزاؤں کو شراب پلانے اور ناچنے کا حکم دیا جاتا تھا۔"

سردار جانتا تھا کہ سلطان خود بھی ان حالات سے آگاہ ہے۔ مگر ملکی اور انتظامی سیاست اسے بار بار پورن مل کو سزا دینے سے روک دیتی ہے پھر بھی سلطان کے سوال سے اس میں جرات پیدا ہوئی اور اس نے کچھ تلخ انداز میں پورن مل کی حرکتوں کا ایک ہلکا سا خاکہ پیش کر دیا۔

وہ پورن مل کے حالات سے واقعی واقف تھا مگر اس وقت سردار کے تلخ اور تند الفاظ نے سلطان پر فوری اثر کیا اور اس کے چہرے پر ایک دم مردنی سی چھاگئی۔ وہ آنکھیں

بند کر کے کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کے حاجب نے اسے چونکا دیا۔

"حکم عالی ہو تو چند مظلوموں کو حضور کی خدمت میں پیش کیا جائے؟"

حاجب کے یہ الفاظ سلطان کے دل و دماغ پر تازیانے کا کام کر گئے۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر آنکھیں کھولیں پھر فوراً" سنبھل کر اپنی مسند پر کھڑا ہوگیا۔

"نہیں حاجب۔ کسی کو اندر بلانے کی ضرورت نہیں" سلطان نے بڑے دکھ سے کہا۔

"یہ کیا کم ظلم ہے کہ فریادی ہمارے خیمے تک آگئے۔ اب انہیں اندر بلا کے ہم دوسرا ظلم نہیں کرسکتے۔ ہم خود ان کے پاس جائیں گے۔"

یہ کہتے ہوئے سلطان شیر شاہ تیزی سے باہر کی طرف چلا اور وہاں موجود تمام سردار اس کے ساتھ ہولئے۔ مظلوموں نے سلطان کو اپنی طرف پاپیادہ آتے دیکھا تو ان میں اور زیادہ حوصلہ اور جرات پیدا ہوگئی۔ انہوں نے ایک طرف تو خاک اڑانے' بال نوچنے اور سینہ کوبی میں تیزی پیدا کر دی' دوسری طرف چند آدمیوں نے یک زبان ہو کر مطالبہ کیا۔

"ظالم اور قاتل پورن مل کی گردن اڑائی جائے"

یہی مطالبہ ایک دوسرے گروہ نے الفاظ تبدیل کر کے پیش کیا۔

"پورن مل کو سولی پر چڑھایا جائے۔"

سلطان اور قریب پہنچا تو مظلوموں نے سلطان کو گھیر لیا۔ محافظوں نے فوراً" سلطان کے گرد ایک حفاظتی حلقہ بنا لیا۔ سلطان نے تمام لوگوں کو ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پورا قافلہ خاموش ہو کر زمین پر بیٹھ گیا۔ ان کے بیٹھنے کے بعد خود سلطان اور اس کے تمام سردار بھی بڑی بے تکلفی سے فرش خاک پر بیٹھ گئے۔ پھر اس خاکی اور فرشی دربار کا اجلاس شروع ہوا۔

سلطان نے متین لہجے میں فرمایا۔

"اے میری رعیت کے نیک لوگو! اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مجھے تمہارا حاکم مقرر کیا ہے۔ مجھ پر فرض ہے کہ تمہارے دکھ درد کو دور کر کے سلطنت میں امن و امان برقرار رکھوں۔ اسی طرح تمہارا بھی یہ فرض ہے کہ اپنے حاکم کا امن و امان قائم کرنے میں ہاتھ بٹاؤ اور کسی قسم کے ہنگامہ کی صورت نہ پیدا کرو۔"

مظلوم قافلہ کے ایک بزرگ نے جواب میں کہا۔

"سلطان معظم نے جو فرمایا وہ درست فرمایا لیکن جب حاکم وقت اپنی رعیت پر ہونیوالے ظلم کی داستان نہ سنے تو پھر وہ کس دروازے پر دستک دینے جائیں؟"

سلطان نے قدرے چیں بچیں ہو کر فرمایا۔

"مگر ہم نے تم پر ظلم کی کب اجازت دی اور انصاف سے کب منہ موڑا؟"

بوڑھے مظلوم نے جرات سے کام لیا اور دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"اے حاکم وقت اور ہماری عزت و جان کے محافظ' گزشتہ سال جب ہماری فریاد سلطان عادل کے کانوں تک پہنچی تو وہ رائے پورن مل کو سزا دینے کیلئے بہ نفس نفیس یہاں تشریف لائے تھے مگر اس ظالم کی سرکوبی اور بیخ کنی کرنے کے بجائے سلطان نے پورن مل کو معاف کر دیا اور ہمارا انصاف کئے بغیر واپس چلے گئے۔ اس کے نتیجے میں پورن مل نے ہم پر اور زیادہ ظلم شروع کر دیئے۔ ہمارا خیال تھا کہ سلطان اس دفعہ ضرور انصاف فرمائیں گے مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ سلطان نے اس دفعہ بھی ظالم پورن مل کو اپنا مہمان بنایا ہے اور قلعہ والوں کو بڑے بڑے خیموں میں ٹھہرا کر ان کی خاطر و مدارت کی جا رہی ہے"

مظلوم بزرگ کا لہجہ واقعی گستاخانہ ہوگیا تھا۔ اور درباری پریشان ہوگئے تھے نہ معلوم اس بوڑھے کے بارے میں کیا حکم صادر کریں مگر سلطان نے بڑے تحمل کا مظاہرہ کیا اور فرمایا۔

"پورن مل کو نہ ہم نے بلایا ہے اور نہ اپنا مہمان بنایا ہے۔ وہ خود ہمارے پاس آیا اور ملازمت کا خواہشمند ہے۔ ایسی صورت میں ہم اسے کس طرح سزا دے سکتے ہیں؟"

بوڑھا مظلوم شاید سر سے کفن باندھ کے آیا تھا۔ وہ چیخ کے بولا۔

"ہمیں معلوم ہوگیا کہ سلطان ہمارا انصاف نہیں کر سکتا مگر سلطان کو بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ہم میدان حشر میں سلطان کا دامن پکڑ کر دار حشر سے اپنا انصاف طلب کریں گے۔ اس دن کیلئے سلطان کو تیار رہنا چاہئے۔"

پورا دربار تھرا اٹھا۔ ایک سردار نے تلوار کھینچ لی۔

"او بوڑھے خاموش ہو جا تو سلطان عادل کی توہین کا مرتکب ہو رہا ہے۔"

"تم چپ رہو سردار۔ یہ ایک منصف اور دعویدار کا معاملہ ہے۔ اسے ہم خود ہی نپٹیں گے۔" سلطان نے سردار کو ڈانٹ دیا پھر بوڑھے ضعیف کو مخاطب کیا۔ "اے

بزرگ۔ بے شک تجھے داور حشر کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا مگر مجھے یہ تو بتا کہ ایک شخص میری ملازمت کی درخواست کر رہا ہو پھر میں اس کے خلاف کوئی قدم کیسے اٹھا سکتا ہوں؟"

بوڑھے نے بڑے حوصلے سے کہا "اے سلطان عادل! کیا آپ کے ملازموں کے خلاف ان کے جرائم کے سلسلہ میں انصاف کی درخواست نہیں پیش کی جا سکتی؟"

سلطان جواب سوچ رہا تھا کہ ایک مظلوم عورت نے چیخ کے کہا۔

"ہمارا دعویٰ علماء کے سامنے پیش کیا جائے اور ان سے اس بارے میں فتویٰ طلب کیا جائے؟"

سلطان عادل' عورت کے اس جرات مندانہ مطالبہ پر ناراض ہونے کے بجائے خوش ہوا۔ وہ پورن مل کے معاملہ میں بہت الجھا ہوا تھا۔ اس نے فتویٰ کے مطالبہ پر فوراً" سر تسلیم خم کر دیا۔ یہ معاملہ شیخ خلیل اور میر سید محمد رفیع الدین کے سامنے پیش کیا گیا۔ انہوں نے تمام حالات اور واقعات سننے کے بعد پورن مل اور اس کے مدد گاروں کو قتل کر دینے کا فتویٰ جاری کر دیا۔

سلطان نے اس وقت عیسیٰ خاں کو حکم دیا کہ اگلی صبح کو پورن مل کی لشکر گاہ کا محاصرہ کر لیا جائے۔ سلطان کے منہ سے الفاظ نکلے ہی تھے کہ ایک طرف سے ایک آدمی بھاگتا ہوا سلطان کے قریب پہنچا۔

"اے سلطان عادل۔ مجھے کچھ عرض کرنے کی اجازت دی جائے" آدمی نے پریشان لہجے میں کہا۔

"تمہیں اپنی عرضداشت پیش کرنے کی اجازت ہے" سلطان نے اسے اجازت دے دی

آنیوالے نے بتایا کہ اس کا تعلق بھی پورن مل کے زخم خوردہ لوگوں کے گروہ سے ہے۔ یہ گروہ پہلے گروہ کی روانگی سے کچھ دیر بعد روانہ ہوا اس لئے وہ پہلے گروہ میں شامل نہ ہو سکا تھا۔ جب دوسرا گروہ پورن مل کی خیمہ گاہ کے قریب سے گزرا تو پورن مل کے فوجیوں نے ان پر حملہ کر دیا اور وہ جان بچا کر بھاگتا ہوا یہاں تک پہنچا ہے۔

سلطان کو شریعت کا فتویٰ تو مل ہی چکا تھا۔ پورن مل کی اس تازہ واردات نے جلتی پر

تیل کا کام کیا۔ اس نے نظریں گھما کر اپنے سرداروں کو دیکھا پھر شہباز خاں شروانی پر نظریں جما کر کہا۔

"شہباز خان" شہباز خاں اٹھ کے کھڑا ہوا اور جھک کر مجرا پیش کیا۔

سلطان نے حکم دیا "شہباز خاں۔ پورن مل پر بزن بول دو مگر خیال رہے خواتین اور ہتھیار ڈالنے والوں کو قتل نہ کیا جائے۔ ہاں پورن مل اور اس کے تمام سرداروں کو کسی صورت میں بھی نہ چھوڑا جائے"

شہباز خاں شروانی ہزار ہزار سوار پر مشتمل پانچ دستوں کے ساتھ پورن مل کی خیمہ گاہ کی طرف بڑھا۔ پورن مل کو بھی حالات کا علم ہو چکا تھا۔ وہ لڑنے مرنے پر آمادہ تھا۔ وہ خود اپنے راجپوت دستوں کو لے کر مقابلہ پر نکلا۔ بڑی شدید جنگ ہوئی۔ افغان تو اس موقعہ کی تلاش ہی میں تھے۔ انہوں نے پورن مل پر ایسا شدید حملہ کیا کہ وہ پہلے ہی وار میں اس کے ہزار جوان کھیت رہے۔ تین گھنٹے کی سخت لڑائی کے بعد راجپوتوں کی لاشوں کے اس قدر ڈھیر لگ گئے کہ راستہ ملنا مشکل ہوگیا۔ بہرحال اس جنگ میں پورن مل اور اس کے تمام بڑے بڑے سردار مارے گئے اور راجپوتوں کی طاقت کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہوگیا۔ خواتین اور ہتھیار ڈالنے والوں کی جان بخشی کی گئی مگر انہیں قلعہ رائسین میں دوبارہ آباد ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔

سلطان عادل نے شہباز خاں شروانی ہی کو رائسین کا قلعدار مقرر کیا اور وہاں ان مظلوموں کو آباد ہونے کو فوقیت دی گئی۔ سلطان قلعہ میں داخل نہیں ہوا اور وہیں سے آگرہ واپس چلا گیا۔

شیر شاہ اس بات پر افسوس کرتا تھا کہ اسے اقتدار اس وقت حاصل ہوا جب اس کی زندگی کی شام ہو رہی تھی۔ پھر بھی اس جلیل القدر سلطان نے اپنے صرف پانچ سالہ دور حکومت میں جو کار ہائے نمایاں انجام دیئے وہ انمٹ اور نا قابل فراموش ہیں۔ ایک معمولی جاگیردار کا بیٹا جس کی قسمت میں گھریلو سکون بھی نہ لکھا تھا وہ محض اپنی محنت، ذہانت و دیانت سے ترقی کرتے کرتے ہند کا تاجدار بن گیا اور اس کے عظیم ہونے کا سب سے بڑا یہی ثبوت ہے۔

شیر شاہ کا پانچ سالہ عہد حکومت برصغیر کے نظم و نسق کی تاریخ میں ایک سنگ میل

کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بعد اکبر نے اس کے نظام حکومت سے پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ اکبر کا ایک نورتن، راجہ ٹوڈرمل دراصل شیر شاہ ہی کا تربیت یافتہ تھا۔ یہ اکبر کی خوش بختی تھی کہ اسے ورثہ میں شیر شاہ کا نظام حکومت ملا۔ انہی بنیادوں پر اکبر نے اپنی عظمت کا ایک پرشکوہ قصر و قلعہ تعمیر کیا۔

شیر شاہ کے نظام سلطنت کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ اس نے اپنی ذات کو طاقت کا محور یا روشنی کا منیار بنا لیا تھا۔ اس محور اور مینار سے ملکی، شرعی اور سیاسی احکامات صادر ہوتے اور اس کے امراء، وزراء اور قریب دور کے عامل، جاگیردار اور قلعدار ان احکامات پر بغیر چوں و چرا عمل پیرا ہوتے تھے۔ فوجداری مقدمات کا فیصلہ اس کے شقدار شقداران اور دیوانی مقدمات کا فیصلہ منصفاں کرتے تھے۔ غیر مسلموں کو اپنے باہمی تنازعات پنچایت سے فیصلہ کرانے کی اجازت تھی مگر فوجداری مقدمات میں مسلمان اور غیر مسلم کی تمیز نہ ہوتی تھی۔

اس سے پہلے جنگ کے موقعہ پر جاگیردار فوجیں مہیا کرتے تھے مگر شیر شاہ نے اس نظام کو ختم کر کے خود فوج بھرتی کی اور ان کی ماہانہ تنخواہ مقرر کی۔ اس زمانہ میں فوج کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی۔ صرف بادشاہ کے پاس ڈیڑھ لاکھ سوار اور پچپن ہزار پیدل فوج ہروقت رہتی تھی۔ اس کے فیل خانہ میں پچاس ہزار ہاتھی تھے۔

شیر شاہ نے صرف پانچ سال حکومت کی لیکن اس مختصر عرصہ میں اس نے شمالی برصغیر میں ایک سیاسی وحدت قائم کر دی۔ اس کی حدود سلطنت مشرق میں چٹا گاؤں، سلہٹ مغرب میں دریائے سندھ، شمال میں کوہ ہمالیہ کی ترائی اور جنوب میں کوہ وندھیا چل تک پھیلی ہوئی تھی۔ شیر شاہ کی مرکزی حکومت کے مندرجہ ذیل محکمے تھے۔

دیوان وزارت = اس محکمہ کا وزیر سلطنت کی آمدنی و خرچ کی نگرانی کرتا تھا۔

دیوان عرض = اس کا وزیر عارض کہلاتا اور فوجی بھرتی تنخواہوں کی تقسیم اور نظم و ضبط کا وہ ذمہ دار ہوتا تھا۔

دیوان رسالت = یہ محکمہ خارجہ تھا۔ دوسرے ممالک سے خط و کتابت اور سفیروں سے رابطہ اس کا کام تھا۔

دیوان انشاء = شاہی احکامات کا اجراء۔ مراسلات اور سرکاری ریکارڈ محفوظ رکھنا اس

محکمہ کے سپرد تھا۔

دیوان قضا = یہ محکمہ انصاف تھا۔ قاضی القضاۃ اس کا نگران اعلیٰ ہوتا تھا۔

دیوان برید = یہ محکمہ ڈاک تھا اور جملہ خبررسانی کے انتظامات کرتا تھا۔

شیر شاہ نے قدیم صوبے ختم کر کے ساری سلطنت کو 47 اضلاع میں تقسیم کر دیا پھر ان اضلاع کو متعدد پرگنوں (تحصیلوں) میں اور تحصیلوں کو متعدد دیہات میں تقسیم کیا گیا۔ (بعض مورخین اس سے اختلاف کرتے ہیں)

سلطان علاء الدین خلجی کے بعد شیر شاہ نے تمام زمینوں کی پیائش کرائی۔ گز سکندری کو معیاری پیانہ تسلیم کیا گیا۔ یہ زمین تین اقسام کی تھیں۔ اچھی، اوسط اور خراب۔ فی بیگہ اوسط پیداوار کا تعین کر کے 1/3 لگان مقرر ہوا۔ بعض علاقوں میں لگان 4 1/ لگایا گیا کیونکہ یہ علاقے زیادہ پیداوار دیتے تھے۔

شیر شاہ نے پولیس کا نظام اس قدر موثر بنایا کہ اس کی سلطنت سے جرائم کا تقریباً خاتمہ ہوگیا۔ اس سلسلہ میں اس نے "مقامی ذمہ داری کا اصول" پیش نظر رکھا۔ شیر شاہ کی رائے تھی جرائم مقامی مقدم (علاقہ کا افسر) یا بڑے زمیندار خود کراتے ہیں۔ یا کم از کم انہیں مجرموں کا علم ہوتا ہے۔ چنانچہ ڈاکہ اور چوری کی صورت میں "مقدم" کو گرفتار کر لیا جاتا۔ مقدم یا تو چور کو پکڑواتا یا اپنی جیب سے نقصان پورا کرتا۔ قتل کی صورت میں مقدم کو قاتل پیش کرنا پڑتا یا پھر خود اسے سزا بھگتنا پڑتی۔

آمدورفت کے لئے شیر شاہ نے کئی بڑی اور چھوٹی سڑکیں تیار کرائیں۔ موجودہ جی ٹی روڈ (جرنیلی سڑک) اسی کی تعمیر کردہ ہے جو رہتاس (جہلم) سے سنار گاؤں (بنگال) تک چلی گئی تھی۔ اس کی لمبائی تین ہزار میل تھی۔ دوسری سڑکوں میں آگرہ سے برہان پور، آگرہ سے جودھ پور، چتوڑ اور لاہور سے ملتان تک کی سڑکیں قابل ذکر ہیں۔ تمام سڑکوں کے کنارے سایہ دار درخت لگائے گئے تھے۔

ان سڑکوں کے کنارے ہر چار میل پر ایک سرائے تعمیر کی گئی تھی۔ سرائے کے صدر دروازے پر ٹھنڈے پانی کے ہندو مسلمانوں کیلئے الگ الگ مٹکے رکھے جاتے تاکہ مسافر اپنی پیاس بجھا سکیں۔ ہر سرائے میں ایک امام اور موذن ہوتا۔ ہندو مسافروں کیلئے الگ کھانا پکایا جاتا۔ مسافروں کے سامان کی حفاظت کیلئے کئی کئی پہریدار اور چوکیدار مقرر ہوتے۔

ان سراؤں کی تعداد 1700 (سترہ سو) تھی۔ ان سے ڈاک کا کام بھی لیا جاتا۔ ہر سرائے میں دو گھوڑے موجود ہوتے اور سرکاری ڈاک کے ہرکارے یہاں تازہ دم گھوڑا حاصل کرتے اور تھکے ہوئے گھوڑے کو وہاں چھوڑ جاتے۔ اس طرح سلطان کو ہر مقام کی خبریں آسانی سے پہنچتی رہتیں۔

سلطان نے چھوٹی بڑی بیشمار تعمیریں کرائیں تھیں۔ سہرام میں شیر شاہ کا مقبرہ ایک قابل دید عمارت ہے۔ یہ مقبرہ سلطان نے اپنی زندگی میں تعمیر کرایا تھا۔ مقبرہ کو ایک مصنوعی جھیل کے اندر بلند کرسی پر تعمیر کیا گیا ہے۔ سلطان بر سرکار یعنی پرگنہ میں قلعہ تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر اس کی زندگی نے وفا نہ کی۔ اس کے تعمیر کردہ قلعوں میں رہتاس (جہلم) کا قلعہ قابل دید ہے۔ اس قلعہ کی دس گز کے آثار پر سولہ گز بلند فصیل دیکھنے کے قابل ہے۔ اس کا دور ڈھائی میل ہے اور اس کے اڑتیس برج ہیں۔

شیر شاہ نے جمنا کے کنارے دہلی کا نیا شہر آباد کیا تھا۔ اس نے دہلی میں قلعہ اور ایک مسجد بھی بنوائی تھی۔ قنوج کا پرانا شہر گرا کر اس پر نیا تعمیر کرایا۔ وہاں ایک قلعہ بھی بنوایا تھا۔ شیر شاہ کے سکے چاندی اور سونے کی ہوتے۔ 1/2، 1/4، 1/4، 1/8 اور IV 1/ کے چھوٹے سکوں میں تقسیم تھے۔ یہ دام کہے جاتے تھے۔ اعشاری سکہ سے پہلے یہ اکنی، دونی، چونی اور اٹھنی کے نام سے پاکستان میں رائج تھے۔

شیر شاہ کے سکوں پر ایک طرف خلفاء راشدین کے نام تھے۔ دوسری جانب فارسی اور ناگری رسم الخط میں شیر شاہ کا نام تھا۔ شیر شاہ 1543ء تک مالوہ، قلعہ رائسین، ملتان و سندھ اور ماڑواڑ فتح کر چکا تھا۔ ماڑواڑ، راجپوتانہ کے ریگستان میں سب سے بڑی ریاست تھی۔ وہاں کچے قلعے تعمیر نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ ریت کی دیواریں کھڑی نہیں کی جا سکتی تھیں۔ اس موقعہ پر سلطان کے سات سالہ پوتے محمود خاں نے تجویز پیش کی کہ بوریوں میں ریت بھر کے دیوار بنا دی جائے۔ سلطان اپنے پوتے کی عقل و دانش پر حیران رہ گیا اور اس نے اس تجویز پر عمل کیا۔

ماڑواڑ کے بعد سلطان میواڑ کی طرف بڑھا مگر میواڑ کے کمسن راجہ اودے سنگھ نے صلح کو جنگ پر فوقیت دی اور سلطان ابھی پچیس میل دور تھا کہ میواڑ کا وفد اس کے حضور پیش ہوا اور قلعہ کی چابیاں اس کے حوالے کر دیں۔

سلطان عادل شیر شاہ سوری کی آخری جنگ' کانجر کی فتح تھی۔ کانجر کے راجہ کیرت سنگھ نے اطاعت سے انکار کیا اور جنگ پر آمادہ ہوا تھا چنانچہ نومبر 1544ء میں کانجر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ یہ محاصرہ سات ماہ تک جاری رہا۔

وہ 22 مئی 1545ء کا دن تھا۔ شیر شاہ قلعہ پر گولہ باری کی خود نگرانی کر رہا تھا کہ ایک گولہ فصیل سے ٹکرا کر واپس ہو کر آتش بازی کے ٹوکروں پر آکر گرا۔ اس کے پھٹنے سے آگ لگ گئی اور یہ آگ اس قدر تیزی سے پھیلی کہ سلطان کا پورا جسم جھلس گیا۔ اسے اٹھا کر خیمہ میں لایا گیا۔ سلطان نے اپنی حالت مخدوش محسوس کرتے ہوئے قلعہ پر عام حملہ کا حکم دے دیا۔ شام مغرب کے وقت سلطان کو فتح کی نوید دی گئی۔

سلطان کے جھلسے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پیدا ہوئی۔ اس کی زبان سے صرف "الحمد للہ" نکل سکا اور اس کے ساتھ ہی سلطان عادل نے 953ھ مطابق 1545ء کو اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

